

عمیون اخبار الرضا

جلد اول

از

شیخ اقدم محدث اکبر ابی جعفر الصدوق محمد

بن علی بن الحسن بن بابویه قمی

المتوفی ۳۸۱ھ

مترجم

محمد حسن جعفری

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	عیون اخبار الرضا
جلد	اول
مصنف	شیخ صدوق
مترجم	محمد حسن جعفری
کمپوزنگ	سجاد حسین خان (پھلن، علی پور)
نظر ثانی	اکبر ابن حسن
ناشر	اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ
تعداد :	۵۰۰
طبع	اول
قیمت	۲۰۰ روپے

ملنے کا پتہ
رحمت اللہ بک ایجنسی کاغذی بازار کھارادر کراچی ۷۴۰۰۰
فون نمبر: 2431577

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
12	عرض مترجم و انتساب	1
14	کچھ مصنف کے بارے میں	2
16	علماء کی توثیق	3
17	سلطان رکن الدولہ کے دربار میں شیخ صدوق کا مکالمہ	4
21	حاضرین محفل کے سوال اور شیخ صدوق کے جواب	5
24	کیا پوری امت کا بھٹنا درست قرار دیا جاسکتا ہے؟	6
26	شیخ صدوق کا ایک اور استدلال	7
28	امامت نماز کی حقیقت	8
31	امام زمانہ کا ظہور کب ہوگا؟	9
33	امام غائب کا فائدہ	10
35	بادشاہ کا اعلان حق	11
35	امام مظلوم کے سر اطہر کا نوک نیزہ پر قرآن پڑھنا	12
40	عرض مترجم	13
42	خطبہ الکتاب	14
43	کتاب کی وجہ تالیف	15
44	صاحب بن عباد کا پہلا قصیدہ	16
48	ابن عباد کا دوسرا قصیدہ	17
50	مدحت اہل بیتؑ	18
53	باب 1 لفظ رضا کی وجہ تسمیہ	19
54	باب 2 آپؐ کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ اور ان کے نام کی تحقیق	20

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
59	باب 3 امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت	21
	باب 4 امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف سے	22
62	آپ کی امامت پر نص	
79	باب 5 امام موسیٰ کاظم کا وصیت نامہ	23
88	باب 6 دوازدہ ائمہ کے ضمن میں آپ کی امامت پر نص	24
90	آسمانی لوح	25
97	رسول کے بعد الہ کے بارہ جانشین ہوں گے	26
102	یہودی عالم کے سوالات اور حضرت علی کے جوابات	27
105	امامت کا حقدار کون ہے اور مستحق امامت کی کیا علامت ہے ؟	28
112	ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی دعائیں	29
113	دعائے حضرت امام حسینؑ	30
114	دعائے حضرت امام زین العابدینؑ	31
115	دعائے حضرت امام محمد باقرؑ	32
116	دعائے حضرت امام جعفر صادقؑ	33
117	دعائے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	34
117	دعائے حضرت امام علی رضاؑ	35
118	دعائے حضرت امام محمد تقیؑ	36
119	دعائے حضرت امام علی نقیؑ	37
119	دعائے حضرت امام حسن عسکریؑ	38
120	علامات ظہور امام مہدی (عج)	39
123	حضرت خضرؑ کے سوالات اور امام حسن کے جوابات	40
129	باب 7 امام موسیٰ کاظمؑ، ہارون الرشید و موسیٰ بن مہدی	41

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
135	امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی رہائی	42
142	بلا اور دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا	43
143	قاضی ابویوسف اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	44
145	موسیٰ بن مہدی اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	45
145	دشمن سے امان پانے کی دعا	46
147	اخلاط اربعہ کا بیان	47
147	امام موسیٰ کاظم اور ہارون کا مکالمہ	48
148	جب رحم، رحم سے ملتا ہے تو!	49
149	بنی فاطمہ اپنے کو ہم سے افضل کیوں سمجھتے ہیں؟	50
150	اولاد کی موجودگی میں چچا میراث سے محروم رہتا ہے	51
152	آپ اولاد علی کی بجائے اولاد نبی کیوں کہلاتے ہیں؟	52
158	ہارون امام علیہ السلام کی عظمت سے واقف تھا	53
162	مخارق مغنی کی دریا ولی	54
165	امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دعا اور رہائی	55
167	امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے طولانی سجدے	56
	باب 8 وہ روایات جن سے امام موسیٰ کاظم کی	57
168	وفات ثابت ہوتی ہے	
170	معززین شر کا اجتماع	58
	باب 9 امام موسیٰ کاظم کے بعد ہارون نے ایک ہی شب	59
184	میں جن سادت کو قتل کیا	
188	منصور دوانقی کا ظلم	60
190	باب 10 فرقہ وافتیہ کیونکر معرض وجود میں آیا؟	61
193	باب 11 عقیدہ توحید کے متعلق امام علی رضا کے فرامین	62

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
202	صفات عین ذات ہیں	63
203	خالق و مخلوق کے ارادے کا فرق	64
203	”إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ کا مفہوم	65
204	ید قدرت کا مفہوم	66
205	ساق (پنڈلی) خداوندی کا مفہوم	67
206	مسجد کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا خطبہ	68
209	ترک ، ختم اور طبع کا مفہوم	69
211	جبر و تفویض کی نفی	70
213	لفظ نسیان کا مفہوم	71
214	خدا سے محبوب ہونے اور خدا کے آنے کا مفہوم	72
218	صفات توحید لمخاطب معنی منفرد ہیں	73
220	اللہ تعالیٰ کا پہلا صفاتی نام	74
221	ایجد کا مفہوم	75
226	امام علی رضا علیہ السلام کی ایک زندیق سے گفتگو	76
232	توحید کی کم از کم معرفت	77
232	کیا خدا کو لفظ ’شے‘ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ؟	78
233	حدوث عالم کی دلیل	79
233	اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے	80
235	اللہ نے اپنی مخلوق کو کس لیے پیدا کیا ہے ؟	81
235	جبر و اختیار کا مفہوم	82
237	اللہ نے منکرین ولایت کو اندھوں سے تشبیہ دی	83
239	زمین کے بستر اور آسمان کی چھت کا مفہوم	84
242	معصیت (نافرمانی) کس کی جانب سے ہے ؟	85
243	حق و قدر کا مفہوم	86

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
249	جبر و تشبیہ کی تردید اور غلاۃ کی پُر زور مذمت	87
251	جبریہ کے لیے فرمان	88
252	جبر و تفویض کے لیے قول فیصل	89
254	خالق و مخلوق کے اسماء میں معنوی فرق	90
255	غلاۃ کی غلط فہمی	91
255	غلاۃ کے اس نظریہ کا ابطال	92
256	اللہ کے عالم اور مخلوق کے عالم ہونے کا فرق	93
260	توحید کے متعلق امام علی رضا کا خطبہ	94
267	باب 12 دربار مامون میں مختلف ادیان کے علماء سے آپ کا مباحثہ	95
270	نصرانی عالم سے مباحثہ	96
277	یسودی ، عیسائی اور زر تشرقی علماء سے آپ کے مناظرے	97
278	عیسائی عالم سے آپ کی بحث	98
282	یسودی عالم کی طرف رجوع	99
288	زر تشرقی عالم سے مباحثہ	100
289	عمران صائی سے مباحثہ	101
297	حروف اجد کی تخلیق	102
300	ابداع مخلوق ہے یا نہیں	103
306	باب 13 خراسانی متکلم سلیمان مروزی سے آپ کا مباحثہ	104
308	”بداء“ کے اثبات	105
312	کیا ارادہ بھی حی و قیوم کی طرح صفت ہے ؟	106
330	باب 14 علی جہم سے عصمت انبیاء پر آپ کا مباحثہ	107
331	امام علیہ السلام کا جواب	108

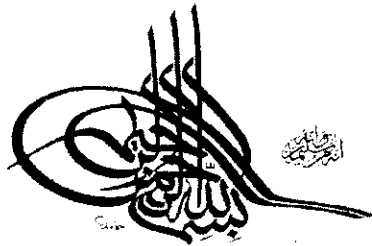
صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	باب 15 مامون الرشید سے عصمت انبیاء	109
338	پر آپ کا دوسرا مباحثہ	
360	باب 16 حضرت کی روایت، اصحاب رس کون تھے؟	110
367	باب 17 حضرت کی زبانی ”وَقَدْ نَا هُ بِذِبحِ عَظِيمِ“ کی تفسیر	111
	باب 18 حضرت کی زبانی آنحضرت کی حدیث	112
369	”أَنَا ابْنُ الذِّیْنِحْنِ“ کی تشریح	
375	باب 19 علامات الام پر حضرت کا فرمان	113
380	باب 20 وصف امام اور امام کے رتبہ و فضیلت پر آپ کا خطبہ	114
392	باب 21 حضرت کی زبانی فاطمہ زہرا کی شادی کی روایت	115
	باب 22 آپ کی روایت کہ ایمان معرفت بالقلب،	116
397	اقرار باللسان اور عمل بالا ارکان کا مجموعہ	
400	باب 23 حضرت کی زبانی عترت اور امت کا فرق	117
	قرآن میں بارہ مقامات پر عترت اہل بیت کی فضیلت اصطفاء	118
405	اور انتخاب کا تذکرہ ہے	
	باب 24 آپ کی زبانی، شامی کے سوالات	119
426	اور امیر المومنین کے جوابات	
440	باب 25 حضرت کا زید شہید کے متعلق فرمان	120
442	معصومین کی زبانی زید شہید کی فضیلت	121
447	باب 26 مختلف امور کے متعلق حضرت سے مروی روایات	122
466	باب 27 حضرت کی زبانی حاروت و ماروت کے قصے کی حقیقت	123

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	باب 28 حضرت سے مروی متفرق روایات	124
475	وجود حجت سے زمین قائم ہے ۔	
476	کسی کے فعل پہ راضی ہونے والا بھی اس کے ساتھ شریک ہے	125
477	زمانہ نبیت میں شیعوں کی پریشانی	126
478	بیت الخلا میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے	127
478	مومن اور کافر کی موت	128
480	سلاش حق کا طریقہ	129
481	بالوں کی سفیدی	130
481	پہلی چیز کو کھاؤ ، دوسری کو چھپاؤ اور تیسری کو پناہ دو ۔۔۔	131
484	دولت کب جمع ہوتی ہے ؟	132
484	وہ جانور جنہیں نہیں مارنا چاہیے اور جنہیں مارنا چاہیے	133
485	مرغ کی پانچ عادتیں	134
485	امیر المومنین کے لیے پانچ چیزوں کی دعا	135
486	جن عورتوں سے عزل جائز ہے	136
487	نجاشی کا جنازہ	137
488	ایام کی تقسیم کار	138
488	خوشبو لگانے کی تاکید	139
488	جنتی کون اور دوزخی کون ہے ؟	140
489	سجدہ شکر میں کیا پڑھنا چاہیے	141
489	جسے سجدہ میں نیند آجائے	142
490	علم ، عمل اور اخلاص	143
490	علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ	144
491	سجدہ شکر اور اس کا فائدہ	145

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
491	تجد گزاروں کی خوبصورتی کا راز	147
492	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تفسیر	148
497	اطراف حرم	149
497	گنہاں کبیرہ از روئے قرآن	150
502	خوشبو دار پودے	151
503	بچے پاگل کیوں پیدا ہوتے ہیں ؟	152
504	چور کب پکڑا جاتا ہے ؟	153
504	نوجوان لڑکی کے لئے پھل کی مانند ہے	154
505	جو نصیحت کے لائق نہ ہو	155
505	متشابہ کو محکم کی طرف پلٹنا چاہیے	156
506	ماہ رجب کے روزوں کا ثواب	157
506	محبت و نفرت صرف خدا کے لیے	158
508	ماہ شعبان میں استغفار کی فضیلت	159
508	کشتی نجات اور عروۃ الوثقی سے تمسک	160
509	غضب کے لیے بھی ایک حد چاہیے	161
509	شمہ شعبان کی فضیلت	162
510	فضائل ماہ رمضان	163
511	عظمت علیؑ	164
511	گریہ اور مجلس کا ثواب	165
511	وسعت رحمت خداوندی	166
512	در گزر کرنے کا خوبصورت انداز	167
512	بجلیوں کی چمک	168
512	درود کا ثواب	169
513	ماہ رمضان کی آمیزش و اختلاط کا خطبہ	170

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
517	غفلت انسانی	171
518	موت کی تیاری	172
518	فکر آخرت	173
519	روز عاشور کو کمائی کا دن نہ بنائیں	174
520	مصائب محرم	175
522	سورہ فاتحہ کے دو حصے	176
525	عظمت فاتحہ	177
527	انداز محبت	178
527	وحشت قیامت اور دوستوں کا فراق	179
528	مقام علی	180
529	مخالفین کی روایات کی اصل حقیقت	181
531	دشمن سے محفوظ رہنے کی دعا	182
534	إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی تفسیر	183
534	جس امانت کو زمین و آسمان نہ اٹھا سکے	184
535	شجرہ ممنوعہ	185
537	معصوم ہمیں سمجھدار دیکھنا چاہتے ہیں	186
537	دنیاوی مقاصد کے لیے علم حاصل نہ کریں	187
538	لفظ ”جزو“ سے کیا مراد ہے ؟	188
539	لفظ ”قدیم“ سے کیا مراد ہے ؟	189
540	”صاع“ کی مقدار	190
541	بیک وقت تین طلاقوں کا حکم	191
542	آسمانی ندا کے آنے تک صبر کرو	192
543	قبر زہرا علیہا السلام کی نشاندہی	193
543	عزت افزائی سے انکار نہ کرو	194

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
544	”سکینہ“ کیا ہے؟	195
544	زاہد کون ہے؟	196
545	کثافت کیا ہے؟	197
545	امم سابقہ کی بیماری	198
546	نیکی کی قدر والی	199
546	قاتل اور قاتل کو پناہ دینے والا دونوں ملعون ہیں	200
547	کان، آنکھ اور دل کو جواب دینا پڑے گا	201
548	”لحم“ اور ”لحم سمین“ کی تشریح	202
549	روزہ توڑنے کے تین کفارے اور ایک کفارہ	203
549	عربوں کی اولاد کے نام	204
550	افعال عباد مقدرہ ہیں	205
550	نیا کپڑا پہننے کے آداب	206
551	باب 29 حضرتؑ سے منقول آنحضرتؐ کی صفات	207
551	آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک	208
552	آنحضرتؐ کا انداز گفتگو	209
553	آنحضرتؐ کا دخول، خروج اور نشست عام	210
554	گھر سے باہر آنحضرتؐ کا طرز عمل	211
555	آنحضرتؐ کی محفلیں	212
556	آنحضرتؐ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک	213
557	آنحضرتؐ کی خاموشی	214



عرض مترجم و انتساب

جس طرح سے شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی مذہب شیعہ میں محتاج تعارف نہیں، اسی طرح سے ان کی کتاب عیون اخبار الرضاؑ کا نام نامی بھی محتاج تعارف نہیں ہے۔

کتاب عیون اخبار الرضاؑ کو یہ شرف حاصل ہے کہ شیخ صدوقؒ نے اس میں وہی روایات درج کی ہیں جن کی روایت کا سلسلہ رواۃ میں امام ہشتم حضرت علی رضا علیہ السلام شامل ہیں۔ تو گویا کتاب ہذا امام علی رضا علیہ السلام کی مرویات کی مستند دستاویز ہے۔

ترجمہ کے لیے ہم نے استاد فاضل السید ممدی الحسینی لاجوردی کے نسخہ پر انحصار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بہت سے نسخوں سے اس کا تقابل کیا اور اس کے لیے انہوں نے بہت سے مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں سے مدد حاصل کی ہے۔ اور کتاب عیون اخبار الرضاؑ کے اس وقت جتنے بھی نسخے دستیاب ہیں، ان میں سے سید ممدی الحسینی کا نسخہ ہر اعتبار سے بہتر ہے۔

اور ترجمہ کے ضمن میں ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک زبان کے مطلب و مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل ہے اور خاص کر جب کلام بھی امام معصومؑ کا ہو تو مشکل میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اسی لیے ہم یہ ہر گز دعویٰ نہیں کریں گے کہ ہم نے کتاب کا پورا مفہوم اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ البتہ یہ ضرور عرض کریں گے کہ بھری استطاعت میں جتنا بھی ممکن تھا ہم نے اس سے دریغ نہیں کیا اور ہم ترجمہ کتاب کو امام ہشتم ثامن الحجج ضامن غریباں مولائے کائنات حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان شرف فیاضی سے یہ توقع کرتے ہیں کہ دعبل کی

طرح سے ہماری ٹوٹی پھوٹی سطروں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔

شباباں چہ عجب گر بنوازند گذارا

اور اس حقیر ترجمہ کو بندہ اور اس کے والدین کے لیے اپنی شفاعت کا ذریعہ قرار دیں گے۔

اور آخر میں فرزند رسول خداؐ کے حضور ہم بصد عجز و انکسار عرض کرتے ہیں
یا ایہا العزیز !

مسنا و اهلنا الفروجننا ببضاعة مزجة فاوف لنا الكيل
وتصدق علينا . ان الله يجزي المتصدقين ۔

احد محیکم :

محمد حسن جعفری

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ بروز جمعۃ المبارک

کچھ مصنف کے بارے میں

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کے بالعموم اور مذہب شیعہ کے بالخصوص عظیم محسن شمار کیے جاتے ہیں۔ آپؑ نے اپنی تصنیف کے ذریعہ سے مذہب آل محمدؐ کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپؑ کا نام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی تھا۔ علامہ خلاصہ میں رقم طراز ہیں۔

محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی۔ جن کی کنیت ابو جعفر تھی۔ ایران کے مشہور شہر ”رے“ میں پیدا ہوئے۔ مذہب اہل بیتؑ کے عظیم الشان فقیہ اور اہل خراسان کے مرجع تھے۔ آپؑ ۳۵۰ھ میں عین عالم جوانی میں بغداد تشریف لائے، اور آپؑ نے وہاں درس حدیث کا حلقہ قائم کیا۔ چند دنوں میں آپؑ کے حلقہ حدیث کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مذہب امامیہ کے بزرگ علماء آپؑ کے حلقہ درس میں آکر شریک ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ آپؑ حدیث کے جلیل القدر حافظ تھے۔ اور رجال کے متعلق گہری بصیرت رکھتے تھے۔ احادیث کے عظیم نقاد تھے۔ اہل قم میں آج تک ان جیسا ذہین اور علم و عمل رکھنے والا شخص کوئی پیدا نہیں ہوا۔

شیخ صدوقؑ نے تین سو کے قریب کتابیں تالیف کی ہیں۔ جن میں سے اکثر کتابوں کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب کبیر میں کیا ہے۔ ۳۸۱ھ میں آپؑ نے وفات پائی۔ ”انتہی“ میں عرض کرتا ہوں کہ شیخ صدوق اور ان کے بھائی حسین امام صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف کی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے والد ماجد نے امام زمانہ کے نائب خاص حسین بن روح سے فقیہ فرزند کی دعا کے لیے متوسل ہوئے تھے اور انہوں نے ان کی یہ خواہش امام زمانہ (عج) کی خدمت میں پیش کی تھی اور امام زمانہ (عج) نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اور ان کی پیدائش کی پیش گوئی فرمائی تھی۔

ابن ندیم اپنی کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں کہ شیخ صدوقؑ قریباً تین سو کتابوں کے

مصنف تھے۔ اور اس وقت مجھے ان کی جن کتابوں کے نام یاد ہیں ان کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

چنانچہ ان کی مشہور کتب کچھ یہ ہیں

- 1- دعائے الاسلام فی معرفۃ الحلال و الحرام 2- کتاب المقنع 3- کتاب المرشد
- 4- کتاب الفضائل 5- کتاب المواعظ والحکم 6- کتاب السلطان 7- کتاب فضائل العلویہ
- 8- کتاب المصادقہ 9- کتاب الخوائم 10- کتاب الموارث 11- کتاب الوصایا
- 12- کتاب غریب حدیث النبی والائمۃ 13- کتاب الخداع الخف 14- کتاب حذوا
- لنعل بالنعول 15- کتاب مقتل الحسین علیہ السلام 16- رسالۃ فی ارکان الاسلام
- الی اهل المعرفة والدين 17- کتاب الحافل 18- کتاب الوضوء 19- کتاب علل الحج
- 20- کتاب علل الشرائع 21- کتاب الطرائف 22- کتاب نوادر الاخبار 23- کتاب
- فی اہل طالب و عبدالمطلب و عبد اللہ و ائمۃ بنت و ہب 24- کتاب الملاحی
- 25- کتاب العلل (غیر محبوب) 26- رسالۃ فی الغیۃ الی اهل الری والمقیمین بھا
- و غیر ہم 27- کتاب مدینۃ العلم اور یہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ سے بھی بڑی ہے۔
- 28- من لا یحضرہ الفقیہ 29- کتاب التوحید 30- کتاب المتفسیر - یہ کتاب
- مکمل نہیں ہو سکی تھی 31- کتاب الرجال - یہ کتاب بھی نہ مکمل ہے 32- المصباح
- لکل واحد من الائمۃ 33- کتاب الزہد لکل واحد من الائمۃ 34- کتاب ثواب الاعمال
- 35- کتاب عقاب الاعمال 36- معانی الاخبار 37- کتاب الغیۃ، یہ ایک مبسوط کتاب
- ہے 38- دین الامامیہ 39- کتاب المصباح 40- کتاب المعراج -

اس کے علاوہ شیخ صدوق نے اور بھی بہت سی کتابیں (۱) اور رسالہ جات تالیف

کیے ہیں جن کے نام مجھے ازبر نہیں ہیں۔

شیخ کی کتابوں اور روایات کے متعلق مجھے ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے خبر دی ہے۔ جن میں شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان اور ابو عبد اللہ حسین بن عبید اللہ اور

(۱) مجلس ابو منین میں شیخ صدوق کی دو سو سے زائد تالیفات کا ذکر ہے

ابوالحسین جعفر بن حسین بن حکم اور ابو زکریا بن سلیمان حرانی سر فرست ہیں۔

علماء کی توثیق

محقق بہہانی کی تعلیقہ میں مذکور ہے کہ محقق بحرانی نے حاشیہء بلغہ میں ذکر کیا ہے کہ ”ہمارے مشائخ نے شیخ بہہانی سے ابن بابویہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ان کو عادل قرار دیا اور ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی“۔

علاوہ ازیں دوسرے حاشیہ پر مرتوم ہے

ہمارے بعض مشائخ شیخ صدوق عطر اللہ مرقدہ کی توثیق کے لیے توقف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ توقف سرا سر غلط ہے۔ کیونکہ ابن بابویہ رئیس المحدثین ہیں اور ہمارے اصحاب کی عبارات میں انہیں لفظ ”صدوق“ سے تعبیر کیا ہے اور امام زمانہ (عج) کی توقع مبارک میں ان کے لیے لفظ ”فقیہ“ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ الحکف میں ان کی تعدیل و توثیق کی تصریح کی گئی ہے۔ اور سید ابن طاووس نے کتاب فلاح السائل میں اس توثیق کو قبول کرتے ہوئے لکھا۔

”حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ اس نے شیخ صدوقؒ کی کسی صحیح السند روایت میں توقف کیا ہو“

طبقة محدثین میں اس کے برعکس میں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ مرا سیل شیخ کو بھی صحیح شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ شیخ صدوق کی مرا سیل، ابن ابی عمیر کی مرا سیل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اور ان کی مرا سیل کو صحیح سمجھنے والوں میں علامہ شامل ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے ”مختلف“ میں اس کی وضاحت کی ہے اور ان کے علاوہ شمیم اور سید محقق داماد بھی شامل ہیں۔ (انتہی)

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”ابن طاووس نے کتاب الجہم میں شیخ صدوقؒ کی توثیق کی ہے بلکہ مذہب امامیہ کے

تمام محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ کیونکہ تمام محدثین نے امام زمانہ (عج) کی توقع کی توثیق کی ہے جس میں ان دو بھائیوں کے فقیہ ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ کیونکہ اگر شیخ صدوقؒ اور ان کے بھائی غیر مؤثق ہوتے تو امام علیہ السلام لفظ خیر سے ان کی توصیف نہ فرماتے۔“ (انتہی)

شیخ صدوقؒ کی توثیق و تعدیل کے شواہد اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ان کا تذکرہ کرنے سے قاصر ہیں۔

سلطان رکن الدولہ کے دربار میں شیخ صدوقؒ کا مکالمہ

شیخ جعفر رازی نے شیخ صدوقؒ کے حسین مقالات پر مشتمل ایک مکمل رسالہ تالیف کیا ہے۔ جس میں انہوں نے قاضی نور اللہ شوستریؒ کی کتاب مجالس المؤمنین سے درج ذیل مقالہ نقل کیا ہے۔

جب شیخ صدوقؒ کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو سلطان رکن الدولہ کو ان کی ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ اور اس نے شیخ صدوقؒ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

چنانچہ شیخؒ نے بادشاہ کی خواہش پر ان سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے شایان شان طریقہ پر انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے ساتھ انہیں کرسی پر بٹھایا۔ جب بادشاہ کی مجلس وزراء و علماء سے آراستہ ہو گئی تو بادشاہ نے شیخ صدوقؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

جناب شیخ! کیا امامت علی علیہ السلام کے عقیدہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان دوسرے خلفاء کا انکار کرے، اور کیا دوسرے خلفاء کا انکار کیئے بغیر انسان امامت علیؑ پر ایمان نہیں لاسکتا؟

یہ سوال سن کر شیخ صدوقؒ نے فرمایا:-

”محترم بادشاہ! اللہ اپنی توحید کے اقرار اس کو وقت تک قبول نہیں کرتا

جب تک معبودانِ باطل کی نفی نہ کی جائے۔ جیسا کہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ اس کا شاہد ہے۔ اور اسی طرح سے اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک میلہء کذاب اور اسود حنی جیسے جھوٹے مدعیان نبوت کا انکار نہ کیا جائے۔ بعینہ اسی طرح سے امامت علیؑ کا اقرار اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک ان کے حریفوں کی خلافت و امامت کا انکار نہ کیا جائے۔“

بادشاہ یہ جواب سن کر عیش عیش کر اٹھا اور شیخؒ سے گزارش کی کہ وہ غصب خلافت کی تفصیل بیان کریں اور مسئلہ خلافت کی شرعی حیثیت واضح کریں۔

یہ سن کر شیخ صدوقؒ نے فرمایا:-

”محترم بادشاہ! سورۃ البرائت کے قصہ پر امامت کا اجماع ہے اور یہ اجماع اس حقیقت کا مظہر ہے کہ خلیفہ اول کا اسلام سے چنداں واسطہ تک نہیں۔ اور مزید یہ کہ رسول خداؐ کے وہ ہرگز متعین کردہ فرد نہیں تھے۔ اور یہ اجماع اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ امیر المومنین کی ولایت و امامت کو اللہ نے آسمان سے نازل کیا تھا۔“

بادشاہ نے کہا آپؒ اس خبر کی تفصیل بیان کریں۔

شیخ صدوقؒ نے فرمایا:-

”بادشاہ سلامت! واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ برائت کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ ان آیات کو لے کر مکہ چلے جائیں اور حج کے اجتماع میں یہ آیت پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر مذکورہ آیات لے کر روانہ ہوئے ابھی کچھ فاصلے پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امینؑ کو نازل فرمایا اور وہ خدا کی طرف سے یہ پیغام لائے۔

لَا يُؤَدِي عَنْكَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ رَجُلٌ مِنْكَ

”اس حکم کو یا تو آپؐ خود پہنچائیں یا وہ انسان اسے پہنچائے جو آپؐ میں سے ہو“

یہ حکم ربانی سننے کے بعد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ

السلام کو روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت ابو بکر سے ملاقات کریں اور انہیں اطلاع دیں کہ ان سے یہ ذمہ داری واپس لے لی گئی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام روانہ ہوئے اور حضرت ابو بکر سے ملے اور انہیں خبر دی کہ تبلیغ آیات کی ذمہ داری سے انہیں معزول کیا جا چکا ہے۔ لہذا مذکورہ آیت حضرت علیؑ نے حج کے مجمع میں تلاوت فرمائیں۔

یہ واقعہ سن کر شیخ صدوقؒ نے فرمایا:-

بادشاہ! اس واقعہ سے رنج ذیل امور کا اثبات ہوتا ہے۔

1- حضرت ابو بکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع نہ تھے۔ کیونکہ اگر وہ تابع ہوتے تو یقیناً رسول خداؐ کی ”منیت“ کا انہیں ضرور شرف حاصل ہوتا۔

کیونکہ قرآن مجید کی آیت ہے ”فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“ (ابراہیم - ۳۶)

(حضرت ابراہیم نے کہا) پس جو کوئی میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔

2- اور جو تابع دار نہ ہو وہ محبت نہیں بن سکتا کیونکہ فرمان خداوندی ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (آل عمران - ۳۱)

”آپ کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تابع فرماں نہیں ہے وہ محبت بھی نہیں ہے۔

3- اور یہ بات بڑی واضح ہے کہ جو شخص محبت نہ ہو وہ بغض رکھنے والا ہوتا ہے۔

اور حب النبیؐ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور بغض نبیؐ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہوا کرتا ہے۔

علاوہ ازیں جہاں اس واقعہ سے حضرت ابو بکر کی مذمت ثابت ہوتی ہے وہاں حضرت علیؑ علیہ السلام کی بد درجہ اتم مدح ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام رسول خداؐ کی ”منیت“ کے مقام پر فائز تھے۔ اور

اس مقام کے حصول کے لیے اتباع شرط اول ہے اور اتباع کرنے والا خدا کا محبوب ہوتا ہے ۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں ارشاد فرمایا :-

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (ہود۔ ۱۷)

”تو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کے پیچھے

گواہ چلا آ رہا ہو“..... الخ

احادیث میں ”صاحب بینہ“ سے نبی اکرمؐ اور ”شاہد“ سے حضرت علیؑ علیہ السلام مراد لیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں پیغمبر اکرمؐ کی مشہور ترین حدیث ہے ۔ آپؐ نے فرمایا

طَاعَةُ عَلِيٍّ كَطَاعَتِي وَمَعْصِيَتُهُ مَعْصِيَتِي

”علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور علیؑ کی نافرمانی میری نافرمانی ہے“

علاوہ برائیں علمائے اہل سنت نے خود ہی روایت کی ہے کہ جب جنگ احد میں تین صحابہ بھاگ گئے اور رسول خداؐ میدان میں تنہا رہ گئے تو اسی اثنا میں دیکھا کہ جاثاری کا دعویٰ کرنے والے پہاڑوں پر بھاگ رہے ہیں اور ایک علیؑ میدان میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور نبوت و رسالت کا دفاع کر رہے ہیں تو اس وقت جبرائیلؑ امین نے بے ساختہ کہا :-

مواسات و خیر خواہی کا حق وہی ہے جو علیؑ ادا کر رہے ہیں ۔

رسول خداؐ نے فرمایا :

بھلا اس میں تعجب کیا اِنَّهُ مَعِيَ وَاَنَا مَعُهُ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے

ہوں۔

اس وقت جبرائیلؑ امین نے کہا :-

”وَ اَنَا مِنْكُمْ“ اور میں تم دونوں میں سے ہوں ۔

یہ چند واقعات سنانے کے بعد شیخ صدوقؒ نے رکن الدولہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

محترم بادشاہ ! جو شخص چند آیات کی تبلیغ کا اہل نہ ہو اور جسے خدا و رسولؐ تبلیغ سے معزول کر چکے ہوں ، تو ایسا شخص پورے کلام خدا کی تبلیغ کا اہل کیسا ہو سکتا ہے ؟

اور جسے خدا و رسولؐ تبلیغ آیات کے لیے نامزد کریں اس سے حکومت و مارت چھیننا کہاں کا انصاف ہے ؟

بادشاہ نے شیخ صدوقؒ کے یہ واضح دلائل سن کر کہا
”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے دلائل وزنی ہیں“

حاضرین محفل کے سوال اور شیخ صدوقؒ کے جواب

شیخ صدوقؒ کے یہ دلائل قاہرہ سن کر حاضرین بڑے ہی جربز ہوئے اور بادشاہ سے عرض کرنے لگے کہ اگر انہیں بھی اجازت ہو تو وہ بھی شیخ سے کچھ سوال کر لیں۔

بادشاہ نے اجازت دی تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا
محترم شیخ ! کیا یہ ممکن ہے کہ پوری امت اسلامیہ جہالت اور ضلالت پر جمع ہو جائے ۔ جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے
”لا تجتمع امتی علی ضلالة“ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی ؟
یہ سن کر شیخ صدوقؒ نے فرمایا :-

لغت میں لفظ امت کا اطلاق جماعت پر کیا جاتا ہے اور جماعت کے لیے کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے ۔ بلکہ بعض لغت کے نزدیک دو افراد کے لیے بھی لفظ جماعت اور لفظ امت کا اطلاق درست ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرد واحد کو بھی لفظ امت

سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمَشْرِكِينَ
شَاكِرًا لِّأَنْعَمِهِ اجْتَبَاهُ وَوَعَدَهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (الخل ۱۲۰-۱۲۱)

”بے شک ابراہیم ایک مستقل امت اور اللہ کے اطاعت گزار اور باطل سے کتر کر چلنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے ۔ خدا نے انہیں منتخب کیا تھا اور سیدھے راستے کی ہدایت دی تھی ۔“
جب لفظ ”امت“ کا اطلاق قرآنی لفظوں میں فرد واحد پر ہو سکتا ہے تو حدیث

کے الفاظ سے بھی امیر المومنین اور ان کے پیروکار مراد لیے جاسکتے ہیں ۔

شیخ کا یہ جواب سن کر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا
جناب عالی ! یہ درست ہے کہ لفظ امت کا اطلاق قلیل ترین افراد پر بھی
ہو سکتا ہے لیکن لفظ امت سے بڑی جماعت مراد لینا زیادہ مناسب ہے ۔

شیخ صدوقؒ نے فرمایا

ہم جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمیں قرآن مجید اکثریت کی
مدت اور اقلیت کی مدح کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ یہ آیت اس مفہوم کی
شہادت ہیں۔

۱۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجُوهُمْ - (النساء ۱۱۳)

ان لوگوں کی اکثر راز کی باتوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔

۲۔ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ - (المائدہ ۵۹)

تمہاری اکثریت فاسقین پر مشتمل ہے ۔

۳۔ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ (الزخرف ۷۸)

یقیناً ہم تمہارے پاس حق کو لائے ہیں۔ لیکن تمہاری اکثریت حق کو ناپسند

کرتی ہے۔

۴۔ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ (البقرہ ۱۰۰)

بلکہ ان کی اکثریت ایمان نہیں رکھتی۔

۵۔ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ (المائدہ ۱۰۳)

اور ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔

۶۔ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ۔ (الانعام ۱۱۱)

اور لیکن ان کی اکثریت جاہل ہے۔

۷۔ وَلَا تَجِدْ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ۔ (الاعراف ۱۷)

اور آپ ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔

۸۔ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ۔ (الاعراف ۱۰۲)

اور ہم نے ان کی اکثریت کو فاسق پایا۔

۹۔ وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا۔ (یونس ۳۶)

اور ان کی اکثریت ظن و گمان کی پیروی کرتی ہے۔

۱۰۔ فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۔ (فصلت ۴)

ان کی اکثریت نے منہ موڑ لیا ہے۔ پس (پیغام حق) نہیں سنیں گے۔

الغرض قرآن مجید میں ایسی بیسیوں آیات ہیں جن میں اکثریت کی مذمت

کی گئی ہے۔ اور اس کے برعکس ایسی دسیوں آیات موجود ہیں جن میں اقلیت کی تعریف کی

گئی ہے مثلاً

۱۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ (ص ۲۲)

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور وہ بہت ہی قلیل ہیں۔

۲۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ۔ (سبا ۱۲)

اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔

۳۔ وَمَا أَمَّنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ۔ (ہود ۴۰)

اور اس پر بہت کم افراد ایمان لائے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ امت موسیٰؑ میں سے حق پر قائم رہنے والے افراد بہت کم ہیں۔ اسی طرح امت اسلامیہ میں سے بھی حق کے پاسبان اور ہادی بہت کم ہیں۔ چنانچہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤَسَّسٍ أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف: ۱۵۹)

”اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حق کے ساتھ ہدایت

کرتی ہے اور معاملات میں حق و انصاف کے ساتھ کام کرتی ہے۔“

اور امت اسلامیہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ - (الاعراف: ۱۸۱)

”اور ہماری مخلوقات میں سے وہ قوم بھی ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتی ہے

اور حق ہی کے ساتھ انصاف کرتی ہے۔“

شیخ کا یہ جواب سن کر سائل خاموش ہو گیا اور اہل دربار میں سے کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ کوئی مزید سوال کرتا۔

کیا پوری امت کا بھٹکنا درست قرار دیا جاسکتا ہے؟

جب اہل دربار میں سے کسی کو سوال کرنے کا یارا نہ رہا تو بادشاہ نے شیخ صدوقؒ

سے پوچھا :-

کیا تاریخی تسلسل اور عقل و دانش ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم امت اسلامیہ کی ایک بڑی جماعت کے متعلق یہ فرض کر لیں کہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا تھا جب کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ تھے؟

شیخ صدوقؒ نے فرمایا :-

محترم بادشاہ ! ایسا سمجھنے سے کون سا فرق پیدا ہو جائیگا اور یہ تصور کرنے سے

دین میں کون سی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ارتداد کی پہلے سے خبر دے چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ أَفَأَنْتَ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۖ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ
يُصِرَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ (آل عمران ۱۴۴)

”اور محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں۔ جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور خدا تو عنقریب شکرگزاروں کو ان کی جزا دے گا۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی تشبیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
رَسُولًا ۝ (المزمل ۱۵)

”بے شک ہم نے تم لوگوں کی طرف تمہارا گواہ بنا کر ایک رسول بھیجا ہے۔ جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو شبیہ موسیٰؑ قرار دیا اور حبیب خدا نے حضرت علیؑ کو شبیہ ہارونؑ قرار دیتے ہوئے حدیث منزلت میں ارشاد فرمایا:-

أَمَّا تَرَضَىٰ يَا عَلِيُّ أَنْ تَكُونَ مَعِيَ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ ۖ أَلَا
أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ۖ

اے علیؑ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھؐ وہی درجہ حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اور اب ملاحظہ فرمائیں کہ تاریخی تسلسل اور عقل و دانش امت موسیٰؑ کے لیے

کیا فیصلہ کرے گی ؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کیلئے تشریف لے گئے اور انہوں نے حضرت ہارون کو اپنا جانشین قرار دیا۔ اور کوہ طور پر انہیں تمیں کی بجائے چالیس راتیں ٹھہرنا پڑی تو امت موسیٰ کی اکثریت مرتد ہو گئی اور خدا کو چھوڑ کر سامری کے بنائے ہوئے پتھر کی عبادت کرنے لگ گئی۔ بادشاہ سلامت ! انصاف سے بتائیں جب موسیٰ کی امت موسیٰ کی زندگی میں بھٹک سکتی ہے ؟

تو رسول خدا کی امت ان کی وفات کے بعد کیوں نہیں بھٹک سکتی ؟ شیخ کا یہ استدلال سن کر بادشاہ عیش و عشرت کراٹھا اور کہنے لگا اس سے بہتر استدلال ممکن ہی نہیں ہے۔

شیخ صدوقؒ کا ایک اور استدلال

اس کے بعد شیخ نے فرمایا

محترم بادشاہ ! عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے برادران اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ کی وفات کے وقت صحابہ نے مل جل کر حضرت ابو بکر کو نامزد کیا تھا۔ اس نظریہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا اور امت نے اپنی صوابدید سے خلیفہ نامزد کیا اور یہ نامزدگی جائز قرار پائی۔

تو اس عقیدہ میں دو علیحدہ علیحدہ اعمال کی نسبت علیحدہ علیحدہ شخصیات کی جانب کی گئی۔

۱۔ رسول خدا کی سنت ہے خلیفہ نہ بنانا۔

۲۔ امت کی سنت ہے خلیفہ بنانا۔

تو اس نظریہ کے حاملین سے ہماری یہی درخواست ہے کہ خدا را وہ ہمیں بتائیں کہ
۱۔ رسول خداؐ نے خلیفہ مقرر نہ کر کے صحیح کیا تھا یا غلط؟

۲۔ اور امت نے خلیفہ مقرر کر کے صحیح کیا تھا یا غلط؟

جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو غلط کہنا ہرگز درست نہیں
ہے۔ لہذا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ کہنا انتہائی آسان ہے کہ امت نے سقیفہ میں جو
نامزدگی کی تھی وہ منشاءً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تھی اور وہ ایک غلط
اقدام تھا۔

اور آئیے یہ دیکھیں کہ کیا واقعاً رسول خداؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں
کیا اور عدم استخفاف کا یہ عقیدہ کسی عاقل کے لیے کسی طور بھی قابل قبول نہیں
ہے۔ کیونکہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک بھکاری جس کی کل کائنات صرف
ایک کھل اور ایک جھونپڑی پر مبنی ہوتی ہے، وہ بھی کسی نہ کسی کو اپنا جانشین
مقرر کر کے جاتا ہے جب کہ دین و دنیا کے احکام حبیب خداؐ کے پاس تفویض تھے
تو آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین متعین نہیں کیا تاکہ افراد امت ایک دوسرے کے دست
گریبان رہیں۔

اور اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے تو حضرت عمر کو اپنا
جانشین بنایا اور حضرت عمر نے بھی اپنی نیابت کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک شوریٰ
تفکیل دی تھی!

اس صورت میں برادران اہل سنت سے ہمارا یہ سوال ہے کہ حضرت ابو بکر
نے اسلام کی محبت میں حضرت عمر کو اپنا جانشین بنایا تھا یا کچھ دیگر اسباب کی وجہ
سے انہیں نامزد کیا تھا؟

اور اسی طرح حضرت عمر نے جانشینی کے لیے چھ افراد پر مشتمل جو شوریٰ

تشکیل دی تھی و اسلام کی محبت کے تقاضا سے تھی یا کچھ اور اسباب کے ماتحت تھی ؟
 اگر دونوں بزرگواروں کا یہ فعل محبت اسلام کی وجہ سے تھا تو ہم اہل سنت
 برادران سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
 (عیاذ باللہ) اسلام سے اتنی محبت بھی نہ تھی جتنی کہ شیخین کو تھی ؟
 تو کیا شیخین کے لیے انتخاب جائز تھا ، لیکن جناب رسول کریمؐ کے لیے
 جائز نہیں تھا ؟

اگر برادران اہل سنت کے پاس اس سوال کا جواب ہو تو وہ ہمیں اپنے
 جواب سے مطلع فرمائیں ۔

بادشاہ نے شیخ صدوق کی تقریر کو بہت پسند کیا اور شیخ سے کہا کہ پھر آپ
 ہی بتائیں کہ اہل سنت نے کس بنیاد پر حضرت ابو بکر کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا ؟

امامت نماز کی حقیقت

شیخ صدوقؒ نے فرمایا :-

بادشاہ معظم ! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ان دوستوں کا گمان یہ ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز کے لیے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

اور اس کے لیے دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ روایت سرے سے ہی غلط ہے
 کیونکہ ہمارے مخالف اس بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں اور وہ خود بیان کرتے ہیں
 کہ جب حضرت ابو بکر نے نماز شروع کرائی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان
 کی امامت کا علم ہوا تو وہ اپنی تمام تر تکلیف کے باوجود بستر سے اٹھے اور نفاہت کی وجہ
 سے چلنے کے قابل نہیں تھے ۔ اس عالم میں انہوں نے علی و عباسؓ کے کندھوں کا
 سہارا لیا اور مسجد میں تشریف لائے ۔ آنحضرتؐ کو آتا دیکھ کر حضرت ابو بکر مصلیٰ
 سے ہٹ گئے اور رسول خداؐ اپنے مصلیٰ پر تشریف لائے اور بیٹھ کر اشاروں سے نماز

پڑھائی -

اگر حضرت ابو بکر کو آنحضرتؐ نے خود ہی اپنا جانشین نامزد کیا ہوتا تو انہیں خود جانے کی کیا ضرورت تھی ؟

اور اس روایت کے برعکس بعض مخالفین نے روایت یوں تخلیق کی ہے کہ آنحضرتؐ نے حصہ بنت عمر سے فرمایا :-

مری اباك ان يوم الناس بالصلاة -

”اپنے باپ کو حکم دے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے“

جب روایات باہمی اختلاف کا شکار ہیں تو ان روایات سے شیخین کی خلافت کا اثبات ممکن نہیں ہے !

اور اس روایت کی صحیح نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت ابو بکر و عمر اس روایت کو انصار مدینہ کے مقابلہ میں سقیفہ بنی ساعدہ میں خود پیش کرتے - لیکن انہوں نے اس روایت کو انصار کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا تھا تو گویا اب مدعی ست گواہ چست والا معاملہ بن چکا ہے -

علاوہ ازیں امامت نماز عمرو ابو بکر کی جتنی بھی روایات موجود ہیں ان تمام تر روایات کی مرکزی روایہ حضرت عائشہ و حصہ ہیں - اور حضرت ابو بکر و عمر نے گواہی کے لیے ایک عجیب اصول وضع کیا تھا کہ جب گواہی دینے والے کو اس گواہی سے کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ حاصل ہو سکتا ہو ، تو ایسی گواہی قابل قبول نہیں ہے -

چنانچہ اس طرف قاعدہ کے تحت حضرت علیؑ اور حسینؑ کریمین کی فذک کے بہتانے کے متعلق گواہی مسترد کر دی گئی تھی - اب ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ ہم حضرت ابو بکر و عمر کی امامت نماز کی جملہ روایات یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ ان کی روایت کرنے والی ان کی اپنی صاحبزادیاں ہیں -

جب رسول خدا کی صاحبزادی کی گواہی قابل قبول نہیں ہے تو ان کی گواہی

کی بھی چنداں حیثیت نہیں ہے۔ سواد اعظم کے علماء نے خود ہی روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیٹھی کی گواہی باپ کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔ اور علماء اہل سنت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ یقیناً شیخ کا فرمان حق ہے اور مخالفین کے اقوال باطل ہیں۔ پھر بادشاہ نے کہا

جناب شیخ! آپ نے امامت کو بارہ افراد میں کیوں محدود کر رکھا ہے؟
شیخ صدوقؒ نے فرمایا۔۔

محترم بادشاہ! امامت فرائض الہی میں سے ایک فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی فریضہ مقرر کیا ہے اس کی تعداد اور مقدار بھی ساتھ ہی متعین فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی ہے تو اس کی تعداد بھی سترہ رکعات مقرر کی ہے۔ اور روزہ فرض کیا ہے تو ایک ماہ کا روزہ فرض کیا ہے۔ خواہ وہ مہینہ انتیس دن کا ہو یا تیس دن کا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے صاحب استطاعت پر زندگی بھر میں ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے۔ جس طرح سے یہ کتنا درست نہیں کہ نماز کی رکعت سترہ ہی کیوں مقرر ہوئیں اور روزہ صرف ایک ماہ کا فرض کیوں ہے اور حج ایک مرتبہ ہی فرض کیوں ہے۔ اسی طرح سے ائمہ کے متعلق یہ کتنا بھی درست نہیں ہے کہ منصب امامت بارہ افراد میں ہی محصور کیوں ہے؟

یقیناً اعداد میں اللہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی حکمت مضمحل ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں۔

بادشاہ نے کہا

جناب شیخ! آپ کے مخالف رکعات نماز کی تعداد اور ماہ صیام اور حج کی فرضیت کے لیے آپ کے موافق ہیں لیکن تعداد ائمہ میں وہ آپ سے اختلاف کرتے ہیں آخر کیا وجہ ہے؟

شیخ صدوقؒ نے فرمایا

بادشاہ معظم ! ان کی مخالفت ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ اور کسی کی مخالفت کو دیکھ کر انسان حقائق کا انکار کرنے لگے تو پھر اسلام ہی ثابت نہیں ہو سکے گا ۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مجوس ، اسلام کے باطل ہونے پر متفق ہیں اور معجزات نبی کے منکر ہیں ۔ جس طرح سے مذکورہ مذاہب کے افراد کی مخالفت اسلام کے لیے ضرر رساں نہیں ہے ، اسی طرح سے ہمارے مخالفین کی مخالفت بھی ہمارے لیے ضرر رساں نہیں ہے ۔

امام زمانہ (ع) کا ظہور کب ہوگا ؟

پھر بادشاہ نے شیخ سے پوچھا ، امام زمانہ کا ظہور کب ہوگا ؟
شیخ صدوقؒ نے فرمایا :-

محترم بادشاہ ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مخصوص حکمتوں کے پیش نظر لوگوں کی نگاہوں سے غائب کیا ہے اور ان کے وقت ظہور کے متعلق خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ اور ایک حدیث نبوی سے اس مضموم کی تائید ہوتی ہے ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ۔

مثل القائم من ولدی مثل الساعة

” میری اولاد میں سے قائم کی مثال قیامت کی سی ہے “

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کو مبہم رکھا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ تَنَزَّلَتْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَ

لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - (الاعراف ۱۸۷)

پیغمبر! ” یہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا ٹھکانہ کب ہے۔ تو کہہ دیجیے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ وہی اس کو بروقت ظاہر کرے گا۔ یہ قیامت زمین و آسمان دونوں کے لیے بہت گراں ہے اور ہمارے پاس اچانک آنے والی ہے۔ یہ لوگ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ کو اس کی مکمل فکر ہے۔ تو کہہ دیجیے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔“

تو جس طرح سے قیامت کے آنے کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے اسی طرح سے قائم آل محمد (ع) کے ظہور کے وقت کا علم بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔

پھر بادشاہ نے کہا

جناب شیخ! بھلا یہ بتائیں کہ کیا ایک انسان اتنی طویل عمر پاسکتا ہے۔ اور کیا طبعی طور پر اس کی عمر اتنی لمبی ہو سکتی ہے؟

شیخ صدوقؒ نے فرمایا

مختہ بادشاہ! آپ کو اس کے متعلق ہرگز تعجب نہیں کرنا چاہیے، کیا آپ نے آج تک طویل العمر افراد کی داستانیں کبھی نہیں سنیں؟

بادشاہ نے کہا سنی تو ضرور ہیں لیکن ان کی صداقت معلوم نہیں ہے۔

شیخ صدوقؒ نے فرمایا

تو کیا آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے متعلق قرآن مجید میں نہیں پڑھا فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا - (العنکبوت ۱۴)

”وہ اپنی قوم کے درمیان میں نو سو پچاس برس تک رہے“

بادشاہ نے کہا جی ہاں۔ شاید اس دور میں تو یہ عمر درست ہو لیکن جس دور میں ہم جی رہے ہیں اس دور کی مثال نہیں ملتی۔

شیخ صدوق نے فرمایا

محترم بادشاہ ! انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ کیونکہ مخبر صادق فرما چکے ہیں، جو کچھ پہلی امتوں میں ہوا وہی کچھ میری امت میں بھی ہوگا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ سابقہ ادوار میں بھی مشہور ترین افراد ہی طویل العمر رہے ہونگے اور امت اسلامیہ میں بھی مشہور ترین فرد طویل العمر ہوگا اور صاحب الزمان (ع) سے بڑھ کر زیادہ مشہور و معروف اور کون ہو سکتا ہے ؟

امام غائب کا فائدہ

پھر بادشاہ نے کہا

جناب شیخ ! آپ کا نظریہ ہے کہ آپ کا امام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے جب کہ حدود شرعیہ اور احکام الہیہ کا نفاذ کرنا امام کی ذمہ داری ہے اور جب امام سرے سے ہی غائب ہو تو اس کا وجود اور عدم وجود یکساں ہوں گے ۔ آخر اس کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے ؟

شیخ صدوق نے فرمایا

محترم بادشاہ ! وجود امام صرف نظام حکومت کے لیے نہیں بلکہ وجود امام بقائے نظام کائنات کے لیے ہے ۔ کیونکہ احادیث میں وارد ہے

لولا الامام لما قامت السماوات والارض ولما انزلت السماء قطرة ولا اخرجت الارض برکتها ۔

” اگر امام نہ ہو تو زمین و آسمان قائم نہ رہیں گے اور اگر امام نہ ہو تو آسمان سے بارش کا قطرہ نازل نہ ہو اور اگر امام نہ ہو تو زمین اپنی برکت کا کبھی مظاہرہ نہ کرے“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے متعلق ارشاد فرمایا

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال - ۳۳)

”جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔ اس وقت تک اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔“

اسی طرح سے امام رفع عذاب کے لیے نبی اکرمؐ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے وجود کی برکت سے زمین عذاب الہی سے محفوظ رہتی ہے۔
اہل سیر و نقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

النجوم امان لا اهل السماء فاذا ذهبت النجوم اتى اهل السماء ما يكرهون و اهل بيتي امان اهل الارض فاذا هلك اهل بيتي اتى اهل الارض ما يكرهون .

”ستارے آسمان والوں کے لیے باعث امان ہیں۔ جب ستارے چلے جائیں گے تو اہل آسمان پر وہ چیز واقع ہو جائے گی جس سے وہ کراہت کرتے ہیں۔ اور میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لیے باعث امان ہے جب زمین سے میرے اہل بیتؑ چلے گئے تو اہل زمین پر وہ چیز واقع ہو جائے گی جس سے وہ کراہت کرتے ہیں۔“
علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔

لو بقيت الارض بغير حجة ساعة لساحت باهلها
”اگر زمین ایک ساعت کے لیے بھی حجت سے خالی ہو جائے تو اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے“

بادشاہ کا اعلان حق

شیخ صدوقؒ کے دلائل سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس نے اعلان کرتے ہوئے کہا

”حق مذہب امامیہ کے ساتھ ہے ان کے علاوہ باقی مذاہب غلطی پر ہیں“
پھر اس نے شیخؒ سے درخواست کی کہ گاہے بہ گاہے دربار میں تشریف لایا کریں۔

جسے شیخؒ نے قبول کیا اور مناسب وقت پر آنے کا وعدہ فرمایا۔
دوسرے دن بادشاہ دربار میں آیا تو اس نے دل کھول کر شیخ کے نظریات کی تائید و تصدیق کی اور شیخ کی جی بھر کر تعریف کی۔ اتنے میں اہل دربار میں سے ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا

بادشاہ سلامت! شیخؒ کا نظریہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا سر نوک نیزہ پر سورہ کف کی تلاوت کرتا تھا۔ تو کیا ایسا نظریہ کس طرح سے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟

بادشاہ نے کہا شیخؒ نے میرے سامنے تو ایسی بات نہیں کی۔ البتہ اس کے متعلق دریافت کریں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک خط لکھ کر شیخؒ سے اس مسئلہ کے متعلق اس کا نظریہ دریافت کیا تو شیخؒ نے جواب میں تحریر کیا۔

امام مظلومؑ کے سراطر کا نوک نیزہ پر قرآن پڑھنا

یہ روایت ان لوگوں سے مروی ہے جنہوں نے امام مظلومؑ کے سراطر کا نوک نیزہ پر قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ روایت ہمارے ائمہ بدی علیہم السلام میں سے کسی سے مروی نہیں ہے۔

البتہ ہم اس روایت کو درست سمجھتے ہیں اور ہمیں اس کی صداقت پر پورا یقین ہے۔ کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ گار افراد کے ہاتھ پاؤں قیامت کے دن گنگٹلو کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (نہ ۶۵)

”آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے گنگٹلو کریں گے اور جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس کے متعلق ان کے پاؤں گواہی دیں گے“

تو جب بدکار افراد کے ہاتھ اور پاؤں گنگٹلو کر سکتے ہیں تو امام حسین علیہ السلام کا سر اطہر نوک سناں پر قرآن کیوں نہیں پڑھ سکتا؟

اور اس مطلب کا انکار دراصل قدرت خداوندی اور فضیلت رسول کا انکار ہے۔ اور واضح رہے کہ امام حسین علیہ السلام کائنات کی وہ عظیم الشان شخصیت ہیں جن کے مصائب پر ملائکہ نے گریہ کیا تھا۔ اور جن کی شہادت کے بعد آسمان سے خون کی بارش نازل ہوئی تھی۔ اور جنات نے بلند آواز میں جن کے نوے پڑھے تھے۔ اور جو شخص اتنے واضح واقعات کو جھٹلاتا ہے تو اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمام شریعتوں کو جھٹلائے اور انبیائے کرام کے جملہ معجزات کا تمسخر اڑائے۔ ایسے شخص سے دینی و دنیاوی ضروریات کا انکار ہر وقت ممکن ہے۔

(ماخوذ از الطرائف)

مترجم عرض کرتا ہے کہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے نوک سناں پر قرآن پڑھ کر قرآن مجید کی ایک آیت اور اپنے جد نامدار کی ایک حدیث کو عملی طور پر ثابت کیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ ۚ وَ

لَکِن لَّا تَشْعُرُونَ (البقرہ۔ ۱۵۴)

”اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے اللہ کے مخلص بندے ہمیشہ شہادت حاصل کرتے رہے۔ یقیناً وہ سب کے سب زندہ ہیں مگر ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ حیات شہدا پر ہمارا ایمان ہے لیکن اللہ نے ان کی زندگی کا کبھی عملی مظاہرہ نہیں کرایا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام دنیا کے تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔ اسی لیے حکمت الہی کا تقاضا یہ ہے ہوا کہ حیات شہداء کے مسئلہ کو صرف نظریہ کی حد تک نہ رکھا جائے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا جائے۔ اسی لیے حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوفہ و شام میں قرآن کی تلاوت کر کے دنیا کو بتادیا کہ اگر حیات شہداء کا عملی ثبوت چاہتے ہو تو دیکھو میں شہید ہو کر بھی قرآن پڑھ رہا ہوں۔

۲۔ اس کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام نے اپنے مخالفین کا کردار بھی دنیا کے سامنے رکھا اور زبان حال سے کہا تمہیں صفین ضرور یاد ہوگی جب ہمارے دشمنوں نے قرآن کو نیزے پر چڑھایا تھا تو وہ ملوکیت کا کردار تھا اور یہ امامت کا کردار ہے دونوں کا فرق یہ ہے کہ ملوکیت قرآن کو نیزہ پر چڑھاتی ہے اور امامت نیزہ پر چڑھ کر بھی قرآن سناتی ہے۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و مستند حدیث ہے

انف تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي اهل بيتي ما ان

تمسکتہم بہما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یرد علی الحوض

”میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ قرآن (اللہ کی کتاب)

اور (میری عترت) اہل بیت۔ تم جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو میرے بعد ہر گز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوا گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔“

رسول اکرمؐ کا یہ فرمان تو پوری دنیا نے سن لیا تھا کہ قرآن و اہل بیتؑ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ مگر دنیا نے اس کا عملی مظاہر نہیں دیکھا تھا تو فرزند رسولؐ نے نوک نیزہ پر قرآن پڑھ کر اپنے تمام مخالفین اور قاتلین کو عملی طور پر یہ بتایا

میرے نانا کے فرمان کو ہدیان کہنے والوں کی اولاد !

آؤ میرے نانا کا عملی مظاہرہ دیکھو! اہل بیتؑ اور قرآن ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ تم ہمیں وطن سے جدا کر سکتے ہو، اولاد سے جدا کر سکتے ہو، تم ہمارے سروں کو ہمارے بدن سے جدا کر سکتے ہو لیکن ہمیں قرآن سے جدا نہیں کر سکتے ہو۔ سرتن سے جدا ہونے کے بعد بھی ہماری زبان سے قرآن کی آیتیں نکلتی، ہدیان نہیں نکلتا۔ (من المترجم غفری عنہ)

عمیون اخبار الرضاؑ

جلد اول

از

شیخ اقدم محدث اکبر ابی جعفر الصدوق محمد

بن علی بن الحسین بن بابویه قمی

المتوفی ۳۸۱ھ

مترجم

محر حسن جعفری

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

عرض مترجم

زیارت جامعہ میں ائمہ ہدیٰ کے متعلق یہ جملے ہیں ۔

السَّلَامُ عَلَى الدُّعَاةِ إِلَى اللَّهِ وَالْإِدْلَاءِ عَلَى مَرَضَاتِ
اللَّهِ وَالْمُسْتَقْرِينَ فِي أَمْرِ اللَّهِ وَالنَّامِينَ فِي مَحَبَّةِ اللَّهِ
وَالْمُخْلِصِينَ فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ وَالْمُظْهِرِينَ لِأَمْرِ اللَّهِ وَنَهْيِهِ وَعِبَادِهِ
الْمُكْرَمِينَ الَّذِينَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ وَرَحْمَةُ
اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ۔

”سلام ہو اللہ کی طرف دعوت دینے والوں پر اور مراضات خدا کی رہنمائی
کرنے والوں پر اور امر الہی میں مستقل رہائش رکھنے والوں پر اور محبت خدا میں کامل
افراد پر اور خدا کی توحید میں مخلص لوگوں پر اور اللہ کی امر و نہی ظاہر کرنے والوں
پر اور خدا کے ان باعزت بندوں پر جو اس کے فرمان پر سبقت نہیں کرتے اور اس
کے حکم پر عمل کرتے رہتے ہیں ۔ اور ان پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔“

ائمہ طاہرین خدا کے سچے اور مخلص نمائندے ہیں ۔ ان کے بغیر دین
کی تعلیمات کا تصور ہی محال ہے ۔ اور وہی حضرات ہی حضرت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے صحیح جانشین ہیں ۔

انسانیت کی رہنمائی کے لیے ان کی تعلیمات محمد اللہ موجود ہیں اور عرصہ
دراز سے مدون ہیں ۔ اور تعلیمات آل محمد علیہم السلام پر مبنی کتابوں میں عیون
اخبار الرضا کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے ۔ اور یہ کتاب ہر دور میں ہمارے
مآخذ و مدارک میں شمار ہوتی رہی ہے ۔ لیکن ہمارے برصغیر کا اردو دان طبقہ عربی و
فارسی نہ جاننے کی وجہ سے اس سے محروم تھا ۔ اسی لیے ہندہ نے خدا پر توکل
کرتے ہوئے محدث اکبر شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے ۔

اور اس کے ساتھ مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ بندہ اپنی تمام تر بے بضاعتی سے مکمل آگاہ ہے۔ بہر نوع اپنی بھری کوشش میں کسی طرح کی کوتاہی روا نہیں رکھی گئی اور ترجمہ کرتے وقت جہاں قرآن مجید کی آیات تھیں، ان کے ترجمہ کے لیے علامہ ذیشان حیدر جوادی اور جہاں نہج البلاغہ کا اقتباس تھا، اس کے لئے مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہما کے تراجم سے استفادہ کیا۔

علاوہ ازیں سرکار مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام علی رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی کے لیے محار الانوار میں جا جاعیون اخبار الرضا سے خوشہ چینی فرمائی ہے اور ہماری خوش نصیبی ہے کہ محار الانوار کے اس حصہ کا ترجمہ بھی اردو زبان میں ہو چکا ہے۔ بعض مقامات پر عیون کی وہ روایات جو کہ محار الانوار میں بھی موجود ہیں، ان کے ترجمہ کے لیے مولانا حسن امداد صاحب ممتاز الافاضل کے ترجمہ محار سے بھی ہم نے استفادہ کیا ہے۔ اور بارگاہ رب العزت میں ان تمام بزرگواروں کی خدمات دینیہ کے قبولیت کے لیے دعاگو ہیں۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اور آخر میں بارگاہ احدیت میں ملتمس دعا ہیں کہ خداوند عالم بحق محمد و آل محمد ہماری اس ناپیز سی دینی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے ہمارے لیے زاد آخرت قرار دے۔ انہ ولی قدیر۔

والسلام

خادم دین : محمد حسن جعفری

خطبة الكتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الواحد القهار، العزيز الجبار، الرحيم الغفار، فاطر الارض و السماء، خالق الظلمة والضياء، مقدر الازمنة و الدهور مدبر الاسباب والامور، باعث من فى القبور، المطلع على ماظهر و استتر، العالم بما سلف و غير، الذى له المنة و الطول و القوة و الحول، احمده على كل الاحوال، واستهديه لافضل الاعمال، واعوذبه من الفى والضلال واشكره شكراً استوجب به المزيد، واستنجز به المواعيد، واستعينه على ما ينجى من الهلكة و الوعيد، واشهد ان لا اله الا الله، الاول فلا يوصف بابتداء و الاخر فلا يوصف بانتهاء، الهاً يدوم ويبقى ويعلم السرواخفى و اشهد ان محمداً عبده المكين ورسوله الامين المعروف بالطاعةالمنتجب للشفاعة فانه ارسله لاقامة العوج و بعثه لنصب الحجج ليكون رحمة للمؤمنين و حجة على الكافرين ومويداً بالملائكة المعصومين حتى اظهر دين الله على كره المشركين، صلى الله عليه وآله وسلم وآله الطيبين و اشهد ان على بن ابي طالب امير المؤمنين و مولى مسلمين و خليفة رسول رب العالمين و اشهد ان الائمة من ولده حجج الله الى يوم الدين، وورثة علم النبيين صلوات الله و رحمته و سلامه و بركاته عليهم اجمعين -

کتاب کی وجہ تالیف

حمد و ثناء کے بعد اس کتاب کا مصنف ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمیٰ نزیل رے عرض پرداز ہے کہ لصاحب الجلیل کافی الکفاۃ ابی القاسم اسماعیل بن عباد اطال اللہ بقائه و ادام دولته و نعمائه و سلطانه کے دو قصیدے میرے سامنے پیش کیے گئے جن میں امام ہشتم ضامن غریباں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حضور ندرا نہ عقیدت پیش کیا گیا۔ تو میں نے ان قصائد سے متاثر ہو کر یہ کتاب تالیف کی۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ محترم صاحب بن عباد کے خزانہ معمورہ کے لیے اس سے بہتر تحفہ ممکن نہیں ہے اور خود محترم صاحب بن عباد علوم اہل بیتؑ کے شیدائی ہیں اور ان کی ولایت سے تمسک رکھتے ہیں۔ اور ان کی اطاعت کو فرض جانتے ہیں اور ان کی امامت پر یقین رکھتے ہیں اور ان کی ذریت کا احترام کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ ان کے احسانات کا سلسلہ شیعان اہل بیت تک ہمیشہ جاری و ساری رہے

میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کے ذریعہ سے میں ان کے احسانات کا بدلہ چکا سکوں گا اور ان کی خدمت گزاری میں جو مجھ سے کمی واقع ہوئی ہے، اس کتاب کے ذریعہ اس کی تلافی کر سکوں گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں عدل و انصاف کی توفیق مرحمت فرمائے اور اس کے ذریعہ سے خدا کا کلمہ بلند و بالا ہو، اللہ تعالیٰ انہیں نیکی و بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔

صاحب بن عباد کا پہلا قصیدہ

جناب صاحب اسماعیل بن عباد رضی اللہ عنہ نے امام رضا علیہ السلام کے حضور بدیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا ہے -

یا سائراً زائراً الی طوس

مشهد طهر و ارض تقدیس

”سرزمین طوس کی طرف سفر کرنے والا زائر، وہ سرزمین جو کہ ایک طاہر کا مقام شہادت ہے اور جو پاکیزہ ترین سرزمین ہے“

ابلق سلامی الرضا و حط علی

اکرم رمس لخیل مرموس

”وہاں پہنچ کر رضا کو میرا سلام پہنچانا، وہاں اس کرم قبر پر جانا جہاں کرم ترین فرد مدفون ہے“

واللہ واللہ حلفہ صدرت

من مخلص فی الولاء مغموس

”خدا و لائے آل محمدؐ میں یہ شخص قسم کھا کر کھاتا ہے“

انی لو کنت ما لکا اربی

کان بطوس الفنا تعریس

”اگر میں خود مختار ہوتا تو اپنے گھر بار کو چھوڑ کر طوس کی جانب تیزی

سے چلا جاتا“

وکنت امضی العزیم مرتحلا

منتسفاً فیہ قوۃ العیس

”تو میں تیز رفتار راہنوں کی سی قوت کے ساتھ جانب طوس روانہ ہو جاتا“

لمشهد بالذكاء ملتحف

و بالسناء والثناء مانوس

”میں اس شر شہادت کی جانب سفر کرتا جس میں عقل مخلوط ہو چکی ہے اور تیز روشنی اور تعریف سے مانوس ہے“

ياسيدى وابن سادتي ضحكت

و جوه د هري بعقب تعيس

”اے میرے سردار اور میرے سرداروں کے فرزند! آپ کی وجہ سے ترش روئی کے بعد میرے زمانہ کے چہرے مسکرا اٹھے“

لما رايت النواصب انتكست

راياتها في زمان تنكيس

”(اس مسکراہٹ کی وجہ یہ ہے کہ) میں نے نواصب کے پرچموں کو سرنگوں ہوتے ہوئے پایا ہے“

صدعت بالحق في ولائكم

والحق مذكان غير منحوس

”تو میں نے آپ کی ولایت کے لیے کلمہ حق کو بلند کیا۔ اس حق کو بلند کیا جو کہ کبھی بھی باعث نحوست نہیں رہا (یا جس کے لیے کبھی خل نہیں کیا گیا)۔“

يا بن النبی الذی به قمع اللہ ظہور الجبار بالشوس
”اے فرزند رسول! جس کے ذریعہ سے اللہ نے متکبر جباروں کی پشتوں

کو توڑ ڈالا“

وابن الوصی الذی تقدم فی الفضل علی البزل القناعیس

”اور اے فرزند وصی! جس نے کامل اور عظیم افراد پر فضیلت میں سبقت

حاصل کی۔“

وحائز الفخر غیر منتقص

ولا بس المجد غیر تلبیس

”اور اسباب فخر کو کامل طور پر جمع کرنے والے اور بغیر کسی شک و شبہ کے عظمت و مجد کا لباس پہننے والے“

ان بنی النصب کا لہود و قد

یخلط تھوید ہم بتمجیس

”ناصریوں کی اولاد ان یہودیوں کی طرح سے ہے جن کی یہودیت میں مجوسیت مخلوط ہو چکی ہو“

کم دفنوا فی القبور من نجس

اولی بہ الطرح فی النواویس

”ان لوگوں نے اپنے کتے ہی نجس مردوں کو قبروں میں دفن کیا۔ حالانکہ جن کا نصاریٰ و مجوسی کے مقابر میں پھینکنا کہیں بہتر تھا“

عالمهم عندہ ما اباحثہ

فی جلد ثور و مسک جاموس

”اور جب ان کے کسی عالم سے میں مباحثہ کرتا ہوں تو وہ مجھے یوں لگتا ہے جیسا کہ اس نے بیل کی کھال پہن رکھی ہو اور اس سے بھینے کی بو آرہی ہو“

اذا تأملت شوم جہتہ

عرفت فیہا اشتراک ابلیس

”جب میں اس کی منحوس پیشانی کو غور سے دیکھتا ہوں تو مجھے اس میں ابلیس کی مشارکت محسوس ہوتی ہے“

لم یعلموا والاذان یرفعکم

صوت اذان ام قرع ناقوس

”اذان میں آپ کے جد امجد کا نام پکارا جاتا ہے۔ لیکن نوا صبا اتنے اندھے اور بہرے ہیں کہ انہیں آج تک یہ تمیز نہیں ہوئی کہ یہ اذان کی آواز ہے یا ناقوس کے بجنے کی آواز ہے“

انتم حبال الیقین اعلقھا

ماوصل العمر حبل تنفیس

”آپ اہل بیت یقین کی مضبوط رسیاں ہیں اور جب تک میری عمر باقی ہے میں ان رسیوں سے تھمک رکھوں گا۔“

کم فرقة فیکم تکفرنی

ذلت ها ماتھا بفطیس

”بہت سے ایسے فرقے ہیں جو آپ کی محبت کی وجہ سے مجھے کافر کہتے ہیں۔ جن کی کھوپڑیوں کو میں نے تھوڑے سے جھکایا ہوا ہے“

قمعتها با لحجاج فا نخذلت

تجفل عنی بطیر منحوس

”جن کو میں نے دلائل و براہین سے پاش پاش کیا تو وہ اپنے منحوس پرندوں سمیت مجھ سے بھاگ کھڑے ہوئے“

ان ابن عباد استجا ربکم

فما یخاف اللیوث فی الخیس

”یقیناً ابن عباد (شاعر) آپ کی پناہ میں آچکا ہے اور وہ پیشہ میں بیٹھے ہوئے شیروں سے نہیں ڈرتا“

کونوا ایا سادتی وسائله

یفصح له الله فی الافرادیس

”اے میرے سردارو! تم اس کے مددگار بنو تاکہ جنت الفردوس میں اللہ

اسے وسیع جگہ عطا فرمائے

کم مدحة فيكم يحيزها

كانها حلة الطو اوش

” وہ آپ کے متعلق کتنے ہی خوبصورت شعر کہتا ہے جو اپنے حسن میں مور کے پر نظر آتے ہیں “

وهذه كم يعقول قارئها

قدثر الدر في القراطيس

” اور اس نظم کے پڑھنے والے تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ شاعر نے اوراق پر موتی بکھیر دیئے ہیں “

يملك رق القريض قائلها

ملك سليمان عرش بلقيس

” ان اشعار کے کہنے والا ملک سلیمان اور عرش بلقیس کا مالک ہے “

بلغه الله ما يؤمله

حتى يزور الامام في طوس

” خدا اس کی آرزوں کو پورا کرے۔ یہاں تک کہ وہ طوس میں امام کی زیارت سے مشرف ہو “

ابن عباد کا دوسرا قصیدہ

يا زائرا قد نهضا مبتدرا قدر كضا

” اے تیزی سے روانہ ہونے والے زائر ! “

وقد مضى كانه البرق اذا ما اومضا

” جو بجلی کی سی تیزی سے روانہ ہو رہا ہے “

ابلع سلامی زاکیا بطوس مولای الرضا

”طیب و طاہر امام رضاؑ کو طوس میں میرا سلام پہنچا“

سبط النبی المصطفیٰ وابن الوسی المرتضیٰ

”پیغمبر مصطفیٰؐ کے نواسے اور وصی مرتضیٰؑ کے فرزند کو میرا سلام پہنچانا“

من حاز عزا اقعداً و شاد مجدداً ایضاً

”اس ذات کو میرا سلام پہنچے جو ہمیشہ کی عزت اور قدر و منزلت کا مالک ہے“

وقل له من مخلص یری الولا مفترضا

”اے زائر! انہیں اس مخلص کی طرف سے سلام پہنچانا جو ولایت کو فرض جانتا ہے“

فی الصدر لفح حرقة تترك قلبی حرضا

”دشمنان ولایت کی وجہ سے سینے میں الاؤ سے جل رہے ہیں۔ جو کہ میرے دل کو بیمار کر رہے ہیں“

من ناصیین غادروا قلب الموالی ممرضا

”یہ الاؤ ان نواصب کی وجہ سے بھڑک رہے ہیں جنہوں نے محبت کرنے والوں کے دلوں کو بیمار کر رکھا ہے“

صرحت عنهم معرضا ولم اکن معرضا

”ان سے اعراض کرتے ہوئے میں نے ان کی وضاحت کر دی ہے جب کہ میں تو مرد میدان ہوں، اعراض کرنے والا نہیں ہوں“

نا بذتهم ولم ابل ان قیل قد ترفضا

”میں ان سے ٹکرا گیا اور میں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ یہ لوگ مجھے رافضی کہیں گے“

یا حبذا رفضی لمن نا بذکم و البغضا

” ان لوگوں سے میرا دور رہنا اور الگ رہنا کتنا ہی اچھا ہے ، جنہوں نے آپ سے مقابلہ کیا اور بغض رکھا “

ولو قدرت زرقه ولو علی جمرالنضا
 ” اگر میرے بس میں ہوتا تو میں یقیناً امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لیے جاتا اگرچہ مجھے ببول کے انگاروں پر ہی کیوں نہ چلنا پڑتا “
 لکنی معتقل بقید خطب عرضا
 ” لیکن میں حوادث و واقعات کا قیدی بن چکا ہوں “

جعلت مدحی بدلا من قصده و عوضا
 ” اسی لیے میں نے اپنی مدح کو وہاں جانے کا نغمہ البدل بنایا ہے “
 امانة مودة علی الرضا لیرتضی
 ” اے زائر ! میرا سلام امانت ہے جسے تو نے امام رضاؑ کے حضور پیش کرنا تاکہ وہ راضی ہو جائیں “

رام ابن عبادہا شفاعۃ لن قد حضا
 ” ان اشعار کے ذریعہ سے ان عباد نے کبھی ناکام نہ ہونے والی شفاعت کا ارادہ کیا ہے “

مدحت اہل بیتؑ کا اجر

۱۔ ہم سے یہ حدیث احمد بن زیاد بن جعفر الہمدانی رضی اللہ عنہ نے ہمدان میں بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث علی ابن ابراہیم ابن ہاشم سے سنی، اس نے اپنے والد سے یہ روایت کی، اس نے محمد بن ابی عمیر سے، اس نے عبداللہ بن الفضل الهاشمی سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من قال فينا بيت شعر بنى الله له بيتاً في الجنة

”جو ہمارے حق میں ایک شعر کا بیت کہے گا تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرے گا۔“

۲۔ ہم سے یہ حدیث علی ابن عبداللہ دراق نے بیان کی ، وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث محمد بن ابی عبداللہ الکوفی نے سنائی ۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث موسیٰ بن عمران ثقی نے بیان کی ، اس نے اپنے چچا حسین بن یزید نوفلی سے روایت کی ، اس نے علی بن سالم سے ، اس نے اپنے والد سے ، اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ، آپؑ نے فرمایا :

ما قال فينا قائل بيتاً من الشعر حتى يؤيد بروح القدس (۱)

”ہمارے متعلق جس نے بھی شعر کہا تو اس کی تائید روح القدس سے ہوئی“

۳۔ ہم سے تمیم بن عبداللہ بن تمیم قرشی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ، وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے میرے والد نے احمد بن علی الانصاری کی سند سے بیان کی ، انہوں نے یہ روایت حسن (۲) بن جهم سے سنی ، وہ کہتے ہیں میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا ۔ آپؑ نے فرمایا :-

ما قال فينا مؤمن شعراً يمدحنا به الابن الله تعالى له

مدينة في الجنة اوسع من الدنيا سبع مرات يزوره فيها كل ملك مقرب وكل نبي مرسل -

”جو مومن ہماری مدح میں شعر کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شہر تعمیر کرتا ہے ، جو دنیا سے سات گنا وسیع ہوتا ہے اور اس شہر میں ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل اسی کی زیارت کرے گا۔“

۱۔ خواہ شعر کا تعلق اہل بیتؑ کے فضائل سے ہو یا مصائب سے ہو ۔ اہل بیتؑ سے بہت سی روایات مروی ہیں جن میں ان کے متعلق شعرو شاعری کا ثواب بیان کیا گیا ہے ۔ بعض روایات میں وارد ہیں ۔ ”لکل بیت بیت فی جنة“ ہر بیت کے بدلے میں جنت کا ایک بیت (گھر) ہے ۔ سید صدیقی الحنفی لاہوری ۲۔ حسین (ع ، ل)

لہذا ان حدیث مبارکہ کے تحت ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب بن عباد کو اس کے اقوال حسنہ اور افعال جمیلہ اور اخلاق کریمہ اور سنت رضیہ اور سیرت عادلہ پر اجر عظیم عطا فرمائے اور تمام خطرات کو اس سے دور رکھے اور اس کی جملہ حاجات برائے۔ اور ان بادیان کے صدقہ میں اللہ اسے آفت و بلا سے محفوظ رکھے جن کے لیے صاحب بن عباد نے کہا :-

ان ابن عباد استجار بمن يترك عنه الصروف مصروفة

یا جیسا کہ اس مفہوم کو انہوں نے اپنے دوسرے شعر میں ان الفاظ سے بیان کیا :-

ان ابن عباد استجار بكم فكل ما خافه سيكفاه

یعنی اے صاحب بن عباد تمہاری پناہ میں آپکا ہے۔ اور وہ تمام قسم کے خوف سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اور ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صاحب بن عباد کی شفاعت وہ بہتیاں کریں جن کا نام ان کی انگشتی پر کندہ ہے۔

شفيع اسماعيل في الآخرة محمد و العترة الطاهرة

اللہ تعالیٰ سے ہماری مزید دعا یہ ہے کہ خداوند عالم اس کی حکومت کو دوام عطا فرمائے اور حکومت و سلطنت کو ان کی دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنائے۔

لفظِ رضا کی وجہ تسمیہ

۱۔ (بخاری اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ کاظم علیہم السلام سے عرض کی کہ آپ کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ آپ کے والد کو ”رضا“ کا لقب مامون الرشید نے اس وقت دیا تھا جب وہ انہیں اپنا ولی عہد بنانے پر آمادہ ہوا تھا۔

امام تقی علیہ السلام نے فرمایا:-

”خدا کی قسم انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور گنہ گار ہوئے۔ میرے والد کو رضا کا نام اللہ نے عطا کیا ہے۔ کیونکہ میرے والد اہل آسمان و زمین کے لیے رضائے خداوندی کا ذریعہ تھے۔“

راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا تو کیا آپ کے دیگر قبائے طاہرین رضائے خداوندی کا ذریعہ نہیں تھے۔ اور اگر تھے تو پھر ان کا لقب رضا کیوں نہیں رکھا گیا ان میں سے صرف آپ کے والد کا لقب ہی رضا کیوں ہے؟

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:-

”اصل بات یہ ہے کہ میرے والد کی اہمیت پر دوست و دشمن سب راضی ہوئے اسی لیے انہیں اللہ نے لفظ ”رضا“ کا لقب عطا کیا جبکہ دیگر ائمہ ہدیٰ پر ہمارے دوست تو راضی رہے لیکن مخالف کبھی راضی نہیں ہوئے۔“

۲۔ (بخاری اسناد) سلیمان بن حفص مروزی کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے فرزند علی کو لفظ ”رضا“ سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:-

”میرے فرزند رضا کو بڑاؤ! میں نے اپنے فرزند رضا سے یہ بات کی، اور میرے فرزند رضا نے مجھے یہ کہا۔“ اور جب کبھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے فرزند سے مخاطب ہوتے تو انہیں ابو الحسن کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

(باب 2)

آپ کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ اور ان کے نام کی تحقیق

۱۔ مجھ سے حاکم ابو علی حسین بن احمد بیہقی نے اپنے نیشاپور کے گھر میں ۳۵۲ھ میں بیان کیا کہ ان سے محمد بن یحییٰ صولی نے بیان کیا کہ ابو الحسن رضا کا نام و نسب یہ ہے

”علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام“ آپ کی والدہ کنیز تھیں جب وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ملکیت میں آئی تو ان کا نام ”مہتمم“ تھا۔

۲۔ مجھ سے حاکم ابو علی حسین بن احمد بیہقی نے صولی کے حوالہ سے بیان کیا، صولی نے عون بن محمد کندی سے روایت کی، انہوں نے ابو الحسن علی بن میثم سے روایت کی اور ان کے متعلق عون کہا کرتے تھے کہ ائمہ طاہرین کے حالات زندگی اور ان کے رشتوں کے متعلق علی بن میثم سے زیادہ جاننے والا شخص کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ علی بن میثم سے مروی ہے۔

”امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ حمیدۃ المصفاۃ نے، جن کا تعلق اشراف عجم سے تھا، ایک ”مولدا“ کنیز خرید فرمائی۔ اس کنیز کا نام مہتمم تھا اور وہ عقل و دین کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھی۔ اور اپنی مالکہ حمیدۃ المصفاۃ کی انتہائی تعظیم کرنے والی تھی اور اپنی مالکہ کے سامنے وہ کبھی بیٹھا نہیں کرتی تھی۔“

ایک دن حضرت حمیدہ نے اپنے فرزند حضرت موسیٰ کاظم سے کہا

۱۔ مولدہ ایسی کنیز کو کہا جاتا ہے جس کی پیدائش و پرورش عرب میں ہوئی ہو

”بیٹا! محکم میری کنیز ہے میں نے اس سے زیادہ بہتر آج تک کوئی کنیز نہیں دیکھی اور میں اس کنیز کو تیرے حوالے کرتی ہوں اور تجھے اس سے بھلائی کی تاکید کرتی ہوں اور مجھے اس کے متعلق یہ یقین ہے کہ اگر اللہ نے اس نسل سے جاری کی تو یقیناً اس کی نسل بلند مقام کی حامل ہوگی۔“

جب محکم کے بطن سے امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان کا نام طاہرہ رکھا۔

زمانہ رضاعت میں امام علی رضا زیادہ دودھ پیا کرتے تھے تو ان کی والدہ نے ایک دن درخواست کی کہ میرے بچے کے لیے ایک دایہ کا انتظام کیا جائے۔ پوچھا گیا کہ کیا تمہارا دودھ کم ہو گیا ہے؟

انہوں نے کہا ”ایسی کوئی بات نہیں ہے ہر وقت دودھ پلانے کی وجہ سے میری نماز اور تسبیح میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہے۔“

حاکم ابو علی کہتے ہیں کہ صوفی نے کہا کہ امام علی رضا علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے ”محکم“ ہونے کا ثبوت کسی شاعر کا وہ شعر ہے جس میں اس نے امام علی رضا کی مدح کرتے ہوئے کہا تھا

الان خیر الناس نفساً ووالداً

ورھطاً واجداداً علی المعظم

اتنابہ للعلم و العلم ثامناً

اماماً یؤدی حجة اللہ تکتہ

”اگاہ رہو اپنی ذاتی نجات اور والد اور خاندان و اجداد کے اعتبار سے علی معظم

(علی رضا علیہ السلام) تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔ وہ آٹھویں امام ہیں جو حجت خدا کو ادا کرنے والے ہیں۔ اور جناب ”محکم“ نے انہیں علم و حلم کے لیے جہنم دیا تھا۔“ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام کی والدہ کو ”سکن النوبیہ“

کہا جاتا تھا۔ اور بعض لوگ ان کا نام ”اروی“ بعض ”نجمہ“ اور بعض سمانہ بیان کرتے ہیں اور ان کی کنیت ام البنین بیان کی جاتی ہے۔

۳۔ (حذف اسناد) علی بن میثم نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ حمیدۃ المصفاة نے جب نجمہ کو خریدا تو ایک رات انہوں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

”حمیدہ! نجمہ اپنے بیٹے موسیٰ کاظم کو بخش دے۔ اس کے شکم سے وہ مولود پیدا ہوگا جو تمام اہل ارض سے بہتر ہوگا۔“

اسی خواب کے بعد انہوں نے نجمہ کو اپنے بیٹے کی ملکیت میں دے دیا جب امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان کا نام طاہرہ رکھا۔ ان کے کئی نام تھے۔ انہیں نجمہ، اردوی، سخن، (سکنی خ، ل)، سمان (سمانہ خ، ل) اور سحتم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

راوی کتاب ہے جب حضرت حمیدہ نے نجمہ کو خریدا تو وہ اس وقت باکرہ تھیں۔
۴۔ (حذف اسناد) ہشام بن احمد کہتے ہیں کہ ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھے فرمایا

”مجھے علم ہے کہ اہل مغرب میں سے کوئی بردہ فروش یہاں آیا ہے۔“
میں نے کہا مجھے کوئی علم نہیں۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا

”ہاں ہاں، سرخ رنگ والا بردہ فروش آیا ہے اور اس کے پاس غلام اور نیزیں موجود ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔“

چنانچہ ہم بازار میں گئے۔ تو وہاں سرخ رنگت والا ایک بردہ فروش آیا

ہوا تھا۔

اور ان کے پاس کنیزیں موجود تھیں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ”ہمیں کنیزیں دکھاؤ۔“ اس نے نو کنیزیں دکھائیں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہر کنیز کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ ”ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ چنانچہ جب وہ نو کنیزیں دکھا چکا تو اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا ”ان کے علاوہ اگر تیرے پاس کوئی اور کنیز ہو تو دکھاؤ۔“

بردہ فروش نے کہا، ان کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ”غلط کہتے ہو، تمہارے پاس اور کنیز موجود ہے۔ وہ پیش کرو۔“

بردہ فروش نے کہا۔ درست ہے میرے پاس ایک بیمار کنیز موجود ہے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا ”تو پھر تو وہ کنیز کیوں نہیں دکھاتا؟“
بردہ فروش نے اس وقت کنیز دکھانے سے انکار کر دیا۔

امام علیہ السلام واپس گھر تشریف لائے۔ صبح ہوئی تو مجھے حکم دیا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس کنیز کی کیا رقم لوگے؟ اگر وہ اتنی اتنی رقم بتائے تو تم وہ رقم دے کر کنیز کو میرے لیے خرید کر لے آؤ۔

چنانچہ حسب فرمان میں اس بردہ فروش کے پاس گیا اور اس سے قیمت پوچھی تو اس نے امام موسیٰ کاظم کی بتائی ہوئی رقم بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں اس سے کم قیمت لینے پر راضی نہیں ہوں۔

میں نے کہا، درست ہے میں تجھے یہی مطلوب رقم دیتا ہوں۔

اس نے رقم لے لی اور کنیز میرے حوالہ کر کے مجھ سے پوچھا، اہل تیرے ساتھ کون تھا؟

میں نے کہا، وہ بنی ہاشم کا ایک فرد تھا۔

بردہ فروش نے کہا، وہ بنی ہاشم کی کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے؟

میں نے کہا اس کا تعلق نقبائے بنی ہاشم سے ہے ۔

برہہ فروش نے کہا اس کا مزید تعارف کراؤ ۔

میں نے کہا میں بس ان کے متعلق اتنا ہی جانتا ہوں ۔

برہہ فروش نے کہا میں اس کنیز کے متعلق تجھے ایک عجیب بات بتاؤں ۔

میں نے بلاد مغرب کے آخری حصہ سے اس کنیز کو خرید کیا ۔ راستے میں ایک اہل کتاب

عورت سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے اسے دیکھ کر مجھ سے پوچھا :-

یہ لڑکی تو نے کس لیے خریدی ہے ؟

میں نے کہا میں نے اسے اپنی بیوی بنانے کی غرض سے خریدا ہے ۔ میرا

یہ جواب سن کر اہل کتاب عورت نے کہا ۔ ناممکن ہے کہ یہ لڑکی تجھ جیسے شخص کی

بیوی بن سکے ۔ یہ لڑکی اس شخص کی بیوی بننے والی ہے جو روئے زمین کے تمام

لوگوں سے بہتر ہے ۔ اور پھر چند دن بعد اس مولود کی ماں بنے گی جس کے سامنے

اہل شرق و غرب اطاعت کیلئے سر تسلیم خم کریں گے ۔

(راوی کہتا ہے) میں اس کنیز کو لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر

ہوا کچھ عرصہ بعد ان کے بطن سے امام علی رضا علیہ السلام پیدا ہوئے ۔

۵۔ یہ حدیث مجھ سے محمد بن علی ماجیلویؒ نے محمد بن ابی القاسم سے ، انہوں

نے محمد بن علی کوفی سے محمد بن خالد سے ، انہوں نے ہشام بن احمد کی سند سے بیان

کی ہے ۔

امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت

۱۔ (بحذف اسناد) غیاث بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کی جماعت کو یہ کہتے ہوئے سنا :-

امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کی ولادت باسعادت جمعرات کے دن بارہ ربیع الاول ۱۵۳ھ کو مدینہ میں ہوئی۔ آپ امام جعفر صادق کی وفات کے پانچ برس بعد پیدا ہوئے۔ اور آپ کی وفات طوس کے ایک گاؤں سنا باز (۱) میں ہوئی جو کہ نوقان کا نواحی گاؤں ہے۔ اور شہادت کے بعد آپ کو حمیدہ بن قحطبہ کے گھر میں اس قبہ میں دفن کیا گیا جہاں ہارون الرشید مدفون تھا۔ آپ علیہ السلام ہارون کی سمت قبلہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی شہادت ماہ رمضان کی اکیس تاریخ بروز جمعہ ۲۰۳ھ کو ہوئی۔ آپ کی کل عمر انچاس برس چھ ماہ تھی۔ آپ نے اپنے والد علیہ السلام کے ساتھ انتیس برس دو ماہ بسر کیے۔ اس کے بعد آپ کی امامت کا عرصہ بیس برس چار ماہ ہے۔ آپ انتیس برس دو ماہ کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ علیہ السلام کے زمانہ امامت میں درج ذیل حکمران حکومت کرتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے کچھ دن ہارون الرشید کی حکومت میں فرائض امامت سر انجام دیئے۔ پھر تین برس پچیس دن زبیدہ کا فرزند محمد امین برسر اقتدار رہا۔

بعد ازاں امین کو معزول کر کے ابراہیم بن شکہ چار ماہ تک اقتدار میں رہا۔ بعد ازاں امین کو زندان سے نکالا گیا پھر اس نے ایک سال چھ ماہ اور تیس دن تک حکومت کی۔ پھر مامون نے بیس برس تیس دن تک حکومت کی۔ اور مامون الرشید کے دور حکومت میں ہی آپ علیہ السلام کو ولی عہد نامزد کیا گیا اور ولی عہدی حضرت علیہ السلام

۱۔ سنا باز، صوبہ خراسان کے ایک قریہ کا نام ہے۔ جسے آجکل مشہد مقدس کہا جاتا ہے۔

کی خواہش اور رضا کے بغیر عمل میں لائی گئی۔

مامون نے ولی عہدی قبول کرنے کے لیے آپؐ کو مجبور کیا۔ جب آپؐ نے ولی عہدی قبول کرنے سے انکار کیا تو اس نے آپؐ کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ چنانچہ نہایت ہی اضطراب کے عالم میں ولی عہدی قبول کرنی پڑی۔ اور آپؐ نے ولی عہدی قبول کرتے وقت یہ دعا مانگی

”خدا یا! تو نے مجھے اپنے ہاتھوں سے بلاکت میں پڑنے سے منع کیا ہے۔ اور عبداللہ مامون نے مجھے ولی عہدی کے لیے مجبور کیا ہے۔ اور مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے ولی عہدی کو قبول نہ کیا تو وہ قتل کر دے گا۔

خدا یا! جس طرح حضرت یوسفؑ اور حضرت دانیالؑ کو مجبور کیا گیا تھا تو انہوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ (یعنی اسی طرح سے مجھے بھی طاغوت زمانہ کی ولی عہدی قبول کرنی پڑ رہی ہے)

خدا یا! عہد تو مس تیرا ہی عہد ہے اور مجھ پر صرف تیری ہی حکومت ہے مجھے اپنا دین قائم کرنے اور اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عنایت فرما، تو ہی سرپرست اور مددگار ہے۔“

پھر آپؐ نے انتہائی رنج اور قلق کے ساتھ باچشم تر ولی عہدی قبول کی اور اس کے ساتھ یہ شرط عائد کی کہ ”میں نہ کسی کو عہدہ پر مامور کروں گا۔ اور نہ ہی کسی کو معزول کروں گا۔ اور نہ ہی کسی سابقہ رسم کو تبدیل کروں گا اور نہ ہی میں مشیر کے فرائض سرانجام دوں گا۔“

مامون نے تمام خاص و عام سے آپؐ کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ اور جب امام عالی مقامؑ کے علم و فضل اور حسن تدبیر کی شہرت ہوئی تو مامون نے آپؐ پر حسد کیا اور غداری کرتے ہوئے آپؐ کو زہر سے شہید کر دیا اور یوں آپؐ رضوان پروردگار میں چلے گئے۔

۲۔ (محذوف اسناد) علی بن میثم نے اپنے والد سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کی والدہ نجمہ سے سنا۔

جب علی رضا میرے شکم میں آئے تو مجھے حمل کا بوجھ تک محسوس نہ ہوا اور عالم خواب میں مجھے اپنے شکم سے تسبیح و تہلیل کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ جس کی وجہ سے میں گھبرا جاتی تھی۔ اور گھبرا کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ پھر مجھے وہ آوازیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ اور جب میں نے اپنے فرزند کو جنم دیا تو پیدا ہوتے ہوئے انہوں نے زمین پر اپنے دونوں پاؤں رکھے اور آسمان کی جانب سر اٹھایا اور لبوں میں جنبش پیدا ہوئی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ باتیں کر رہے ہوں۔

اس وقت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا :-

نجمہ ! تمہیں مبارک ہو۔ پھر میں نے نومولود کو سفید پارچہ میں لپیٹ کر ان کے حوالہ کیا تو انہوں نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اور آب فرات سے نومولود کا تالو اٹھایا اور مجھے واپس کرتے ہوئے فرمایا :-

”چھ میرے ہاتھ سے لے لو یہ اللہ کی طرف سے زمین پر بقیۃ اللہ ہے“

امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف سے آپؑ کی امامت پر نص

۱۔ (حذف اسناد) محمد بن اسماعیل بن فضل ہاشمی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؑ شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے آپؑ سے کہا:-

اگر خدا نخواستہ آپؑ کی وفات ہو جائے تو امر امامت کس کے پاس ہوگا؟
آپؑ نے فرمایا:-

”میرے فرزند علیؑ کے پاس ہوگا۔ اس کی تحریر میری تحریر ہے اور وہی میرا وصی اور میرے بعد میرا جانشین ہے۔“

۲۔ (حذف اسناد) علی بن یقطین بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا و مولا امام ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؑ کے فرزند علی رضاؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؑ نے فرمایا:-

”علیؑ! میرا یہ فرزند میری تمام اولاد کا سردار ہے اور میں نے اسے اپنی کنیت عطا کی ہے۔“

علی بن یقطین کہتے ہیں جب میں نے یہ حدیث ہشام بن سالم کو سنائی تو اس نے فرط افسوس سے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارتے ہوئے کہا:-

علیؑ! حضرت نے یہ کہہ کر دراصل تجھے اپنی موت کی خبر دی ہے۔

۳۔ (حذف اسناد) حسین بن نعیم صحاف کا بیان ہے کہ میں اور ہشام بن

الحکم اور علی بن یقطین بغداد میں تھے۔ علی بن یقطین نے بتایا کہ میں عبد صالح موسیٰ بن جعفر کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت آپ کے فرزند علی رضا آپ کی خدمت میں آئے تو امام عالی مقام نے مجھ سے فرمایا:-

”علی! یہ میری تمام اولاد کا سردار ہے اور میں نے اسے اپنی کنیت بخشی ہے۔“

یہ سن کر ہشام نے اپنی ہتھیلی اپنی پیشانی پر مارتے ہوئے کہا:-
 ”علی بن یقطین! تجھ پہ افسوس! تو نے یہ کیسے کہہ دیا؟“
 علی بن یقطین نے کہا:-

خدا کی قسم میں نے جیسا اُن سے سنا تھا ویسا ہی تیرے سامنے بیان کیا۔
 ہشام نے کہا اس کا مقصد ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے تجھے دراصل اس بات کی خبر دی ہے کہ اُن کے بعد امامت علی رضا کے پاس ہو گا
 ۴۔ (محذوف اسناد) علی بن یقطین کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے خود اپنی طرف سے ابتدا کرتے ہوئے کہا۔

”یہ میری اولاد میں سے بڑا فقیہ ہے اور میں نے اسے اپنی کنیت بخشی ہے اور یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہاتھ سے امام رضاؑ کی طرف اشارہ کیا۔“

۵۔ (محذوف اسناد) غنام بن قاسم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے منصور بن یونس بن بزرگ نے بیان کیا کہ میں ایک دن امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا۔

”منصور! جانتے ہو آج میں نے کون سا کام سرانجام دیا ہے؟“
 میں نے کہا نہیں۔

آپ نے فرمایا:-

”میں نے آج اپنے بیٹے علی کو اپنا وصی مقرر کیا ہے۔“ اور آپ نے

باتھ سے رضاؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ”میں نے اسے اپنی کنیت بخشی ہے ہے اور وہ میرے بعد میرا قائم مقام ہے۔ لہذا تم اس کے پاس جاؤ اور اسے مبارک دو اور انہیں بتاؤ کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔“

چنانچہ حسب الحکم میں امام علی رضاؑ کے پاس گیا اور انہیں مبارک باد دی اور انہیں بتایا کہ مجھے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

غنام بن قاسم راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات کے بعد منصور نے مذہب واقفین اختیار کرتے ہوئے امام علی رضاؑ کی امامت کا انکار کیا اور اس کے پاس جو مال فتن تھا میں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس میں تصرف شروع کر دیا۔

۶۔ (بخلاف اسناد) داؤد بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام جعفر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔

خدا کرے میں آپ سے پہلے مر جاؤں اگر آپ کی وفات ہو جائے تو امامت کا وارث کون ہوگا؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

”میرے بعد میرا بیٹا موسیٰ امام ہوگا۔“

راوی کہتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد میں نے چشم زدن کے لئے بھی امام موسیٰ علیہ السلام کی امامت میں شک نہیں کیا۔

پھر میں تیس سال ٹھہرا اور امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے کہا:-

اگر خدا نخواستہ آپ کی وفات ہو جائے تو آپ کے بعد امام کون ہوگا؟

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا:-

”میرا بیٹا علیؑ امام ہوگا۔“

راوی کہتا ہے چنانچہ امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات ہو گئی مجھے امام علی رضاؑ کی امامت کے متعلق ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوا۔

۷۔ (محذوف اسناد) محمد بن سنان نے داود رقی سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی خدمت میں عرض کی آقا! میں بوڑھا ہو چکا ہوں آپ بتائیں آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ امام علیہ السلام نے ابو الحسن علی رضا علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ”میرے بعد یہ تمہارا امام ہوگا۔“

۸۔ (محذوف اسناد) محمد بن سنان نے داود رقی سے روایت کی، انہوں نے کہا میں نے ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر کی خدمت میں عرض کی:- میرا والد آپؑ پر قربان ہو! میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور اندیشہ ہے کہ میں مرجاؤں اور آپؑ سے ملاقات نہ کر سکوں، اس لیے آپؑ مجھے بتائیں کہ آپؑ کے بعد امام کون ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:-
”میرا بیٹا علی امام ہوگا۔“

۹۔ (محذوف اسناد) یزید بن سلیمان زیدی کہتے ہیں، ہماری ایک جماعت مکہ جا رہی تھی، راستے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا:-

میرے والدین آپؑ پر نثار! آپؑ ائمہ طاہرین ہیں لیکن موت سے کوئی فرد محفوظ نہیں ہے آپؑ مجھے بتائیں کہ میں آپؑ کے بعد کس کی طرف رجوع کروں امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”یہ میرے بیٹے ہیں اور میرا یہ بیٹا ان کا سردار ہے۔“ آپ نے امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:-

” اس میں علم و حکم اور فہم و سخاوت ہے اور یہ ہر اس چیز کو جانتے ہیں جس میں لوگوں نے اپنے امر دین میں اختلاف کیا ہے اور اختلاف کی وجہ سے رہنمائی کے محتاج ہیں، اس میں حسن خلق اور حسن ہمسائیگی (حسن سخاوت خ۔ل) موجود ہے، اور یہ خدا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، علاوہ ازیں اس میں ایک اور خوبی ہے جو کہ مذکورہ تمام خوبیوں سے بہتر ہے۔“

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا میرے والدین آپ پر نثار ہوں، آپ اس خوبی کی نشاندہی فرمائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

” اللہ اس کی صلب سے اس امت کے غوث و مددگار کو پیدا کرے گا جو کہ مجسم علم و نور ہو گا اور صاحب فہم و حکمت ہو گا، وہ بہترین پیدا ہونے والا اور بہترین پرورش پانے والا ہو گا۔ اللہ اسی کے ذریعے سے خون ریزی کو بند کرے گا اور اسی کے ذریعے سے باہمی اصلاح ہو گی اور منتشر امر اسی کے ذریعے سے یکجا ہو گا، اور اسی کے ذریعے سے ٹوٹے ہوئے جڑیں گے۔ اور برہنہ افراد کو لباس میسر ہو گا اور بھوکے سیراب ہوں گے اور خوف کے ماروں کو امن نصیب ہو گا اور اسی کی برکت سے بارانِ رحمت کا نزول ہو گا۔ بندوں میں اسی کا حکم جاری ہو گا۔ وہ بہترین سن رسیدہ اور بہترین پرورش پانے والا ہو گا۔“

اس کا خاندان اس کی جوانی سے قبل اس کی بشارت دے گا۔ اس کا قول قولِ فیصل ہو گا، اس کی خامشی علم ہو گی، لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہوں گے وہ لوگوں کے سامنے ان کی اصلیت کو بیان کرے گا۔“

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا تو کیا اس کے بعد موسیٰ کاظم علیہ السلام کی

اور بھی اولاد ہو گی؟

”جی ہاں“

پھر امام نے کلام قطع کر دیا۔

یزید بن سلیط (راوی حدیث) بیان کرتا ہے کہ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے ابو الحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجھے ویسی ہی خبر دیں جیسا کہ آپ کے والد علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:-

”میرے والد علیہ السلام کا زمانہ اور تھا اور میرا زمانہ کچھ اور ہے“

راوی حدیث یزید نے کہا:-

آپ کی مظلومیت پر جو خوش ہو، اس پر خدا کی لعنت ہو۔

امام علیہ السلام یہ سن کر ہنس دیئے اور فرمایا:-

ابو عمارہ! سنو، جب میں گھر سے نکلا تو اپنی تمام اولاد کو وصیت کی اور اپنے بیٹے علی کو بھی بظاہر اس میں شریک کیا اور تنہائی میں اسے علیحدہ وصیت کی۔

میں نے جناب رسول خداؐ اور امیر المومنین علیہما السلام کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک انگوٹھی اور تلوار اور عصا اور کتاب اور دستار تھی۔

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا:-

”دستار سے مراد خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکومت ہے اور تلوار سے مراد عزتِ خداوندی ہے اور کتاب سے مراد اللہ کا نور ہے اور عصا سے مراد خدا کی قوت ہے اور انگوٹھی ان تمام امور کی جامع ہے۔“

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”امرا مامت تیرے بعد تیرے فرزند علی کے پاس ہو گا“

پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

یزید ! میری یہ باتیں تیرے پاس امانت ہیں اور اس کی خبر کسی عاقل یا ایسے بندے کے کہ جس کے قلب کا اللہ ایمان کے لیے امتحان لے چکا ہو ، یا کسی صادق کے علاوہ اور کسی کو نہ بتانا اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرنا اور اگر تجھ سے کبھی اس کی گواہی طلب کی جائے تو اس کی گواہی ضرور دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا - (النساء ۵۸)

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچاؤ“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا :-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ - (البقرہ ۱۴۰)

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کے پاس خدائی شہادت موجود ہو

اور وہ پھر پردہ پوشی کرے“

میں نے کہا میں کبھی حق کی گواہی نہیں چھپاؤں گا ۔

اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ، پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے فرزند کے وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

”تیرا بیٹا علیؑ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۔ اور اس کی تفہیم سے سنتا

ہے اور حکمت خدا کے تحت گفتگو کرتا ہے ۔ وہ ہمیشہ راہ راست پہ چلتا ہے ۔ اور بھٹھے

والا نہیں ہے ۔ اور وہ جانتا ہے اور جہل والا نہیں ہے ۔ وہ علم حکمت سے بھرا ہوا

ہے ۔ اور تو اپنے بیٹے کے ساتھ بہت کم ہی ٹھہر پائے گا ۔ یہ چیز مقدر ہو چکی

ہے ۔ لہذا جب تو اپنے سفر سے واپس لوٹے تو اپنے امر کی اصلاح کر اور اپنے

ارادوں سے اپنے آپ کو جدا کر لے ۔ کیونکہ تو اس سے جدا ہونے والا اور اس

کے غیر کی صحبت اختیار کرنے والا ہے ۔ تو اپنی تمام اولاد کو جمع کر اور ان سب

پر خدا کو گواہ بنا کیونکہ بطور گواہ اللہ کافی ہے“

پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”مجھے اس سال گرفتار کیا جائے گا۔ اور میرا بیٹا جو کہ علی ابن ابی طالب اور علی زین العابدینؑ کا ہم نام ہے جسے ان بزرگوں سے علم و فہم اور ان کی بصیرت و اخلاق حسنہ جیسی صفات میراث میں ملی ہیں (وہ میرا جانشین ہوگا) اور میرا بیٹا ہارون کی موت کے چار برس بعد کھل کر گفتگو کرے گا۔ جب چار سال گزر جائیں تو جو چاہو اس سے پوچھ لینا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ تجھے تیری تمام باتوں کا جواب دے گا۔

۱۰۔ (بخاری اسناد) عباس نجاشی الاسدی کا بیان ہے کہ میں نے امام رضا

علیہ السلام سے پوچھا :-

کیا آپ اس امر کے مالک ہیں ؟

آپ نے فرمایا :-

”جی ہاں خدا کی قسم میں تمام انس و جن کا صاحب الامر ہوں۔“

۱۱۔ (بخاری اسناد) سلیمان بن حفص المروزی کہتے ہیں کہ میں امام ابو الحسن

موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں چاہتا تھا کہ ان سے پوچھوں کہ ان کے بعد حجت خدا کون ہے۔ جب ان کی مجھ پر نظر پڑی تو میرے کہنے کے بغیر انہوں نے کہا :-

”سلیمان ! یقیناً علیؑ میرا بیٹا اور میرا وصی اور میرے بعد تمام انسانوں پر

حجت خدا ہے۔ اور وہ میری تمام اولاد سے افضل ہے۔ لہذا اگر تو میرے بعد زندہ رہے تو میرے شیعوں اور میری ولایت کے ماننے والوں کو جو میرے جانشین کے متعلق دریافت کرنے والے ہوں انہیں اس کی خبر دینا۔“

۱۲۔ (بخاری اسناد) علی بن عبد اللہ ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ ہم قریباً ساٹھ

افراد قبر رسول خداؐ کے پاس موجود تھے اور اس تعداد میں ہم تھے یا ہمارے غلام تھے۔ اسی اثنا میں ابوالبراہیم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام تشریف لائے اور ان کے

ہاتھ میں ان کے بیٹے علیؑ کا ہاتھ تھا، آپؐ نے ہم سے فرمایا :-

”مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟“

ہم نے کہا :-

جی ہاں آپؐ ہمارے سردار اور ہمارے بزرگ ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا :-

”تم میرا نام و نسب بیان کرو۔“

ہم نے کہا :-

”آپؐ موسیٰ بن جعفر بن محمدؑ ہیں۔“

آپؐ نے فرمایا :-

”میرے ساتھ یہ کون ہیں؟“

ہم نے کہا :-

”یہ علی بن موسیٰ بن جعفر ہے۔“

آپؐ نے فرمایا :-

”گواہ رہو ! میری زندگی میں یہ میرا وکیل ہے اور میری موت کے

بعد یہ میرا وصی ہے۔“

۱۳۔ (حذف اسناد) عبداللہ بن مرحوم کہتے ہیں

میں بصرہ سے مدینہ کے ارادہ سے نکلا۔ جب میں نے کچھ سفر طے کیا تو راستے میں حضرت ابو ابراہیم ذبیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت آپؐ کو بصرہ لے جایا جا رہا تھا۔ آپؐ نے میری طرف پیغام بھیجا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ایک خط میرے حوالہ کیا اور فرمایا میرا یہ خط مدینہ پہنچاؤ۔

میں نے عرض کی کس کو یہ خط پہنچاؤں؟

آپؐ نے فرمایا :-

”یہ خط میرے فرزند علی کے حوالہ کرتا۔ وہی میرا وصی ہے اور میرے امور کا نگران ہے۔ اور وہی میری تمام اولاد میں سے افضل ہے۔“

۱۴۔ (حذف اسناد) عبد اللہ بن حرث سے روایت ہے اس کی والدہ جعفر بن ابی طالب کی نسل میں سے تھیں وہ کہتے ہیں، ابو ابراہیم موسیٰ کاظمؑ نے ہمیں پیغام بھیجا۔ جب ہم جمع ہوئے تو انہوں نے فرمایا :-
 ”جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟“
 ہم نے کہا نہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”گواہ رہو کہ میرا یہ فرزند علیؑ میرا وصی اور میرے امور کا نگران اور میرے بعد میرا جانشین ہے۔ جس نے بھی مجھے قرض دیا ہو وہ میرے بعد میرے اس فرزند سے وصول کرے اور جس سے میں نے کوئی وعدہ کیا ہو تو میرے اس فرزند سے وعدہ وفا کی کا تقاضہ کرے۔ اور جس نے لازمی طور پر مجھ سے ملاقات کرنی ہو تو وہ میرے فرزند کے خط کے ذریعہ سے ملاقات کرے۔“

۱۵۔ (حذف اسناد) محمد بن یزید ہاشمی نے کہا اب شیعہ علی بن موسیٰ کاظمؑ کو اپنا امام تسلیم کریں گے۔

راوی کہتا ہے میں نے پوچھا وہ کیوں؟

تو محمد بن یزید ہاشمی نے کہا کہ ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اسے اپنا وصی مقرر کیا تھا۔

۱۶۔ (حذف اسناد) علی بن حکم سے روایت ہے، انہوں نے حیدر بن ایوب سے روایت کی ہے۔ حیدر بیان کرتا ہے کہ ہم مدینہ میں مقام قبا میں موجود تھے، کچھ دیر بعد محمد بن زید بن علی ہمارے پاس آئے اور عام طور پر وہ اس وقت سے قبل آیا کرتے تھے :-

ہم نے ان سے پوچھا:-

اللہ ہمیں آپ پر ثار کرے آپ نے دیر کیوں کی؟

انہوں نے کہا:-

”آج ابوالراہیم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اولاد علی وبتولؑ میں سے

مترہ افراد کو بلایا اور انہوں نے ہمیں بلا کر اپنے فرزند علی رضا علیہ السلام کی وصیت

اور زندگی اور موت کے بعد ان کی وکالت کا ہمیں گواہ بنایا اور یہ کہ ان کے امر کو

انہوں نے جاری کر دیا۔“

پھر محمد بن زید نے کہا:-

”حیدر! خدا کی قسم امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آج سے انہیں امام

مقرر کر دیا اور تمام شیعہ ان کی امامت کا اعتقاد رکھیں گے۔“

یہ سن کر حیدر بن ایوب نے کہا:-

”نہیں ہم بقیۃ اللہ کی امامت کو تسلیم کریں گے، اس کے سامنے علی رضاؑ

کی امامت کیا چیز ہے۔

محمد بن زید نے کہا:-

”جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے انہیں اپنا وصی مقرر کر دیا ہے تو انہوں

نے انہیں امام متعین کیا ہے۔“

(راوی حدیث) علی بن حکم کہتے ہیں کہ حیدر مرتے دم تک شک میں مبتلا

رہے تھے۔

۱۷۔ (محذف اسناد) عبدالرحمن بن حجاج روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ

کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند علی کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں ایک تحریر لکھ

کر دی جس میں مدینہ کے ساٹھ معززین کی گواہی درج کی گئی تھی۔

۱۸۔ (محذف اسناد) حسین بن بشم کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

نے اپنے فرزند علی رضا کا اعلان بعینہ اس طرح سے کیا جس طرح رسول خداؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کا اعلان کیا تھا، چنانچہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اہل مدینہ کے سامنے ارشاد فرمایا:-

”اہل مدینہ! (یا اہل مسجد) میرے بعد یہ میرا وصی ہے“

۱۹۔ (حذف اسناد) حسن بن علی خزاز کہتے ہیں کہ ہم مکہ جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ علی بن ابی حمزہ بھی تھا اور اس کے پاس کچھ مال و متاع تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟

اس نے کہا یہ عبد صالح علیہ السلام کا مال ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہ مال اُن کے فرزند علی رضا علیہ السلام کے پاس لے جاؤں کیونکہ انہوں نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا ہے۔

مصنف کتاب عرض کرتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد علی بن ابی حمزہ نے امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا اور ان سے مال روک دیا تھا۔

۲۰۔ (حذف اسناد) سلمہ بن محرز کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ

کی خدمت میں عرض کی کہ فرقہ عجلیہ (۱) کے ایک فرد نے مجھ سے کہا کہ تمہارا یہ شیخ کتنے برس زندہ رہے گا۔ تمہارا یہ شیخ بس ایک دو برس تک زندہ رہے گا پھر مر جائے گا، اس کے بعد تمہارا کوئی امام نہیں ہو گا۔

(۱) فرقہ عجلیہ کی دو شاخیں ہیں، ان کی پہلی شاخ کو مغیریہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مغیرہ بن سعید عجلّی کے پیروکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا ”اللہ تعالیٰ ایک مرد کی سی شکل رکھتا ہے اور اس کے سر پر تاج ہے“۔ اور ان کا اعتقاد تھا کہ امام منتظر زکریا بن محمد بن علی بن حسین بن علی ہیں اور جبل حجاز میں زندہ سلامت ہیں، اللہ نے انہیں ہماری آنکھوں سے غائب کر دیا ہے۔ اس فرقہ کی دوسری شاخ کو منصور یہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ابو منصور عجلّی کے پیروکار ہیں۔ ابو منصور نے اپنی نسبت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف کی تھی لیکن انہوں نے اس سے اظہارِ براءت کر دیا تھا اور اسے اپنی مغللت دھڑھکا دیا تھا، اس کے بعد اس نے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا تھا، اور اس فرقہ کے افراد کا عقیدہ یہ تھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے بعد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہی امام ہیں۔

یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

”تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ موسیٰ بن جعفر الصادق جوان ہو چکے ہیں اور ہم نے اس کے لیے ایک کنیز بھی خریدی ہے جس سے فقیہ فرد انشاء اللہ پیدا ہو گا۔“

۲۱۔ (محذوف اسناد) اسماعیل بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام کا دستور تھا کہ وہ اپنے فرزند علی کی بہت تعریف اور ان کی فضیلت و سخاوت کا بہت زیادہ تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جب کے دوسروں کا اس قدر ذکر نہیں کیا کرتے تھے۔ گویا وہ ان کی امامت کی جانب اشارہ فرماتے تھے۔

۲۲۔ (محذوف اسناد) جعفر بن خلف سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

”وہ شخص خوش نصیب ہے جو موت سے پہلے اپنا جانشین دیکھ لے اور اللہ نے مجھے میرے بیٹے علی کی صورت میں اپنا جانشین دکھا دیا ہے۔“

پھر آپؑ نے اپنے فرزند علی رضا علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔

۲۳۔ (محذوف اسناد) حسین بن مختار بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے زندان سے ہمیں خطوط لکھے جن میں تحریر تھا

”میرے عہدہ امامت کا حقدار میرا بڑا بیٹا ہے۔“

۲۴۔ (محذوف اسناد) حسین بن مختار کہتے ہیں جب امام موسیٰ کاظمؑ کا بصرہ سے گزر ہوا تو ان کی طرف سے ہمیں خطوط موصول ہوئے جن میں تحریر تھا

”میرے عہد کا وارث میرا بڑا بیٹا ہے۔“

۲۵۔ (محذوف اسناد) زیاد بن مروان القندی کہتے ہیں کہ میں ابوالبرہیم موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ان کے پاس ان کے فرزند علی موجود تھے۔ آپؑ نے فرمایا:-

میرا قاصد ہے۔ اور اس کا فیصلہ حرف آخر ہے۔“

مصنف کتاب کہتا ہے زیاد بن مروان القندی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی میں اس حدیث کو روایت کیا تھا۔ لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ اس کا منکر ہو گیا تھا اور اس کے پاس جتنا بھی مال امام تھا اس نے سب کا سب اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

۲۶۔ (حذف اسناد) نصر بن قابوس کہتے ہیں کہ میں نے ابو ابراہیم موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے آپ کے والد ماجد سے ان کے جانشین کے متعلق پوچھا تھا تو انہوں نے آپ کے متعلق فرمایا تھا۔

ان کی وفات کے بعد کئی لوگ ادھر ادھر چلے گئے لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں نے آپ کو امام تسلیم کیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ کا جانشین کون ہوگا؟ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”میرا بیٹا علی میرا جانشین ہوگا“

۲۷۔ (حذف اسناد) نعیم بن قابوس (نصر بن قابوس خ۔ل) بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”علی میرا بڑا بیٹا ہے اور میری تمام اولاد کی بہ نسبت میرا زیادہ فرماں بردار ہے اور وہ میرے ساتھ کتاب جفر و جامعہ کا مطالعہ کرتا ہے اور جفر و جامعہ کا مطالعہ یا تو نبی کر سکتا ہے یا نبی کا وصی کر سکتا ہے۔“

۲۸۔ (حذف اسناد) مفضل بن عمر روایت کرتے ہیں کہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت علی رضا علیہ السلام ان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام انہیں یوسے دے رہے تھے اور اپنی زبان انہیں چما رہے تھے اور انہیں اپنے کندھوں پر بٹھاتے اور انہیں اپنے سینے سے لگاتے تھے اور یہ فرماتے تھے :-

”میرے ماں باپ تجھ پہ قربان! تیرے بدن سے اٹھنے والی خوشبو کتنی عمدہ ہے اور تیری پیدائش کتنی پاک اور تیری فضیلت کتنی واضح ہے۔“

مفضل کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی :-

میں آپ پر قربان جاؤں! میرے دل میں اس بچے کے لیے اتنی محبت پیدا ہو گئی ہے کہ اتنی محبت آپ کے علاوہ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”میرے اس بیٹے کا وہی مقام ہے جو میرے والد کے ہاں میرا مقام ہے یہ ذریت ایک دوسرے سے جاری رہے گی اور اللہ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔“

میں نے کہا تو کیا آپ کے بعد امر امامت کے وارث یہی ہیں؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”جی ہاں! جس نے اس کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے اس کی نافرمانی کی، اس نے کفر کیا۔“

۲۹۔ (حذف اسناد) محمد بن سنان کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کر کے ابھی عراق نہیں لے جایا گیا تھا، میں اس گرفتاری سے ایک سال پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے فرزند علی ان کے پاس موجود تھے، امام علیہ السلام نے مجھے دیکھ کر فرمایا :-

”محمد!“

میں نے لبیک کہا۔

پھر آپ نے فرمایا :-

”اس سال ایک واقعہ پیش آئے گا، اس واقعہ کی وجہ سے خوف زدہ مت ہونا۔“

پھر انہوں نے سر جھکا کر ہاتھ سے زمین پر لکیریں کھینچیں اور بعد ازاں سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (ابراہیم۔ ۲۷)

”اور اللہ ظالموں کو گمراہی میں رہنے دیتا ہے اور جو چاہتا ہے سرانجام دیتا ہے۔“

میں نے کہا اس کا مقصد کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا :-

”جس نے میرے اس فرزند کے حق میں ظلم کیا اور میرے بعد جس نے

بھی اس کی امامت کا انکار کیا تو اس شخص نے گویا حضرت علی بن ابی طالبؓ پر ظلم کیا اور محمد مصطفیٰؐ کے بعد ان کی امامت کا انکار کیا۔“

حضرت کی یہ باتیں سن کر میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں اور اپنے فرزند کی جانشینی کا اعلان کر رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا :-

اگر خدا نے مجھے زندگی بخشی تو میں ان کا حق ادا کروں گا اور ان کی امامت کا اقرار کروں گا ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خلقِ خدا پر خدا کی حجت اور خدا کے دین کے داعی ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”اللہ تجھے طویل زندگی عطا کرے گا ، تو لوگوں کو اس کی اور اس کے بعد

اس کے قائم مقام کی امامت کی دعوت دے گا۔“

میں نے عرض کی :-

میں آپؑ پر نثار ! ان کا قائم مقام کون ہو گا ؟

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :-

”اس کا بیٹا محمد (تقی) اس کا قائم مقام ہوگا“

میں نے کہا :-

میں راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”جی ہاں ! میں نے امیر المومنین علیہ السلام کی کتاب میں تیرے متعلق پڑھا

ہے کہ تو ہمارے شیعوں میں وہی مقام رکھتا ہے جو کہ تاریک رات میں بجلی کی

چمک کو حاصل ہوتا ہے ۔“

پھر آپؑ نے فرمایا :-

”محمد ! بے شک مفصل بھی میرا ہمدرد ہے اور مجھے راحت پہنچانے والا ہے لیکن

تو اس سے زیادہ میرا ہمدرد اور مجھے راحت پہنچانے والا ہے ، دوزخ کا تجھے مس

کرنا حرام ہے ۔“

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا وصیت نامہ

۱۔ (مخفف اسناد) ابراہیم بن عبد اللہ جعفری نے اپنے خاندان کے متعدد افراد سے روایت کی ہے کہ ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اپنا وصیت نامہ تحریر کیا جس میں اسحاق بن جعفر بن محمد اور ابراہیم بن محمد جعفری اور جعفر بن صالح اور معاویہ بن جعفر بن یحییٰ بن حسین بن زید اور سعد بن عمران انصاری اور محمد بن حارث انصاری اور یزید بن سلیمان انصاری اور محمد بن جعفر اسلمی کو گواہ قرار دیا اور اس میں حضرت نے یہ تحریر کرایا کہ :-

”وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور قیامت ضرور قائم ہوگی، اور اس کے قائم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اہل قبور کو اٹھائے گا۔ اور موت کے بعد اٹھنا حق ہے اور حساب اور قصاص حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا حق ہے اور جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے آئے ہیں وہ حق ہے، حق ہے، حق ہے، اور جو کچھ روح الامین لائے ہیں وہ حق ہے، اسی عقیدہ پر میں زندہ رہوں گا اور اسی عقیدہ پر مروں گا اور اگر خدا نے چاہا تو قیامت کے دن اسی عقیدہ پر اٹھایا جاؤں گا۔

میں تمام گواہوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس وصیت نامہ کو میں نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہے اور اس سے قبل میں نے اپنے دادا امیر المومنین اور حسن و حسین اور علی بن الحسین اور محمد باقر اور جعفر صادق کے وصیت ناموں کی نقول بھی اپنے ہاتھوں سے نقل کر چکا ہوں۔

اولاد کو وصیت کرتا ہوں بشرطیکہ اگر علی رضا ان میں صلاحیت محسوس کریں اور اس وصیت میں انہیں شریک کرنا چاہیں تو درست اگر وہ ان سے نفرت کریں اور انہیں اس وصیت نامہ سے علیحدہ کرنا چاہیں تو بھی انہیں اس بات کا پورا پورا اختیار حاصل ہوگا اور اس صورت میں ان کا اس وصیت نامہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا میں علی رضا کو اپنے صدقات اور اموال اور ان چھوٹے بچوں کا وصی مقرر کرتا ہوں جنہیں میں اپنے بعد چھوڑ کر جا رہا ہوں ، علاوہ ازیں میں انہیں ابراہیم ، عباس ، اسماعیل احمد اور احمد کی والدہ کے متعلق بھی وصیت کرتا ہوں اور میرے بعد میری ازواج کے معاملات کی باگ ڈور بھی علی رضا کے پاس ہوگی ۔ اس کے علاوہ کسی اور کو اس میں مداخلت کی اجازت نہ ہوگی ، اس کے علاوہ میرے والد اور میرے اہل بیت کے صدقات کی تمائی کی وصیت بھی اسے کرتا ہوں وہ جہاں مناسب سمجھے اسے خرچ کرے ، وہ ان صدقات کو اپنا ذاتی مال متصور کر کے اگر پسند کریں تو میرے افراد خانہ کو دیں اور اگر پسند نہ کریں تو بھی انہیں اس کا اختیار حاصل ہے ، اور اگر وہ انہیں بیع ، ہبہ یا بخشش کرنا چاہیں یا میری وصیت سے ہٹ کر صدقہ کرنا چاہیں تو بھی انہیں اس کا پورا اختیار حاصل ہے ، اس سے مراد میری وہ وصیت ہے جو میں اپنے مال اور اہل و عیال کے متعلق کر چکا ہوں ۔

اگر وہ مذکورۃ الصدر افراد جن کے نام میں پہلے تحریر کر چکا ہوں انہیں شامل کریں تو بھی انہیں اجازت ہے اور اگر مذکورہ افراد کو وصیت سے نکال دیں تو بھی انہیں اس کی مکمل اجازت ہے ۔

میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی بیٹا اپنی بہن کی شادی کرنا چاہے تو وہ علی رضا علیہ السلام کی اجازت اور امر سے کرے۔

اور اگر کوئی صاحب اقتدار علی رضا علیہ السلام کو میری وصیت پر عمل کرنے سے مانع ہو تو وہ مقتدر شخص خدا اور رسول سے بری ہوگا اور خدا اور رسول اس

سے بری ہوں گے اور اس پر اللہ اور جملہ لعنت کنندگان اور ملائکہ مقرر ہیں اور جملہ انبیاء و مرسلین اور جملہ اہل ایمان کی لعنت ہو گی ۔

کسی حکمران اور میرے اولاد میں سے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ علی رضا علیہ السلام کو میرے ترکہ و جاگیر میں تصرف سے روکے اور میری جائیداد کے کم و بیش ہونے کے متعلق جو کچھ علی رضا کہیں اسے درست تصور کیا جائے ، جن افراد کو وصیت نامہ کے آغاز میں میں نے شامل کیا ، ان کے شامل کرنے سے ان کی عزت مطلوب تھی اور اس سے اپنی چھوٹی اولاد اور اولاد کی ماؤں کی تالیف قلب منظور تھی۔

میری چھوٹی اولاد اور ان کی ماؤں میں سے جو کوئی علی رضا علیہ السلام کی سرپرستی میں رہنا چاہے تو اسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو میری زندگی میں اسے حاصل تھے لیکن اس کے لیے بھی علی رضا علیہ السلام کی رضامندی شرط ہوگی اور میری جو بیوی میرے بعد کسی اور سے نکاح کر لے تو اسے میرے وظائف میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا ، ہاں اگر علی رضا علیہ السلام چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور میری بیٹیوں کے لیے بھی یہی حکم ہے ، میری بیٹیوں کا نکاح ان کے بھائی یا کوئی حکمران کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے اس کے لیے علی رضا علیہ السلام کی رائے اور مشورہ ضروری ہو گا ۔

اگر میری اولاد یا کوئی حکمران اپنی ذاتی صوابدید پر ان کا نکاح کریں تو وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالف متصور ہوں گے اور خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والے سمجھے جائیں گے میری اولاد میں سے یہ حق صرف علی رضا علیہ السلام کو حاصل ہے وہ جس کا نکاح جس سے مناسب سمجھیں کر دیں کیونکہ وہ اپنی قوم کے رشتوں سے خوبی واقف ہیں انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا مکمل حق حاصل ہے اور اس وصیت نامہ کے مطابق میں اپنی بیٹیوں کو بھی وصیت کر چکا اور

ان پر خدا کو گواہ قرار دے چکا ہوں اور کسی کو میری وصیت کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، جو کوئی برائی کرے تو اس کا وبال اس پر ہوگا اور جو کوئی بھلائی کرے تو اس کا فائدہ اسے حاصل ہوگا اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور میرے وصیت نامہ کے اس آخری حصہ کو جسے میں نے مہر لگا کر بند کر دیا ہے، کھولنے کی اجازت کسی حکمران کو نہیں ہے اور جو کوئی ایسا کرے اس پر خدا کا غضب اور لعنت نازل ہوگی اور اس لعنت میں فرشتے اور جملہ مومنین و مسلمین مددگار ہوں گے۔“

آخر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی مرثیت کی اور گواہوں نے دستخط کیئے۔
عبداللہ بن محمد جعفری بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا بیٹا عباس اس وقت کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا :-

وصیت نامہ کا آخری حصہ ہمارے لیے ایک خزانہ اور جوہر کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ہمارا بھائی علی رضا اس پر قابض ہے اور وہ اسے کھولنے پر راضی نہیں ہے جب کہ وصیت نامہ کے بالائی حصہ میں تو ہمارے والد نے ہمیں کچھ بھی نہیں دیا اور ہمیں علی رضا علیہ السلام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

جیسے ہی عباس نے شکایت کی تو ابراہیم بن محمد جعفری نے اسے برا بھلا کہا اور اس کے چچا اسحاق بن جعفر نے اس پر حملہ کر دیا اور دونوں کچھ دیر کے لیے گتھم گتھا ہو گئے۔

عباس نے قاضی سے کہا :-

آپ اس مہر کو توڑیں اور وصیت نامہ کا زیریں حصہ پڑھیں۔

ابو عمران قاضی نے کہا :-

میں اسے توڑنے کی جرات نہیں کروں گا کیونکہ آپ کے والد نے مہر توڑنے

والوں پر لعنت کی ہے۔

عباس نے کہا :-

اگر آپ اسے توڑنے پر آمادہ نہیں ہیں تو میں اس مہر کو توڑتا ہوں ۔

قاضی نے کہا :-

وہ تمہاری اپنی صولبدید پر منحصر ہے۔

چنانچہ عباس نے قاضی کے سامنے مہر کو توڑا تو وصیت نامہ کے زیریں حصہ سے باقی تمام اولاد کو خارج کر دیا گیا تھا اور تمام جائیداد امام علی رضا علیہ السلام کے نام پر لکھی گئی تھی اور باقی اولاد کے متعلق مرقوم تھا کہ خواہ وہ پسند کریں یا نا پسند کریں انہیں علی رضا علیہ السلام کی سرپرستی قبول کرنا ہوگی ، چنانچہ اس وصیت نامہ کے کھلنے کے بعد ان کی حیثیت وہی رہ گئی جو کسی یتیم کی اس کے کفیل کے ہاں ہوتی ہے ، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد کو حدود صدقہ سے خارج کر دیا تھا ۔

بھائی کا یہ ناشائستہ رویہ دیکھ کر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”بھائی ! میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس جسارت کا سبب لوگوں کا وہ قرض

ہے جو آپ کے ذمہ واجب الادا ہے ۔“

پھر آپ نے سعد سے فرمایا :-

”سعد ! میرے ساتھ چلو اور مجھے بھائیوں کے قرض کی تفصیل فراہم کرو

تاکہ میں ان کا قرض ادا کروں اور ان کی ضروریات بیان کرو تاکہ میں ان کی ضروریات کی کفالت کروں ، کیونکہ میں جب تک زندہ ہوں تم سے ہمیشہ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرتا رہوں گا ، اس کے باوجود تم جو چاہو میرے متعلق کہتے پھرو“۔

عباس نے کہا :-

آپ ہم پر احسان نہیں کر رہے ، آپ ہمیں ہماری ہی جائیداد کا قلیل

ترین حصہ دے رہے ہیں جب کہ ہماری دیگر جائیداد بدستور آپ کے پاس موجود ہے ۔

امام علی رضاعلیہ السلام نے فرمایا :-

”تم جو چاہو کہتے پھرو ، یہ باتیں کر کے تم اپنی ہی عزت کو بٹہ لگا رہے ہو“

پھر آپ نے دعا مانگتے ہوئے کہا :-

”خدا یا ! ان کی اصلاح کر اور ان کے ذریعہ سے باقی لوگوں کی اصلاح کر اور

ہم سے اور ان سے شیطان کو دور رکھ اور انہیں اپنی اطاعت کی قوت و طاقت عطا

فرما ، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا خدا کارساز ہے ۔“

عباس نے کہا :-

مجھے آپ کی دعاؤں کے ذریعہ سے عارف بننے کی کوئی ضرورت نہیں اور

ہمارا آپ سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔

اس کے بعد لوگ منتشر ہو کر چلے گئے ۔

۲۔ (بخلف اسناد) عبد الرحمن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام نے میرے والد کے ہاتھوں امیر المومنین اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور

اپنا ذاتی وصیت نامہ روانہ کیا ، آپ کے وصیت نامہ کی عبارت یہ تھی ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”موسیٰ بن جعفرؑ اپنی فلاں زمین جو کہ فلاں فلاں مقام پر واقع ہے ، کو صدقہ

کرتا ہے ، اور اس صدقہ میں اس زمین کی تمام کھجوریں ، زمین اور غرضیکہ اس کی تمام تر

پیداوار خواہ وہ بلندی میں پیدا ہو یا پستی میں ، عرض میں ہو یا طول میں ہو ، سیلاب کی

گزرگاہ میں ہو یا آباد مقام میں ہو ، میں اس زمین کے جملہ حقوق اپنی نسل کے تمام

مردوں اور عورتوں کے لیے وقف کرتا ہوں چنانچہ وہاں کے حاکم کو چاہیے کہ زمین

کی پیداواری اخراجات کے بعد تمیں کھجوروں کا پھل اس قریہ کے مساکین میں تقسیم

کر کے اور باقی پیداوار موسیٰ بن جعفرؑ کی نسل کے مردوں اور عورتوں میں تقسیم

کرے ، اور تقسیم کرتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ ہر ایک کو حصہ اور عورت

کو ایک حصہ دیا جائے ، اور اگر موسیٰ بن جعفر کی اولاد میں سے کوئی عورت شادی کر لے تو پھر اسے اس میں سے کوئی حصہ نہ دیا جائے ، اور اگر وہی عورت شوہر کی موت کے بعد واپس آجائے تو پھر اسے موسیٰ بن جعفر کی دوسری بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے ، اور اگر موسیٰ بن جعفر کی اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو اس کے باپ کا حصہ دیا جائے ، مرد کو دو تہائی اور عورت کو ایک تہائی دی جائے گی ، جیسا کہ موسیٰ بن جعفر نے اپنی صلیبی اولاد کے لیے شرط عائد کی ہے ، اسی شرط کے تحت اسے حصہ دیا جائے گا ، اور اگر موسیٰ بن جعفر کا کوئی بیٹا بے اولاد ہو کر فوت ہو جائے تو اس کا حصہ دیگر حصہ داروں کو دیا جائے گا ، اور میری بیٹیوں کی اولاد اس وقف میں شامل نہ ہوگی ، اور جب تک میری اولاد یا اولاد کی اولاد باقی ہے اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے ، اگر میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد دنیا میں ناپید ہو جائے تو یہ وقف میرے سگے بھائیوں کی اولاد کے لیے ہوگا ، اور اگر میرے سگے بھائیوں کی نسل معدوم ہو جائے تو یہ وقف میرے والد کی دوسری اولاد کے لیے ہوگا ، اور اگر میرے باپ کی تمام نسل معدوم ہو جائے تو جو حق میراث میں زیادہ حقدار ہوں وہ اس وقف کے حقدار قرار پائیں گے ، یہاں تک کہ اللہ خود اس کا وارث ہو اور وہ بہترین وارث ہے ، موسیٰ بن جعفر نے ایسا وقف کیا جس میں کسی طرح کا استثناء نہیں ہے اور وہ اس وقف کے ذریعہ سے خدا کی رضا اور یوم آخرت کی فلاح کا خواہش مند ہے ، لہذا خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی مومن کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کی خرید و فروخت کرے یا کسی کو ہبہ کرے یا کسی کو اس کے حقوق عطا کرے یا میری مقرر کردہ شرائط میں کسی قسم کی تبدیلی کرے ، یہاں تک خود اللہ زمین اور اس پر رہنے والے افراد کا وارث بنے اور میں اس کا متولی علی رضا علیہ السلام اور ابراہیم کو مقرر کرتا ہوں اور اگر ان میں سے ایک کو نسل سے انحصار ہو جائے تو

میرا بیٹا قاسم اس کا قائم مقام ہو گا ، اور اگر ان دو میں سے ایک دنیا سے چلا جائے تو دوسرے کے ساتھ اسماعیل اس وقف کا متولی قرار پائے گا اور اگر ان دو میں سے ایک وفات پا جائے تو باقی رہنے والے کے ساتھ عباس اس وقف کا نگران قرار پائے گا اور اگر ان میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کی جگہ وہ لے گا جو میری اولاد میں سے بڑا ہو گا اور اگر میرا صرف ایک بیٹا رہ جائے تو وہی اکیلا ہی متولی ہو گا۔“

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے والد علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو عباس پر مقدم کیا جب کہ عمر کے لحاظ سے عباس بڑا تھا۔

۳۔ (مخفف اسناد) عبدالرحمن بن حجاج روایت کرتے ہیں کہ جس سال امام موسیٰ کاظم علیہ السلام گرفتار ہوئے تھے ان کی گرفتاری کے پچاس دن بعد گیارہ ذی الحجہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیٹے اسحاق اور علی مکہ میں عبدالرحمن کے پاس گئے اور ان کے پاس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ایک خط تھا جس میں انہوں نے اپنی چند حاجات کا تذکرہ کیا تھا ، چنانچہ دونوں نے وہ خط عبدالرحمن بن اسلم کے سپرد کیا اور کہا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان امور کا حکم دیا ہے اور اگر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات ہو جائے تو یہ چیزیں ان کے فرزند علی رضا علیہ السلام کے سپرد کر دینا کیونکہ وہ ان کے قائم مقام ہیں اور ان کے امور کے نگران ہیں اور دونوں کی اس گواہی کی مزید تصدیق کے لیے حسین بن احمد (علی خ ل) المستقری اور اسماعیل بن عمرو اور حسان بن معاویہ اور حسین بن محمد صاحب الحکم نے بھی گواہی دی۔

مذکورہ الصدر چار افراد میں سے دو نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ ”علی رضا علیہ السلام اپنے والد کے وصی اور ان کے خلیفہ ہیں جبکہ دوسرے دو نے کہا کہ علی رضا اپنے والد کے خلیفہ اور ان کے وکیل ہیں۔“

چنانچہ اس وقت کے قاضی حفص بن غیاث نے ان کی گواہی کو قبول کیا۔

۴۔ (محذوف اسناد) بحرین صالح کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم بن موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ اپنے والد کے متعلق کیا کہتے ہو ؟

اس نے کہا :-

”وہ زندہ ہیں۔“

میں نے پھر ان سے پوچھا :-

تم اپنے بھائی علی رضا علیہ السلام کے متعلق کیا جانتے ہو ؟

اس نے کہا :-

”وہ ثقہ اور صدوق ہیں۔“

پھر میں نے کہا :-

تمہارے وہ ثقہ اور صدوق بھائی تو کہتے ہیں کہ آپ کے والد وفات پا چکے ہیں !

یہ سن کر ابراہیم نے کہا ”وہ اپنی بات کا مفہوم خود ہی بہتر جانتے ہیں۔“

راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ سوال کئی مرتبہ ان کے سامنے دہرایا وہ ہر

بار یہی جواب دہراتے رہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس سے پوچھا :-

آپ کے والد نے کسی کو اپنا وصی بھی بنایا تھا ؟

ابراہیم نے کہا :-

”ہاں ! انہوں نے ہم میں سے پانچ افراد کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور علی رضا

علیہ السلام کو ہم سب پر مقدم رکھا تھا۔“

دوازدہ ائمہ کے ضمن میں آپؐ کی امامت پر نص

۱۔ (بخاری اسناد) صدقہ بن ابی موسیٰ نے ابی نصرہ (ابی نصرہ خلی) سے روایت کی، ان کا بیان ہے جب ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے عہد امامت حوالہ کرنے کے لیے اپنے بیٹے صادق علیہ السلام کو بلایا تو ان کے بھائی حضرت زید بن علی نے ان سے کہا :-

اگر آپ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی مثال کو اپنے پیش نظر رکھ لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی کوئی غلطی متصور نہ ہوگی۔

(مقصد یہ تھا کہ جس طرح سے امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائی حسین علیہ السلام کی امامت پر نص کی تھی آپ بھی اسی طرح سے میری امامت پر نص فرما دیں تو بہتر ہے)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :-

”ابو الحسن! امانتوں کا تعلق مثالوں سے نہیں ہوتا اور عہد کا واسطہ رسوم سے نہیں ہوتا، یہ وہ صلاحیت ہے جو کہ براہ راست خداوند عالم کی جانب سے جاری ہو چکی ہیں۔“

پھر انہوں نے جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کو بلا کر فرمایا :-

جابر! جو کچھ آپ نے صحیفہ میں مشاہدہ کیا ہے، وہ ہمیں بتائیں۔

جابر نے کہا :-

جی ہاں! ابو جعفر، میں امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کی مبارک باد دینے کے لیے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے

دیکھا کہ سیدہ فاطمہؓ نے آپؐ کو اپنے گہنے میں لپیٹ کر رکھا تھا۔

میں نے ان کی خدمت میں عرض کی :-

سیدۃ النساء یہ کیسا صحیفہ ہے جسے میں آپ کے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں ؟
حضرت سیدہؓ نے فرمایا :-

اس میں میری نسل میں ہونے والے ائمہ کے نام درج ہیں -

میں نے درخواست کی کہ یہ صحیفہ مجھے دیں تاکہ میں اسے دیکھ سکوں -

حضرت سیدہؓ نے فرمایا :-

اگر منع نہ ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتی ، لیکن اللہ کی طرف سے نبی ، وصی نبی اور اہل بیتؑ نبی کے علاوہ دوسروں کے ہاتھوں میں اسے دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے البتہ تم اسے میرے ہاتھوں سے دیکھ لو -

جابرؓ کہتے ہیں :-

جب میں نے صحیفہ میں نگاہ کی تو اس میں لکھا تھا :-

ابو القاسم محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ فرزند آمنہ -

ابو الحسن علی بن ابی طالب فرزند فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ،

ابو محمد حسن البر بن علی -

ابو عبد اللہ حسین تقی فرزند فاطمہ بنت محمد -

ابو محمد علی العدل بن حسین ، فرزند شہربانو بنت یزدگرد ، ابو جعفر محمد باقر بن علی

فرزند ام عبد اللہ بنت حسن بن علی بن ابی طالب -

ابو عبد اللہ جعفر صادق بن محمد فرزند ام فروہ بنت قاسم بن محمد ابی بکر -

ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر ، اس کی ماں کنیز ہوگی جس کا نام حمیدۃ المصفاۃ ہوگا -

ابو الحسن علی رضا بن موسیٰ ، اس کی ماں کنیز ہوگی جس کا نام نجمہ ہوگا -

ابو جعفر محمد زکی بن علی رضا اس کی ماں کا نام خیزران ہوگا ، ابو الحسن علی امین بن

محمد ، اس کی ماں کنیز ہوگی ، اس کا نام سوسن ہوگا -

ابو محمد حسن رفیق بن علی، اس کی ماں کنیز ہوگی جس کا نام سمانہ ہوگا اور کنیت ام الحسن ہوگی، ابو القاسم محمد بن حسن وہ حجتہ اللہ اور قائم ہوگا، اس کی ماں کنیز ہوگی جس کا نام نر جس ہوگا صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

مصنف کتاب ہذا کہتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت قائم کا اصلی نام بیان کیا گیا ہے اور میرا نظریہ یہ ہے کہ حضرت کا نام لینا ممنوع ہے۔

آسمانی لوح

۲۔ (محذوف اسناد) ابو بصیر راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

میرے والد علیہ السلام جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا، مجھے آپ سے ایک کام ہے جب لوگ اٹھ کر چلے جائیں تو میں آپ سے تمنائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے عرض کی آپ جس وقت پسند کریں میں آپ سے ملاقات کو تیار ہوں چنانچہ میرے والد علیہ السلام ان سے تخلیہ میں ملے اور فرمایا :-

جابر! میں آپ سے اس لوح کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں جو آپ نے میری والدہ حضرت سیدۃ النساء کے پاس دیکھی تھی اور میری والدہ ماجدہ نے آپ کو اس کے متعلق کیا بتایا تھا؟

جابرؓ نے عرض کی :-

میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں امام حسین علیہ السلام کی ولادت کی مبارک بادی دینے کے لیے آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، میں نے ان کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کی تختی دیکھی جس کے متعلق میں نے تصور کیا تھا کہ وہ زبردستی تختی ہے اور اس تختی میں عبارت لکھی گئی تھی جو کہ سورج کی روشنی سے بھی زیادہ شفاف اور سفید تھی۔

میں نے ان سے عرض کی :-

”بنت رسول! میرے ماں باپ آپ پر ثار، یہ تختی کیسی ہے؟“

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا :-

”اس تختی کو اللہ نے اپنے رسولؐ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا ہے اور اس میں میرے والد اور میرے شوہر اور میرے بیٹوں اور میرے بیٹے کی نسل سے پیدا ہونے والے اوصیاء کے نام ہیں، میرے والد نے مجھے خوش کرنے کے لیے یہ تختی مجھے عطا کی ہے۔“

جابرؓ کہتے ہیں :-

”میں نے اس تختی کو پڑھا اور اسے نقل کیا۔“

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :-

”تو کیا تم اپنا نقل کردہ نسخہ مجھے دکھا سکتے ہو؟“

جابرؓ نے کہا :-

”جی ہاں۔“

پھر جابرؓ اور امام محمد باقر علیہ السلام دونوں مسجد نبوی سے چل کر جابرؓ کے گھر آئے اور جابرؓ نے باریک چمڑے پر لکھی ہوئی کتاب لا کر پیش کی اور کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سیدہ کے ہاتھ میں جو لوح تھی، یہ اس کی درست اور مکمل نقل ہے اور لوح کی عبارت یہ تھی -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ تحریر خداوند غالب و حکیم کی طرف سے اس کے نور، اس کے سفیر، اس کے حجاب اور اس کے بنائے ہوئے رہنما محمد مصطفیٰؐ کی طرف ہے جس کے پاس رب العالمین کی طرف سے روح الامین نازل ہوا۔

محمد! میرے اسماء کی تعظیم کرو اور میری نعمات کا شکر ادا کرو اور میری نعمات کا انکار نہ کرو۔

مت کرو ، یقیناً میں اللہ ہوں ، میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ، میں جباروں کی گردن توڑنے والا اور ظالموں کو رسوا کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا ہوں ، یقیناً میں اللہ ہوں ، میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ، جس نے بھی میرے فضل کے علاوہ کسی اور سے امید وابستہ کی اور جو میرے عذاب کے علاوہ کسی اور سے ڈرا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو عالمین میں سے کسی کو نہیں دوں گا پس تو میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی بھروسہ کر ۔

میں نے جس نبی کو بھی بھیجا اور جب اس کے ایام مکمل ہوئے اور اس کی مدت پوری ہوئی تو میں نے اس کے لیے وصی مقرر کیا اور میں نے تجھے جملہ انبیاء پر فضیلت دی ہے اور تیرے وصی کو جملہ اوصیاء پر فضیلت دی ہے۔

اور اس کے بعد میں نے تیرے دو شیر پتوں کے ذریعہ سے عزت عطا کی ہے اور تیرے نواسے حسن و حسین کو میں نے ذریعہ افتخار بنایا ہے ، میں نے حسن کو اس کے والد کی زندگی کے بعد اپنے علم کا معدن قرار دیا ہے۔

اور میں نے حسین کو اپنی وحی کا خزانہ دار بنایا ہے اور شہادت کے ذریعہ سے میں نے اسے عزت بخشی ہے اور میں نے اس کا انجام سعادت پر کیا ہے ، وہ تمام شہداء سے افضل ہیں اور میرے ہاں تمام شہداء کی بہ نسبت ان کا درجہ بلند تر ہے اور میں نے اپنا کلمہ نامہ (امامت) کو اس کے ساتھ رکھا اور میں نے اپنی حجت بالغہ اس کے پاس رکھی اور اس کی عشرت کے ذریعہ سے ثواب اور عذاب دوں گا۔

اور اس کی عشرت میں سے پہلا علی سید العابدین ہوگا اور میرے سابقہ اولیاء زینت ہوگا۔

اور اس کا بیٹا اپنے قابل تعریف نانا کی شبیہ ہوگا۔ یعنی محمدؐ میرے علم کو شگافتہ کرنے والا اور میری حکمت کا معدن ہوگا۔

اور جعفر کے متعلق شک کرنے والے عنقریب ہلاک ہو جائیں گے اس کی بات کو رد کرنے والا میری بات کو رد کرنے والے کی طرح سے ہوگا۔ میری طرف سے بات

پوری ہو چکی ہے کہ میں جعفر کے مقام کو عزت عطا کروں گا اور اس کے پیروکاروں اور اس کے مددگاروں اور اس کے دوستوں کے ذریعہ سے میں اسے خوش کروں گا۔
اس کے بعد میں نے موسیٰ کو منتخب کیا اور اس کے بعد میں نے تاریکیاں مقدرِ سردی ہیں کیونکہ میرے فرض کا دماغہ ٹوٹ نہیں سکتا اور میری حجت مخفی نہیں رہ سکتی اور میرے اولیاء شفی نہیں بن سکتے۔

آگاہ رہو! جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا تو اس نے میری نعمت کا انکار کیا اور جس نے میری کتاب کی کسی ایک آیت کو تبدیل کیا تو اس نے مجھ پر افتراء کیا۔

میرے بندے اور میرے حبیب اور افضل ترین فرد موسیٰ کی وفات کے وقت افتراء کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اور آٹھویں کی تکذیب کرنے والا میرے تمام اولیاء کا مکذب ہے اور علی میرا ولی اور میرا ناصر ہے میں اس پر نبوت کا بوجھ رکھوں گا اور اسے قوت عطا کروں گا ایک متکبر دیو اسے قتل کرے گا اور وہ ایک نیک بندے (ذوالقرنین) کے بنائے ہوئے شہر میں میری بدترین مخلوق کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔

میری طرف سے یہ بات ہو چکی ہے میں اس کی آنکھوں کو اس کے فرزند اور اس کے جانشین محمد (تقیؑ) کے ذریعہ سے ٹھنڈا کروں گا وہ میرے علم کا وارث اور میری حکمت کا معدن اور میرے راز کا مقام اور میری مخلوق پر میری حجت ہوگا، اور جو مؤمن اس پر ایمان لائے گا تو میں جنت کو اس کا ٹھکانہ بناؤں گا اور ایسے مؤمن کو میں اس کے خاندان کے ایسے ستر افراد کے لیے حق شفاعت عطا کروں گا جو دوزخ کے حق دار بن چکے ہوں گے۔

اور میں اس کو علی (تقیؑ) عطا کر کے اس کی سعادت پر مہر ثبت کروں گا اور علیؑ میرا ولی، میرا مددگار اور میری مخلوق پر شاہد اور میری وحی کا امین ہوگا۔

اور میں اس سے اپنے راستے کے داعی اور اپنے علم کے خزانہ دار حسن (عسکری) کو برآمد کروں گا۔

پھر اس کی تکمیل اس کے فرزند (حضرت حجت نغ) کے ذریعہ سے کروں گا جو کہ تمام جانوں کے لیے رحمت ہوگا، اس میں موسیٰ کا کمال، عیسیٰ کی خوبیاں اور ایوب کا صبر ہوگا۔

اس کے زمانہ امامت (غیبت) میں میرے دوست ذلیل کیئے جائیں گے اور دشمنان دین ان کے سر کاٹ کر ایک دوسرے کو بطور ہدیہ بھیجیں گے جیسا کہ ترک و دہلم کے سروں کا ہدیہ بھیجا جاتا ہے، وہ قتل کیئے جائیں گے اور جلائے جائیں گے، وہ خوف زدہ ہوں گے، زمین ان کے خون سے رنگین کی جائے گی اور ان کی خواتین کے رونے اور مرثیہ خوانی کی آوازیں بلند ہوں گی ایسے ہی لوگ میرے صحیح دوست ہوں گے اور انہی کے واسطے سے میں ہر تاریکی دور کروں گا اور انہی کے ذریعہ سے میں زلزلوں کو روکوں گا اور انہی کے دم قدم سے میں انسانیت پر پڑے ہوئے بوجھ اور زنجیروں کو دور کروں گا ان پر ان کے رب کا درود و رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

عبدالرحمن بن سالم کہتے ہیں کہ ابو بصیر نے کہا تھا :-

اگر پوری زندگی میں تجھے سننے کے لیے صرف یہی ایک حدیث نصیب ہو تو بھی تیرے لیے کافی ہے، اس حدیث کو نا اہل افراد سے محفوظ رکھنا۔

۳۔ (محذوف اسناد) اسحاق بن عمار سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ امام

جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے فرمایا :-

”اسحاق ! کیا میں تجھے خوشخبری نہ سناؤں ؟“

میں نے کہا :-

”فرزند رسول ! اللہ مجھے آپ پر ثار کرے، ضرور سنائیں۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

ہم نے ایک صحیفہ پایا ہے جسے رسول خدا نے ملا کر لیا اور امیر المومنین نے اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا اور اسی میں لکھا ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ غالب و علیم خدا کی تحریر ہے ۔

پھر راوی نے حرف بحرف سابقہ حدیث کی تحریر بیان کی لیکن حدیث کے آخر میں راوی کہتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

”اسحاق ! یہ ملائکہ اور انبیاء کا دین ہے ، اس حدیث کو نااہل افراد سے محفوظ رکھنا ، اللہ تجھے محفوظ رکھے گا اور تیرے معاملات کی اصلاح کرے گا۔“
پھر امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”جو اس تحریر پر ایمان رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے گا۔“

۴۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم حسنی نے علی بن حسن بن زید بن حسن بن علی سے اور اس نے عبداللہ بن محمد بن جعفر بن محمد سے اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اکٹھا کیا اور ان میں حضرت زید بن علی زین العابدین بھی موجود تھے ، آپ نے ان سب کے سامنے ایک تحریر پیش کی جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھایا اور امیر المومنین نے جسے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا ، اس میں لکھا تھا ۔

”یہ غالب و حکیم خدا کی تحریر ہے اور اس میں سابقہ حدیث لوح موجود تھی۔“

سید عبدالعظیم فرمایا کرتے تھے ”مجھے محمد بن جعفر کے خروج پر تعجب ہے کیونکہ

وہ یہ حدیث نہ صرف سن چکا تھا بلکہ خود بیان بھی کر چکا تھا۔“

پھر سید عبدالعظیم فرمایا کرتے تھے :-

”یہ اللہ کا راز ہے اور یہی اللہ اور ملائکہ کا دین ہے اسے نااہل افراد سے محفوظ رکھنا۔“

۵۔ (محذوف اسناد) امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے :-

میں حضرت فاطمہ زہرا بنت پیغمبر اسلام سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت حضرت سیدہ کے سامنے ایک تختی رکھی تھی جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی اور اس میں بارہ نام لکھے تھے تین نام باہر والے حصہ پر درج تھے اور تین نام اندرونی حصہ پر درج تھے اور تین نام اس کے آخر اور تین نام اس کے اطراف میں لکھے تھے جب میں نے ان ناموں کی گنتی کی تو پورے بارہ نام تھے ، میں نے پوچھا :-

یہ کن لوگوں کی نام ہیں ؟

حضرت سیدہ نے فرمایا :-

”یہ اوصیاء کے نام ہیں ان میں پہلا میرا چچا زاد اور گیارہ میری نسل سے تعلق رکھتے ہیں آخری قائم ہے۔“

جابرؓ کہتے ہیں ”اس لوح میں لفظ محمد تین مقامات پر اور لفظ علی چار مقامات پر تحریر تھا۔“

۶۔ (محذوف اسناد) امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت کی انہوں نے کہا :-

”میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا ، ان کے سامنے ایک لوح رکھی تھی جس میں اولیاء کے نام لکھے تھے جب میں نے نام گنے تو ان کی تعداد بارہ تھی ان میں سے آخری قائم ہے ان میں تین محمدؐ اور چار علیؑ ہیں۔“

۷۔ (محذوف اسناد) امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت

کی کہ ”میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت ان کے سامنے ایک لوح رکھی تھی جس میں اوصیاء کے نام مرقوم تھے ، میں نے گنا تو ان کی تعداد بارہ تھی ، ان میں سے آخری قائم تھا اور ان میں تین محمدؐ اور چار علیؑ تھے۔ رسولؐ کے بعد ان کے بارہ جانشین ہوں گے۔“

رسولؐ کے بعد ان کے بارہ جانشین ہوں گے

۸۔ (حذف اسناد) ابان بن ابی عیاش نے سلیم بن قیس الہملی سے روایت کی ہے

کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام اور عبداللہ بن عباس و عمر بن ابی سلمہ اور اسامہ بن زید کی موجودگی میں معاویہ بن ابی سفیان سے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا انہوں نے فرمایا :-

”میں مومنین کی جان کا حاکم ہوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان پر حق تصرف رکھتا ہوں پھر میرے بھائی علی ان پر حق تصرف رکھتے ہیں اور جب وہ شہید ہو جائیں تو میرا بیٹا حسن مومنین کی جانوں پر متصرف ہوگا، پھر میرا بیٹا حسین مومنین کی جانوں پر متصرف ہوگا اور جب وہ شہید ہو جائے تو میرا بیٹا علی بن الحسین اولیٰ بالتصرف ہوگا، اور عبداللہ تو اسے پائے گا، ان کے بعد میرا بیٹا محمد باقر بن علی علیہ السلام مومنین پر اولیٰ بالتصرف ہوگا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ امام مکمل کیے جن میں نو امام اولاد حسین علیہ السلام میں سے ہوں گے۔“

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے امام حسن و حسین علیہما السلام اور عبداللہ بن عباس اور عمر بن ابی سلمہ اور اسامہ بن زید سے گواہی طلب کی، سب نے ان کی صداقت کی گواہی دی۔

سلیم بن قیس کہتے ہیں میں نے یہ حدیث سلمان، ابوذرؓ اور مقدادؓ اور اسامہ سے سنی ہے، انہوں نے یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔

۹۔ (حذف اسناد) شعبی نے اپنے چچا قیس بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ہم

عبداللہ بن مسعود کے حلقہ درس میں بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا :-

تم میں عبداللہ بن مسعود کون ہے ؟

عبداللہ بن مسعود نے کہا :-

میں عبداللہ بن مسعود ہوں ۔

اعرابی نے کہا ۔

کیا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں بتایا تھا کہ اس کے بعد اس کے کتنے جانشین ہوں گے ؟

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا :-

”جی ہاں! انہوں نے بتایا تھا بنی اسرائیل کے نقباء کی کی تعداد کے مطابق بارہ خلفاء ہوں گے“۔

۱۰۔ (بخاری اسناد) شعبی نے مسروق سے روایت کی کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ

کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان نے ان سے کہا :-

کیا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں بتایا تھا کہ ان کے کتنے جانشین ہوں گے ؟

ان بن مسعود نے کہا :-

تو نوجوان ہے اور تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت نہیں کیا ،

”ہاں! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ نقباء بنی اسرائیل

کی تعداد کے مطابق ان کے بارہ جانشین ہوں گے“۔

۱۱۔ (بخاری اسناد) اشعث بن سوار اور دیگر رواۃ نے شعبی سے روایت کی

اور اس نے اپنے چچا قیس بن عبداللہ سے روایت کی اور ابوالقاسم عتاب اس حدیث کے لئے کہا

کرتے تھے کہ یہ انتہائی خوبصورت حدیث ہے ۔

بہر نوع قیس بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ

بھی ہمارے ساتھ تھے اتنے میں ایک اعرابی آیا اور کہا کیا تم میں عبداللہ بن مسعود موجود ہے ؟

عبداللہ نے کہا :-

ہاں ! میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں ، تم کیا حاجت رکھتے ہو ؟

اعرابی نے کہا :-

کہا تمہارے نبی نے تمہیں بتایا تھا کہ ان کے کتنے جانشین ہوں گے ؟

ابن مسعودؓ نے جواب دیتے ہوئے کہا :-

تو نے مجھ سے وہ چیز دریافت کی ہے، میں جب سے عراق سے آیا ہوں کسی نے وہ چیز مجھ سے دریافت نہیں کی، ہاں! ہمارے نبیؐ نے فرمایا تھا، ان کے بارہ جانشین ہوں گے جتنے کہ بنی اسرائیل میں نقیب ہوئے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق اشعث نے ابن مسعودؓ سے روایت کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

الْخُلَفَاءُ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ كَعِدَّةِ نَقَبَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

”میرے بعد بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کی طرح سے بارہ جانشین ہوں گے۔“

۱۲۔ (حذف اسناد) جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا اور میں نے آپؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا :-

”میرے بعد بارہ امیر ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دھیمی کی “
میں نے اپنے والد سے پوچھا :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھیمی آواز میں کیا کہا تھا ؟

میرے باپ نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-
”سب کے سب قریش میں سے ہوں گے“

۱۳۔ (حذف اسناد) جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا :-

یہ امر اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک بارہ خلفاء اس کے مالک نہ بنیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدھم آواز میں کچھ کہا :-

میں نے اپنے والد سے پوچھا :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کہا ؟

میرے والد نے کہا :-

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے“

۱۴۔ (بخاری اسناد) ارد بن سعید ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا :-

”میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے“

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے اپنے گھر گئے تو میں ان کی

خدمت میں حاضر ہوا اس وقت دوسرا کوئی نہیں تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے پوچھا :-

اس کے بعد کیا ہوگا ؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”پھر ہرج و مرج ہوگا۔“

۱۵۔ (بخاری اسناد) ابو خیر نے کہا کہ ابو الخلد (ابو خالد خل) میرا ہمسایہ تھا میں نے

اسے یہ کہتے ہوئے سنا اور وہ اس پر قسم بھی کھاتا تھا :-

”یہ امت اس وقت تک ہلاک نہ ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفاء رہیں

گے وہ سب کے سب ہدایت اور دین حق پر عمل کرتے ہوں گے۔“

۱۶۔ (بخاری اسناد) کعب الاحبار نے خلفاء کے متعلق کہا کہ خلفاء بارہ ہوں گے

اور جب ان کا وقت ختم ہو گا تو اللہ ایک صالح طبقہ کو لے آئے گا اور اللہ ان کی عمر لمبی کر دے

گا، اللہ نے اس امت سے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے، پھر اس نے یہ آیت پڑھی -

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ --- الخ (النور ۵۵)

”اللہ نے تم میں سے ایماندار اور نیک کام بن جانے والوں سے وعدہ کیا ہے

کہ وہ انہیں زمین پر ضرور بالضرور خلیفہ مقرر کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے خلیفے مقرر کیے تھے۔۔۔ الخ“

کعب الاحبار نے کہا :-

”اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہی کیا تھا اور یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ اللہ اس امت کو ایک دن یا آدھا دن جمع رکھے اور تیرے پروردگار کے ہاں ایک دن ہزار سال کی مانند ہوتا ہے۔“

ان احادیث کے طرق کو میں نے کتاب الخصال میں جمع کیا ہے ۔

۷۔ (محذوف اسناد) ابان بن خلف نے سلیم بن قیس السملی سے، انہوں نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت امام حسینؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسینؑ کی آنکھوں اور چہرے کو بوسے دے رہے تھے اور یہ الفاظ فرما رہے تھے :-

”تو سردار ہے، سردار کا بیٹا ہے، تو امام ہے اور امام کا بیٹا ہے، تو حجت ہے، حجت کا بیٹا ہے، نو حجتوں کا باپ ہے جو تیری صلب سے ہوں گے، ان کا نواں ان کا قائم ہوگا۔“

۱۸۔ (محذوف اسناد) حسین بن زید بن علی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے اپنے آباء طاہرینؑ کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”تمہیں خوشخبری ہو، تمہیں خوشخبری ہو، آپ نے تین بار یہ الفاظ دہرائے میری امت کی مثال ایک بادل کی سی ہے جس کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں ہے کہ اس کا آغاز بہتر ہے یا انجام بہتر ہے، میری امت کی مثال اس باغ جیسی ہے جس کا پھل ایک سال فوج نے کھایا پھر دوسرے سال فوج نے اس درخت کا پھل کھایا، ممکن ہے کہ دوسرے سال کی فوج پہلے سال کی فوج سے زیادہ وسیع و عریض ہو، اور یہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا پہلا فرد میں (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میرے بعد بارہ

خوش نصیب اور صاحبان عقل ہوں اور مسیح عیسیٰ بن مریم اس کا آخری فرد ہو، البتہ درمیان میں ایسے ہی افراد ہلاک ہوں گے جو ہرج و مرج کی پیداوار ہوں گے، ان کا مجھ سے کوئی واسطہ نہ ہوگا اور میرا ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔“

یہودی عالم کے سوالات اور حضرت علیؑ کے جوابات

۱۹۔ (حذف اسناد) صالح بن عقبہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر کی وفات کے بعد جب حضرت عمر برسرِ اقتدار آئے تو ان کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کہا :-

امیر المومنین ! میں یہودی ہوں اور مذہب یہود کا علامہ ہوں میں آپ سے چند مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ نے میرے سوالات کا جواب دے دیا تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔

حضرت عمر نے کہا :-

اپنے مسائل بیان کرو :-

یہودی نے کہا :-

آپ پسند کریں تو میں آپ سے دریافت کروں اور اگر آپ کی قوم میں کوئی آپ سے بڑا عالم ہو تو مجھے اس کی رہنمائی کر دیں پھر میں اس سے مسائل دریافت کروں گا :-

حضرت عمر نے فرمایا :-

تم اس جوان سے ملو اور ہاتھ سے حضرت علیؑ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے بعد یہودی حضرت علیؑ علیہ السلام کے پاس آیا اور مسائل دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا :-

”تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

یہودی نے کہا:-

میں تین اور تین اور ایک مسئلہ پوچھوں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:-

تم نے سیدھے طریقہ سے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں سات مسائل پوچھوں گا؟

یہودی نے کہا:-

پہلے پہل میں تین مسائل پوچھوں گا، اگر آپ نے مجھے ان کا جواب نہ دیا تو باقی

مسائل پوچھ کر میں اپنے آپ کو جاہل کہلانا پسند نہیں کروں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:-

اب تم سوال کرو اور اگر میں نے تجھے جواب دے دیئے تو تم اسلام قبول کر لو گے؟

یہودی نے کہا:-

جی ہاں!

(حضرت علی علیہ السلام اور یہودی کے درمیان جو گفتگو ہوئی، ہم اسے مکالمہ

کے انداز میں لکھیں گے: مترجم غفری عنہ)

یہودی: آپ یہ بتائیں کہ روئے زمین پر پہلا پتھر کون سا رکھا گیا؟ اور پہلا چشمہ

کون سا جاری ہوا؟ اور پہلا درخت کون سا پیدا ہوا؟

حضرت علی علیہ السلام: ”تم یہ کہتے ہو کہ پہلا پتھر وہی ہے جو بیت المقدس

میں ہے حالانکہ تمہارا یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے، حقیقت یہ کہ پہلا پتھر وہی ہے جسے

حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔“

یہودی: آپ نے درست کہا، خدا کی قسم موسیٰ علیہ السلام نے یہی تحریر کرایا اور

ہارون علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ایسا ہی لکھا۔

حضرت علی علیہ السلام: ”زمین کے پہلے چشمہ کے متعلق تمہارا اعتقاد ہے کہ

بیت المقدس کا چشمہ روئے زمین کا پہلا چشمہ ہے حالانکہ تم اس میں جھوٹے ہو، روئے زمین کا پہلا چشمہ وہی ہے جو چشمہ حیات ہے جس میں یوشع بن نون نے مچھلی کو دھویا تھا (تو وہ زندہ ہو گئی تھی) اور اسی چشمہ کا پانی خضر علیہ السلام نے پیا تھا اور اس چشمہ کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کا پانی پی لے اسے زندگی مل جاتی ہے۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ایسا ہی لکھا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام: ”روئے زمین پر پہلے اگنے والے درخت کے متعلق تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ زیتون کا درخت زمین پر سب سے پہلے پیدا ہوا تھا، تمہارا یہ عقیدہ باطل ہے اور تمہارا یہ قول جھوٹا ہے زمین پر سب سے پہلے اگنے والا درخت ”بجھوہ“ ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اپنے ہاتھ سے یہی تحریر کیا تھا۔

یہودی: یہ بتائیں کہ اس دنیا میں ہدایت دینے والے امام کتنے ہوں گے جنہیں چھوڑنے والے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے ؟

حضرت علی علیہ السلام: ”ان کی تعداد بارہ ہے۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور ہارون علیہ السلام نے بھی ایسا لکھا تھا۔

یہودی: جنت میں آپ کے نبی کا قیام کہاں ہوگا ؟

حضرت علی علیہ السلام: ”ہمارے نبی جنت عدن کے بلند و بالا مقام میں رہائش پزیر ہوں گے۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور ہارون علیہ السلام نے بھی ایسا لکھا تھا۔

یہودی: آپ کے نبیؐ کی منزل میں اور کون قیام کرے گا؟

حضرت علی علیہ السلام: ”بارہ امام ان کے ساتھ قیام کریں گے۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور ہارون علیہ السلام نے بھی ایسا لکھا تھا۔

یہودی: اب میں آپ سے اپنا ساتواں اور آخری سوال پوچھوں گا، آپ یہ بتائیں کہ آپ کے نبیؐ کا وصی ان کی وفات کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے گا؟

حضرت علی علیہ السلام: ”تیس سال۔“

یہودی: پھر کیا ہوگا؟ کیا وہ طبعی موت مرے گا یا قتل کیا جائے گا؟

حضرت علی علیہ السلام: ”وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی جائے گی جس سے اس کی داڑھی خضاب ہوگی۔“

یہودی: آپ نے سچ کہا اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی لکھایا تھا اور ہارون علیہ السلام نے بھی ایسا ہی لکھا تھا۔

یہ حدیث اور بھی طرق سے مروی ہے جن کا تذکرہ میں نے کمال الدین و تمام النعمۃ کے باب اثبات الغیۃ و کشف الخیرۃ میں کیا ہے۔

امامت کا حقدار کون ہے اور مستحق امامت کی

کیا علامت ہے؟

۲۰۔ (حذف اسناد) یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی ہریرہ

سے پوچھا کہ امامت کا حقدار کون ہے اور مستحق امامت کی علامت کیا ہے؟

عبداللہ بن ابی ہریرہ نے کہا:-

امامت کا رہنما اور مومنین پر حجت اور امور مسلمین کا ولی اور قرآن کی آیات کے

تحت یونے والا اور احکام خدا وندی کا عالم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہے جو کہ ان کا وصی ہے اور جو وارث پیغمبر ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی منزلت حاصل ہے جو کہ ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء-۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں، ان کی اطاعت کرو۔“

اطاعت مجیدہ ہی کے ذریعہ سے اللہ نے اس کی اطاعت واجب کی ہے جس کی ولایت مطلقہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (المائدہ-۵۵)

”سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں“

امامت کا حقدار وہی ہے جس کے لئے حکم خدا کے تحت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر پالانوں کا منبر بنایا اور لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:-

الست أولى بكم ملکم بانفسکم

”کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟“

جب تمام لوگوں نے اس کا اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا:-

فمن كنت مولاه فعلي مولاه ، اللهم وال من والاه وعاد

من عاداه ، وانصر من نصره واخذل من خذله واعن من اعانه۔

” پس جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے ، خدایا جو علی سے دوستی کرے تو اس سے دوستی کر اور جو علی سے دشمنی کرے تو اسے دشمن رکھ اور جو علی کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو علی کو چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے اور جو علی کی امداد کرے تو اس کی امداد کر۔

غرضیکہ علی بن ابی طالب ہی امیر المومنین اور امام المقتدیین اور قیامت کے روز جن خوش نصیبوں کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے ، علیؑ ان کا قائد ہے اور علیؑ ہی تمام اوصیاء سے افضل اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے برتر ہیں ۔

ان کے بعد حسن بن علیؑ امام ہیں اور ان کے بعد حسین بن علیؑ امام ہیں ، یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور افضل ترین بی بی کے فرزند ہیں ، پھر علی بن الحسینؑ پھر محمد بن علیؑ پھر جعفر بن محمدؑ پھر موسیٰ بن جعفرؑ پھر علی بن موسیٰؑ پھر محمد بن علیؑ پھر علی بن محمدؑ پھر حسن بن علیؑ پھر محمد بن حسنؑ علیہم السلام ہے یہ سب کے سب عزت رسولؐ ہیں اور وصیت امام کے لیے معروف ہیں اور یہ حجت خدا ہیں کوئی وقت اور کوئی زمانہ ان کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہی خدا کی مضبوط رہی ہیں اور یہی ہدایت کرنے والے امام ہیں اور اہل دنیا پر یہ حجت ہیں یہاں تک کہ اللہ زمین اور اہل زمین کا وارث بنے ۔

لہذا جس نے بھی ان کی مخالفت کی وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اور ایسا شخص حق اور ہدایت کا تارک ہے اور یہی ذات عالیہ ہی قرآن اور رسول خدا کے صحیح ترجمان ہیں جو شخص ان کی معرفت کے بغیر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان کا دین پرہیزگاری ، پاکدامنی ، صداقت ، بھلائی ، اجتہاد ، امانت کی ادائیگی ، طویل سجود ، قیام اللیل ، محرمات سے اجتناب ، صبر کے ساتھ کشائش کا انتظار ، حسن رفاقت اور حسن ہمسائیگی ہے ۔

عقیم بن بہلول نے کہا کہ ابو معاویہ نے اعمش سے اور اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی اوصاف امامت نقل کیے ہیں۔

۲۱۔ (محذوف اسناد) اہل حمزہ شمالی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا:-

”بے شبہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنات کی طرف مبعوث فرمایا اور اللہ نے ان کے بعد بارہ وصی مقرر کیے، ان میں سے کچھ گزر گئے اور کچھ باقی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصیاء حضرت مسیح کے اوصیاء کی مانند ہیں اور سب کو یکساں صورت حال درپیش رہی ہے اور حضرت علی علیہ السلام شبیہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔“ (۱)

۲۲۔ (محذوف اسناد) زرارہ بن اعین بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے پایا۔

”ہم بارہ امام ہیں، ان میں حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام ہیں اور باقی ائمہ نسل حسین سے ہیں۔“

۲۳۔ (محذوف اسناد) ساعدہ بن مہران کہتے ہیں کہ میں اور ابو بصیر اور امام محمد باقر علیہ السلام کا غلام محمد بن عمران ایک گھر میں بیٹھے تھے تو محمد بن عمران نے کہا:- میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا انہوں نے فرمایا:-

”ہم بارہ ((محدث)) ہیں۔“ (۲)

۱۔ احادیث میں وارد ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق تین قسم کے فرقہ نمودار ہوں گے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے نمودار ہوئے تھے، اس مضمون کی احادیث سچ ثابت ہو گئیں جس طرح سے غالی تصانیف نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند قرار دیا، اسی طرح سے غالی شیعوں نے بھی حضرت علی علیہ السلام کے لیے ربوبیت کا عقیدہ اپنایا۔ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے عداوت کی اور ان کی والدہ ماجدہ پر بہتان تراشی کی، اسی طرح سے فواسب و خوارج نے بھی حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی اور اسی (۸۰) برس تک خطبات جمعہ و عیدین میں آپ پر سب و شتم کیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بس وہی فرقہ صحیح ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا عبد اور خدا کا کلمہ قرار دیا، اسی طرح سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بھی وہی فرقہ نجات حاصل کرے گا جو آپ کو خدا کا بند اور رسول خدا کا جانشین اور مومنین کا امیر تسلیم کرے گا۔

۲۔ لفظ ”محدث“ ایک مخصوص اصطلاح ہے، اور ”محدث“ وہ ہوتا ہے جو نبی نہ ہو لیکن حکم ملائکہ سے سرفراز ہو، ایسی شخصیت کو ”محدث“ کہا جاتا ہے۔

ابو بصیر نے کہا ”خدا کی قسم میں نے بھی یہ الفاظ ان سے سنے ہیں“ ، محمد بن عمران نے انہیں ایک یا دو مرتبہ قسم دے کر پوچھا کہ اس نے یہ الفاظ کس سے سنے ہیں ؟ ابو بصیر نے کہا ”میں نے یہ الفاظ امام محمد باقر علیہ السلام سے سنے ہیں۔“

۲۴۔ (بخاری اسناد) زرہ بن اعین سے مروی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے پایا :-

”آل محمد علیہ السلام سے ہم بارہ امام مراد ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب کے سب ”محدث“ ہیں اور علی بن ابی طالب علیہ السلام ان میں سے ہیں۔“

۲۵۔ (بخاری اسناد) غیاث (عتاب خ ، ل) بن ابراہیم نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس حدیث

”انی مخلف فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی“

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ، اللہ کی کتاب اور اپنی عترت“ میں لفظ ”عترت“ سے کون مراد ہیں ؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”عترت سے مراد میں اور حسن و حسین اور نسل حسین کے نو امام ہیں جن کا نواں ممدی وقائم (ع) ہوگا ، وہ کتاب اللہ سے جدا نہ ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہ ہوگا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حوض پر وارد ہوں۔“

۲۶۔ (بخاری اسناد) علی بن فضل بغدادی کہتے ہیں کہ ابو عمر تغلب سے جو کہ ابی العباس کے ساتھی تھے ، پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی حدیث

میں کتاب خدا اور عترت کو ثقلین کیوں کہا ؟

ابو عمر تغلب نے جواب دیا چونکہ ان دونوں سے تمک انتہائی ثقیل ہے ،
اس لیے ان دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ ”ثقلین“ سے
تعبیر کیا ہے۔

۲۷۔ (حذف اسناد) مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور
انہوں نے اپنے کبابے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی انہوں
نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
جب مجھے آسمانوں کا سفر کرایا گیا تو پروردگار عالم نے مجھے وحی فرمائی اور
ارشاد فرمایا :-

”اے محمد ! میں نے پہلی مرتبہ زمین پر نگاہ کی تو میں نے اہل زمین میں سے
تجھے چنا اور تجھے نبی بنایا اور میں نے اپنے ایک نام سے تیرا نام مشتق کیا“ میں محمود
ہوں اور تو محمدؐ ہے“ پھر میں نے دوبارہ زمین پر نگاہ انتخاب ڈالی تو میں نے علیؑ کو
منتخب کیا اور میں نے اسے تیرا وصی اور تیرا جانشین اور تیری بیٹی کا شوہر اور تیری
ذریعت کا باپ بنایا اور اپنے نام سے میں نے اس کا نام مشتق کیا ، ”میں علی الاعلیٰ ہوں
اور وہ علیؑ ہے“ اور میں نے فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو تم دونوں کے نور سے بنایا پھر میں
نے ان کی ولایت کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا جس نے اسے قبول کیا وہ میرے ہاں
مقرنین میں قرار پایا۔

اے محمد ! اگر کوئی بندہ میری اتنی عبادت کرے کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے اور
بوسیدہ مشک کی طرح ہو جائے پھر میرے پاس ان کی ولایت کا منکر بن کر آئے تو میں نہ
تو اسے اپنی جنت میں رہائش دوں گا اور نہ ہی اپنے عرش کے سایہ کے نیچے اسے جگہ
دوں گا۔

میں نے کہا :-

جی ہاں ! پروردگار :-

تو اللہ نے فرمایا :-

تو اپنا سربلند کر، جب میں نے اپنا سربلند کیا تو مجھے علی ، فاطمہ ، حسن ، حسین ، علی بن الحسین ، محمد بن علی ، جعفر بن محمد ، موسیٰ بن جعفر ، علی بن موسیٰ ، محمد بن علی ، علی بن محمد ، حسن بن علی علیہم السلام کے نور دکھائی دیئے اور حجت بن الحسن (عج) کا نور ان انوار کے درمیان میں روشن ستارہ کی طرح سے چمک رہا تھا۔

میں نے عرض کی :-

پروردگار ! یہ کون ہیں ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

یہ ائمہ ہیں اور یہ وہ قائم ہے جو میرے حلال کو حلال اور میرے حرام کو حرام قرار دے گا اور انہیں کے ذریعہ سے میں اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا اور وہ میرے دوستوں کے لیے راحت ہو گا اور یہی ظالمین ، منکرین و کافرین کو قتل کر کے تیرے شیعوں کے دلوں کو شفا بخشے گا اور یہی آلات و منات کو تروتازہ حالت میں نکال کر جلا دے گا۔ اور اس دن کی آزمائش سامری اور مجھڑے کی آزمائش سے بھی سخت ہو گی۔“

۲۸۔ (حدیث اسناد) یحییٰ بن ابی القاسم (ابن القاسم خ، ل) نے امام جعفر

صادق علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”میرے بعد بارہ امام ہوں گے پہلے علی بن ابی طالب علیہ السلام اور آخری قائم ہو گا یہ میرے خلفاء و اوصیاء و اولیاء اور خدا کی طرف سے میری امامت پر میرے بعد حجت ہوں گے ان کے اقرار کے بغیر اللہ عزوجل ان کا انکار کرے گا۔“

کافر ہوگا۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی دعائیں

۲۹۔ (بخاری اسناد) محمد بن علی بن موسیٰ نے امام علی رضا علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آباؤ طاہرین علیہم السلام کی سند سے حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا :-

میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ابی بن کعب بیٹھ ہوئے تھے، مجھے دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

مرحبا بك يا ابا عبد الله يا زين السماوات والارضين

”ابو عبد اللہ! تمہیں خوش آمدید، اے آسمانوں اور زمینوں کی زینت“

یہ سن کر ابی بن کعب نے کہا :-

یا رسول اللہ! کیا آپ کے علاوہ بھی کوئی آسمانوں اور زمینوں کی زینت ہو

سکتا ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

اے ابی! اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا، حسین بن علی علیہ السلام زمین کی بہ نسبت آسمان میں زیادہ معروف ہے اور عرش خداوندی کی دائیں جانب اس کے متعلق تحریر ہے۔

ان الحسين مصباح الهدى ، وسفينة نجاة ، وامام خير و

يمن وعز وفخر وعلم وذخر -

”حسین چراغ ہدایت، کشتی نجات، خیر و برکت، عزت، فخر، ذخیرہ

آخرت رکھنے والا امام ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے صلب میں پاک و پاکیزہ نطفہ رکھا ہے اور حسین کو ایسی دعا سکھائی گئی ہے کہ مخلوق خدا میں سے جو بھی اس کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے حسین علیہ السلام کے ساتھ محشور فرمائے گا اور حسین آخرت میں اس کے شفیع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کے صدقہ میں اس کے دکھ درد دور کرے گا اور اس کا قرض ادا کرے گا اور اس کے معاملہ کو آسان کر دے گا اور اس کی راہ کو کھول دے گا اور دشمن پر اسے قدرت دے گا اور اس کی پردہ دری نہیں کرے گا۔

ابی بن کعبؓ نے کہا :-

یا رسول اللہ! وہ دعا کون سی ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا :-

جب تم نماز سے فارغ ہو تو بیٹھ کر یہ دعا پڑھو۔

دعائے حضرت امام حسین علیہ السلام

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِکَلِمَاتِكَ وَ مَعَ قَدِ عَرْشِكَ وَ مَسْکَنِ سَمَآ وَ اَرْضِكَ وَ اَنْبِیَآئِكَ وَ رُسُلِكَ اَنْ تَسْتَجِیْبَ لِیْ فَقَدْ رَهَقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ غَسْرًا فَاسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ ، وَ اَنْ تَجْعَلَ لِیْ مِنْ اَمْرِیْ یُسْرًا ۔

”خدا یا! تجھے تیرے کلمات اور تجھے تیرے عرش کے معابد اور تجھے تیرے آسمان کے رہنے والوں اور تجھے تیرے انبیاء کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا کو مستجاب فرما اس امر میں مجھ پر سختی چھا گئی ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؑ پر درود بھیج اور میرے معاملہ میں آسانی پیدا فرما۔“

اس دعا کے ذریعہ سے اللہ تیرے معاملات میں آسانی پیدا کرے گا اور تیرے سینہ کو کشادگی عطا کرے گا اور بوقت موت تجھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کی تلقین کرے گا۔

☆ پھر اہلی بن کعبؓ نے کہا :-

یا رسول اللہ! میرے حبیب حسین علیہ السلام کی صلب میں نطفہ کس کا ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”یہ نطفہ چاندی کی مانند ہے، یہ نطفہ بیان و تمیان کا ہے (بیٹے اور بیٹیوں

کا ہے خ، ل) اس کی پیروی کرنے والا ہدایت یافتہ ہوگا اور اس سے منحرف ہونے والا دوزخ میں گرنے والا ہوگا۔“

اہلیؓ نے کہا تو ان کا نام کیا ہوگا اور ان کی دعا کیا ہوگی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”اس کا نام علی (ابن الحسین) ہوگا اور اس کی دعا یہ ہوگی“

دعائے حضرت امام زین العابدینؑ

يَا دَائِمُ يَا دَائِمُومُ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ يَا كَا شِفُ الْغَمِّ وَيَا فَارِجَ

الْهَمِّ وَيَا بَاعِثَ الرُّسُلِ وَيَا صَادِقَ الْوَعْدِ -

”اے ہمیشہ رہنے والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور نظام ہستی کو قائم

رکھنے والے، اے غم دور کرنے والے اور اے پریشانی ہٹانے والے اور اے پیغمبروں کو

بھیجنے والے اور اے وعدہ کے سچے۔“

”جو شخص یہ دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے علی بن الحسین کے ساتھ محشور کرے

گا اور وہ جنت کے لیے اس کے رہنما ہوں گے۔“

اہلیؓ نے کہا :-

کیا علی بن الحسین کا کوڑا، وصی و وارث بھی ہوگا؟

آنحضرت نے فرمایا :-

”ہاں! وہ زمین و آسمان کی ملکیت کا وارث ہوگا۔“

انہی نے کہا :-

یا رسول اللہ ! زمین و آسمان کی ملکیت سے کیا چیز مراد ہے ؟

آنحضرتؐ نے فرمایا :-

”حق کے ساتھ فیصلہ، دیانت داری پر مبنی فرمان اور احکام کی تاویل اور جو کچھ آئندہ ظہور پذیر ہوتا ہے، اس کا بیان۔“

☆ انہی نے کہا :-

ان کا نام کیا ہوگا ؟

آنحضرتؐ نے فرمایا :-

اس کا نام محمد بن علی ہوگا اور آسمان کے فرشتے اس سے مانوس ہوں گے اور وہ اپنی دعائیں یہ جملے کہیں گے ۔

دعا حضرت محمد باقرؑ

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ لِيْ عِنْدَكَ رِضْوَانٌ وَّوُدٌّ فَاغْفِرْ لِيْ وَ لِمَنْ تَبِعَنِيْ مِنْ اٰخْوَانِيْ وَشَبِيْعَتِيْ ، وَطَيِّبْ مَا فِيْ صُلْبِيْ ۔

”خدایا ! اگر تو مجھ سے راضی ہے اور مجھ سے محبت رکھتا ہے تو میری اور میری پیروی کرنے والے بھائیوں اور شیعوں کی مغفرت فرما اور جو کچھ میرے صلب میں ہے اسے پاک و پاکیزہ بنا۔“

☆ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی پشت میں پاک و پاکیزہ اور بابرکت نطفہ رکھے گا اور اس کے متعلق مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ اللہ نے اس نطفہ کو طیب بنایا اور اپنے ہاں اس کا نام جعفر بن محمد علیہ السلام رکھا اور اسے ہادی مہدی اور راضی و مرضی بنایا ۔

(جعفر بن محمد) اپنی دعا میں یہ کہیں گے۔

دعاۓ حضرت امام جعفر صادقؑ

يَا دَانَ غَيْرِ مُتَوَانٍ، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ، اجْعَلْ لِشِيعَتِي
مِنَ النَّارِ وَقَاءً ، وَلَهُمْ عِنْدَكَ رِضًا ، وَاغْفِرْ ذُنُوبَهُمْ ، وَيسِّرْ اُمُورَهُمْ
وَاقْضِ دُيُوبَهُمْ ، وَاسْتُرْ عَوْرَاتِهِمْ ، وَهَبْ لَهُمُ الْكِبَارِ الَّتِي بَيْنَكَ
وَبَيْنَهُمْ ، يَا مَنْ لَا يَخَافُ الضَّيْمَ وَلَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ اجْعَلْ لِي
مِنْ كُلِّ غَمٍّ فَرَجًا -

” اے وہ ذات جو قریب ہے اور کمزور نہیں اور اے تمام مہربانوں میں سے سب سے بڑے مہربان ! میرے شیعوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ اور اپنی طرف سے انہیں مقام رضاعطا فرما اور ان کے گناہ معاف فرما اور ان کے امور کو آسان فرما اور ان کے قرض ادا فرما اور ان کی پردہ پوشی فرما اور ان کے وہ گناہان کبیرہ معاف فرما جو ان کے اور تیرے درمیان ہیں ۔ اے وہ ذات جسے کسی کے ظلم کا اندیشہ نہیں اور جس پر اونگھ اور نیند طاری نہیں ہوتی ہر غم سے مجھے کشائش عطا فرما۔ “

جو شخص جعفر بن محمد علیہ السلام کی دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نورانی چہرے کے ساتھ جعفر بن محمد علیہ السلام کے ساتھ جنت میں محشور فرمائے گا ۔

☆ اے الہی ! اللہ تعالیٰ جعفر بن محمد علیہ السلام کے صلب میں پاک و پاکیزہ اور نہایت ہی بابرکت نطفہ ودیث کرے گا اور اس پر رحمت نازل کرے گا اور اللہ نے اس کا نام موسیٰ رکھا ہے ۔

الہی بن کعبؑ نے کہا :-
یا رسول اللہؐ ! تو گویا یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہے گا اور اس سلسلہ کے افراد ایک دوسرے کی صفات کے وارث بنتے رہیں گے ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا :-

رب العالمین کی جانب سے جو چاہے اپنے ان کے اوصاف میں سے اپنے لئے لے لے گا ۔
<https://download.jafrilibrary.com>

کیے ہیں۔

انہی نے کہا :-

یا رسول اللہ! کیا موسیٰ بن جعفر کی بھی کوئی مخصوص دعا ہوگی ؟
آنحضرتؐ نے فرمایا :-

وہ اپنی دعا میں یہ کہے گا۔

دعائے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

يَا خَالِقَ الْخَلْقِ ، وَيَا بَاسِطَ الرِّزْقِ ، وَ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى
وَبَارِئَ النَّسَمِ وَ مُحْيِيَ الْمَوْتِ وَ مُمِيتَ الْأَحْيَاءِ ، وَ دَائِمَ النَّبَاتِ
وَ مُخْرِجَ النَّبَاتِ افْعَلْ بِي مَا أَنْتَ أَهْلُهُ

” اے مخلوق کو پیدا کرنے والے ، اور اے رزق میں وسعت دینے والے ،
اور اے دانہ و کھیتی کو شکافتہ کرنے والے ، اور اے جانوں کے پیدا کرنے والے اور اے
مردوں کو زندگی اور زندوں کو موت دینے والے اور ہمیشہ قائم رہنے والے اور اے
نباتات کو برآمد کرنے والے ! مجھ سے وہی سلوک فرما جس کا تو اہل ہے ۔“

جو بھی شخص اس دعا کو پڑھے گا ، اللہ تعالیٰ اس کی حاجات برائے گا اور قیامت
کے دن اسے موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے ساتھ محشور فرمائے گا ۔

☆ اور اللہ تعالیٰ اس کے صلب میں ایک بابرکت اور راضی و مرضی نطفہ
ودیعت فرمائے گا اور اللہ نے اپنے ہاں اس کا نام علی (ابن موسیٰ) رکھا ہے اور وہ مخلوق
خدا میں علم و حکم میں پسندیدہ ہوگا اور اللہ اس کو اس کے شیعوں کے لیے حجت قرار
دے گا اور قیامت کے دن شیعہ اس کے ذریعہ سے حجت پیش کریں گے اور اس کی ایک
دعا ہوگی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خدا سے سوال کریں گے۔

دعائے حضرت امام علی الرضاؑ

اللَّهُمَّ اَعْطِنِي الْهُدَى ، وَ ثَبِّتْنِي عَلَيْهِ ، وَ احْشُرْنِي عَلَيْهِ ، اَمِنَا

اٰمِنْ مَنْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِ ، وَلَا حُزْنٌ ، وَلَا جَزَعٌ اِنَّكَ اَهْلُ التَّقْوٰى
و اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۔

”خدا یا اپنی طرف سے مجھے ہدایت عطا فرما مجھے اور مجھے اس پر ثابت قدم رکھ اور مجھے اس کے ساتھ حالت امن میں محشور فرما، ایسا امن عطا فرما کہ نہ تو کوئی خوف ہو نہ حزن ہو اور نہ ہی گھبراہٹ ہو، بے شک تو ہی تقویٰ اور مغفرت کا اہل ہے“

☆ اللہ تعالیٰ اس کی پشت میں ایک طیب و طاہر اور بابرکت نطفہ ودیعت فرمائے گا جس کا نام خدا نے محمد بن علی رکھا ہے وہ اپنے شیعوں کی شفاعت کرنے والے اور اپنے جد نامدار کے علم کے وارث ہوں گے، اس کے پاس واضح علامت اور ظاہری حجت ہوگی، وہ جب پیدا ہوں گے تو پیدا ہوتے ہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے گا۔ وہ اپنی دعا میں یہ کہیں گے۔

دعائے حضرت امام محمد تقیؑ

يَا مَنْ لَا شَبِيْهَ لَهُ وَلَا مِثَالَ ، اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ،
وَلَا خَالِقٌ اِلَّا اَنْتَ تُفْنِي الْمَخْلُوْقِيْنَ وَ تَبْقٰى ، اَنْتَ حَلُمْتَ
عَمَّنْ عَصَاكَ ، وَ فِي الْمَغْفِرَةِ رِضَاكَ ۔

”اے وہ ذات جس کی نہ تو شبیہ ہے اور نہ ہی مثال تو وہ اللہ ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور تیرے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے تو مخلوقات کو فنا کر کے خود باقی رہے گا اور تو اپنی نافرمانی کرنے والوں کی بربادی کرتا ہے اور مغفرت میں تیری رضا ہے۔“

جو شخص یہ دعا پڑھے گا محمد بن علی اس کے شفیع ہوں گے۔

☆ اللہ تعالیٰ اس کے صلب میں طیب و طاہر بابرکت نطفہ ودیعت فرمائے گا

جو نہ تو باغی ہو گا اور نہ سرکش ہو گا اللہ نے اپنے ہاں اس کا نام علی بن محمد رکھا ہے اور اللہ نے اسے تسکین و وقار عطا کیا ہے اور علوم اور چھپے ہوئے رازوں کو ان کے پاس بطور امانت رکھا ہے وہ اپنے ہر ملنے والے کو اس کی اندرونی کیفیت سے مطلع کریں گے اور اسے اس کے دشمن سے خبردار کریں گے اور وہ اپنی دعائیں یہ کہیں گے۔

دعائے حضرت امام علی نقیؑ

يَا نُورُ يَا بُرْهَانُ يَا مُبِينُ يَا رَبِّ اكْفِنِي شَرَّ الشُّرُورِ
وَ أَفَاتِ الدُّهُورِ ، وَ اسْتَلِكِ النِّجَاةَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ -

”اے نور، اے برہان، اے روشنی کرنے والے اور اے ظاہر کرنے والے !
اے پروردگار مجھے تمام شر پسندوں کے شر اور زمانے کی آفات سے محفوظ فرما اور جس
دن صور پھونکا جائے گا، میں تجھ سے اس دن کی نجات کا سوال کرتا ہوں۔“
جو شخص یہ دعا پڑھے گا تو علی بن محمد اس کے شفیع ہوں گے اور جنت کے لیے
اس کے رہنما ہوں گے۔

☆ اللہ تعالیٰ اس کے صلب میں ایک نطفہ ودیعت فرمائے گا جس کا نام اس
نے حسنؑ (بن علی) رکھا ہے اور اللہ نے اسے شہروں کا نور اور زمین پہ اپنا جانشین بنایا
ہے اور وہ اپنے نانا کی امت کی عزت اور اپنے شیعوں کے رہنما اور شفیع ہوں گے اور
اپنے مخالفین کے لیے بمنزلہ عذاب ہو گا اور اپنے ماننے والوں کے لیے حجت اور جو
اسے امام تسلیم کریں گے، ان کے لیے برہان ہوں گے، وہ اپنی دعائیں یہ کہیں گے۔

دعائے حضرت امام حسن عسکریؑ

يَا عَزِيزُ الْعِزِّ فِي عِزِّهِ مَا أَعَزَّ عَزِيزُ الْعِزِّ فِي عِزِّهِ يَا عَزِيزُ
إِعْزِّنِي بِعِزَّتِكَ ، وَ اَيِّدْنِي بِبَصْرِكَ ، وَ ابْعِدْ عَنِّي هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ
وَ اذْفَعْ عَنِّي بَدْفِعِكَ ، وَ اَمْنَعْ عَنِّي بِمَنْعِكَ ، وَ اجْعَلْنِي مِنْ خِيَارِ
خَلْقِكَ ، يَا وَاحِدَ يَآ أَحَدَ يَا فَرْدُ يَا صَمَدُ

”اے وہ ذات جو اپنی عزت میں عزیز ہے اور عزت میں عزیز کتنا ہی بڑا صاحب عزت ہے ، اے عزیز ! اپنی عزت کے صدقہ میں مجھے عزت عطا کر اور اپنی نصرت سے میری تائید کر اور شیاطین کے وساوس مجھ سے دور رکھ اور اپنی قوت سے انہیں مجھ سے دفع کر اور اپنی حفاظت سے میری حفاظت فرما اور مجھے اپنی بہتر مخلوق میں سے بنا اے واحد ، اے احد ، اے فرد ، اے صمد۔“

☆ جو شخص یہ دعا پڑھے گا تو اللہ اس کو حسن بن علی کے ساتھ محشور کرے گا اور اگر وہ دوزخ کا حق دار بن چکا ہو گا تو بھی اللہ اسے داخل جنت فرمائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کی پشت میں ایک طیب و طاہر بابرکت نطفہ ودیعت فرمائے گا جس سے میثاق ولایت کا اقرار کرنے والے ہر مومن خوش ہوں گے اور منکر اس کا انکار کریں گے وہ پاکیزہ اطوار ، پرہیزگار ، نیکوکار ، رضائے الہی کا مسکن ، ہادی اور مہدی ہو گا وہ عدل کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی باتوں کی تصدیق کرے گا جب اس کی علامات و دلائل ظاہر ہوں گے تو وہ سر زمین تمامہ سے خروج کرے گا اس کا خزانہ سونا چاندی کی بجائے قوی الحبۃ گھوڑوں پر اور نشان زدہ جنگ افراد پر مشتمل ہو گا اللہ تعالیٰ دور دراز کے علاقوں سے اہل بدر کی تعداد کے برابر اس کے لیے مددگار جمع کرے گا، ان کی تعداد اہل بدر کی تعداد کے برابر یعنی تین سو تیرہ افراد پر مشتمل ہوگی ، اس کے پاس مہر لگا ہوا ایک صحیفہ ہوگا جس میں اس کے اصحاب کے نام اور ان کے نسب اور ان کے شہروں اور ان کی طبیعتوں اور ان کی شکل و شبہت اور ان کی کنیت تک مرقوم ہوگی ، وہ اس کی اطاعت جانفشانی سے کرنے والے ہوں گے۔

علامات ظہورِ امام مہدی (ع)

ابلی بن کعبؓ نے کہا :-

یا رسول اللہ! اس کی علامات و دلائل کیا ہوں گے ؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

1- اس کی علامت وہ علم (پرچم) ہے جب ان کے ظہور کا وقت قریب ہوگا تو وہ علم خود بخود کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس میں بولنے کی قوت عطا کر دے گا چنانچہ اس وقت وہ علم پکار کر کہے گا۔

”اللہ کے ولی ! اٹھیں اور خروج فرمائیں اور دشمنان خدا کو قتل کریں“

2- اور اس کی دوسری علامت نیام میں رکھی ہوئی وہ تلوار ہے جب ان کے ظہور کا وقت قریب ہوگا تو وہ تلوار نیام سے باہر نکل آئے گی اور حکم خدا گویا ہو کر کہے گی۔

”اللہ کے ولی ! اٹھیں اور خروج کجواب کسی دشمن خدا کو مہلت نہ دیں“

پھر وہ خروج فرمائیں گے اور اللہ کے دشمنوں کو جہاں بھی پائیں گے قتل کریں گے اور حدود الہی کو قائم کریں گے اور حکم خداوندی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، جہیلان کی دامنیں جانب اور میکائیل ان کی بانیں جانب ہوں گے میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں تم غنقیب اسے یاد کرو گے، اگرچہ ایک عرصہ کے بعد کیوں نہ ہو اور میں اپنے امر کو خدا کے سپرد کرتا ہوں :-

”اے الہی ! اس سے ملاقات کرنے والے کے لیے خوشخبری ہو، اور اس سے محبت کرنے والے کے لیے خوشخبری ہو اور اس کے قاتل کے لیے خوشخبری ہو، ایسے لوگوں کو اللہ بلاکت سے نجات دے گا اور خدا و رسول اور ائمہ طہرین کے اقرار کی وجہ سے اللہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیں گے زمین پر ان کی مثال اس کستوری کی سی ہے جس کی خوشبو ہمیشہ پھوٹی رہتی ہو اور اس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہو اور آسمان میں ان کی مثال اس روشن چاند کی سی ہے جس کا نور ہمیشہ روشن رہے۔“

ابی بن کعبؓ نے کہا :-

اللہ نے ان ائمہ کا حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے فرمایا ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بارہ صحیفے نازل فرمائے، ہر صحیفہ کی مر پر امام کا نام لکھندہ ہے اور ان صحیفوں میں امام کے اوصاف مرقوم ہیں۔“

۳۰۔ (بخلف اسناد) اصبع بن نہایت نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے پایا:-

”میں اور علی اور حسن و حسین اور اولاد حسین کے نو افراد پاکیزہ اور معصوم ہیں“

۳۱۔ (بخلف اسناد) عبایہ بن الرہقی نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”میں سید النبیین ہوں اور علیؓ سید الوصیین ہیں میرے بعد میرے وصی بارہ ہوں گے جن کا پہلا فرد علی بن ابی طالب اور ان کا آخری فرد قائم (مہج) ہے“

۳۲۔ (بخلف اسناد) ابراہیم بن مہزم نے اپنے باپ سے، اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”میرے اہل بیت کے بارہ افراد کو اللہ تعالیٰ نے میرا فہم و علم و حکمت عطا فرمائی ہے اور میری ہی طینت سے ان کو پیدا کیا ہے، ہلاکت ہے ان پر جو میرے بعد ان کا انکار کریں اور میرے تعلق کو ان سے قطع کریں، اللہ انہیں میری شفاعت کبھی نصیب نہ کرے۔“

۳۳۔ (بخلف اسناد) ابی المثنیٰ نخعی نے زید بن علی زین العابدینؓ سے،

انہوں نے اپنے والد ماجد امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کی ابتداء میں، میں اور علی علیہ السلام اور میری اولاد کے گیارہ اہل عقل موجود ہوں، ہلاکت بس وہی لوگ ہوں گے جن

سے میرا کوئی تعلق نہ ہو گا اور نہ ہی ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہو گا۔“

۲۴۔ (مخفف اسناد) ثابت بن دینار نے سید العابدین علی بن الحسینؑ، انہوں نے سید الشہداء حسین بن علیؑ، انہوں نے سید الوصیاء امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”میرے بعد بارہ امام ہوں گے جن کا پہلا فرد اے علیؑ تو ہو گا اور ان کا آخری فرد قائم (ع) ہو گا جس کے ہاتھوں پر اللہ مشارق و مغارب کو فتح کرے گا۔“

حضرت خضرؑ کے سوالات اور امام حسنؑ کے جوابات

۲۵۔ (مخفف اسناد) ابو ہاشم داؤد بن قاسم الجعفری نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے فرمایا :-

”ایک دن حضرت علی علیہ السلام مسجد الحرام میں تشریف لائے، اس وقت آپ کے ساتھ امام حسن علیہ السلام بھی موجود تھے اور آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بازو کا سارا لیا ہوا تھا، اس وقت ایک اچھی شکل و صورت اور اچھے لباس والا شخص مسجد الحرام میں داخل ہوا اور امیر المومنین پر سلام کیا، حضرت نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا۔ پھر اس شخص نے کہا :-

امیر المومنین! میں آپ سے تین مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ نے مجھے ان کے جواب عطا کیئے تو میں سمجھوں گا کہ جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی ہے، ان کی دنیا و آخرت خطہ میں ہے، اور اگر آپ تسلی بخش جواب دینے میں ناکام رہے تو میں سمجھوں گا کہ آپ اور آپ کے حریف دونوں ایک جیسے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔“

اس شخص نے کہا :-

آپ مجھے بتائیں کہ

1- نیند کی حالت میں انسان کی روح کہاں چلی جاتی ہے ؟

2. انسان بھولتا کیوں ہے اور یاد کیسے کرتا ہے ؟

3- چھاپنے چھاؤں اور ماموؤں کی شبیہ کیوں ہوتا ہے ؟

اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی طرف رخ

کرتے ہوئے فرمایا :-

حسن بیٹا ! ان مسائل کا تم جواب دو۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا :-

1- ”اے سائل ! تو نے دریافت کیا کہ نیند کے وقت انسان کی روح

کہاں چلی جاتی ہے ؟

تو پھر سن ! انسان کی روح کا تعلق ریح سے ہے اور ریح کا تعلق اس وقت

تک ہوا سے رہتا ہے جب تک صاحب روح بیدار ہونے کے لیے حرکت کرتا ہے ،

اگر اللہ اس روح کو واپس کی اجازت دیتا ہے تو وہ ریح ، روح کو کھینچ لیتی ہے اور وہ

ریح ہوا کو کھینچ لیتی ہے ، تب روح جسم میں واپس آجاتی ہے اور اپنے ساتھی کے

جسم میں ٹھہر جاتی ہے ، اور اگر اللہ اس روح کو واپس کی اجازت نہ دے تو ہوا ریح

کو کھینچ لیتی ہے ، اور ریح روح کو کھینچ لیتی ہے اور پھر روح بدن میں واپس نہیں

آتی ، ہاں جب قیامت برپا ہوگی تو روح دوبارہ بدن میں داخل ہوگی۔“

2- اے سائل ! تو نے دریافت کیا کہ انسان کو نسیان کیسے ہوتا ہے اور یادداشت

کیسے واپس آتی ہے ؟

تو پھر سن ! انسان کا دل ایک ذبیہ میں ہوتا ہے اور ذبیہ پر ڈھکن ہوتا

ہے ، جب کوئی شخص محمدؐ اور آل محمدؑ پر کامل درود بھیجتا ہے تو ڈھلنا جدا ہو جاتا ہے اور دل روشن ہو جاتا ہے اور ایوں انسان کو بھولی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے اور اگر کوئی شخص محمدؐ و آل محمدؑ پر درود نہ بھیجے یا ناقص درود بھیجے تو وہ ڈھلنا اس دل پر مضبوطی سے جم جاتا ہے اس سے دل تاریک ہو جاتا ہے اور جو چیز انسان کو یاد بھی ہوتی ہے تو وہ بھی بھول جاتا ہے۔“

3۔ ”اے سائل ! تو نے دریافت کیا کہ بچے اپنے والد و چچا کا ہم شکل کیوں ہوتا ہے اور اپنے ماموں کا ہم شکل کیوں ہوتا ہے ؟
تیرے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ سے مطمئن دل اور پرسکون رگوں اور غیر مضطرب دل کے ساتھ مجامعت کرتا ہے اور نطفہ بیوی کے رحم میں ٹھہرتا ہے تو پیدا ہونے والا بچہ اپنے والد اور والدہ کا ہم شکل ہوتا ہے۔“
یہ جواب سن کر سائل نے کہا :-

اشھد ان لا الہ الا اللہ ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے“

اور میں ہمیشہ سے یہ گواہی دیتا تھا۔

پھر کہا :-

اشھد ان محمد رسول اللہ ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ص) اللہ کے رسول ہیں“

اور میں ہمیشہ سے یہ گواہی دیتا تھا۔

اس نے امیر المومنین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :-

اشھد انک وصی رسولہ والقا ئم بحجتہ ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ علیہ السلام رسول خدا کے وصی اور ان کی

حجت کو قائم کرنے والے ہیں۔“
<https://downloadshiaabooks.com> Presented by://jafrilibrary.com

پھر اس نے حسن مجتبیٰ کی طرف اشارہ کر کے کہا:-

واشهد انك وصيه والقائم بحجته بعدك -

”اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ان کے وصی ہیں اور امیر المومنین کے بعد ان کی حجت کو قائم کرنے والا ہے۔“

پھر اس نے تمام ائمہ کی امامت کی گواہی دیتے ہوئے کہا :-

واشهدان الحسين بن علي وصي ابيك والقائم بحجته بعدك

واشهد على علي بن الحسين انه القائم بامر الحسين بعده ،

واشهد على محمد بن علي انه القائم بامر علي بن الحسين بعده،

واشهد على جعفر بن محمد انه القائم بامر محمد بن علي ،

واشهد على موسى بن جعفر انه القائم بامر جعفر بن محمد ،

واشهد علی علی بن موسیٰ انه القائم بامر موسیٰ بن جعفر

واشهد علی محمد بن علی انه القائم بامر علی بن موسیٰ ،

واشهد على علي بن محمد انه القائم بامر محمد بن علي ،

واشهد على الحسن بن علي انه القائم بامر علي بن محمد ،

وَأَشْهَدُ عَلَى رَجُلٍ مِنْ وَلَدِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ لَا يَكُنِي وَلَا يَسْمُو

حتیٰ یظهر فی الارض امره فیملأها عدلاً كما ملئت جوراً ، انه

القائم بامر الحسن بن علي والسلام عليك يا امير المؤمنين و

رحمته اللہ وبرکاتہ ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ حسین بن علی آپ کے والد کے وصی اور آپ کے

بعد ان کی حجت کو قائم کرنے والے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن حسین ،

Presented by: <http://jafrilibrary.com>

وہ علی بن الحسین کے قائم مقام ہیں اور میں جعفر بن محمد کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ محمد بن علی کے قائم مقام ہیں اور میں موسیٰ بن جعفر کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ جعفر بن محمد کے قائم مقام ہیں اور میں علی بن موسیٰ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ موسیٰ بن جعفر کے قائم مقام ہیں اور میں محمد بن علی کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ علی بن موسیٰ کے قائم مقام ہیں اور میں علی بن محمد کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ محمد بن علی کے قائم مقام ہیں اور میں حسن بن علی کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ علی بن محمد کے قائم مقام ہیں اور میں حسن بن علی کے فرزند کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ جس کی کنیت اور نام لینا جائز نہیں جب تک زمین پر ان کا ظہور نہ ہو جائے اور وہ زمین کو عدل سے ایسے بھریں گے جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی ، وہ حسن بن علی کے قائم مقام ہیں ، امیر المومنین آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلا گیا ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا :-

ابو محمد ! اس پر نظر رکھو یہ کہاں جاتا ہے ؟

حسن علیہ السلام اس کے دیکھنے کے لیے باہر آئے ، حسن علیہ السلام کا بیان ہے کہ اس شخص نے جیسے ہی مسجد سے باہر قدم رکھا نگاہوں سے او جھل ہو گیا اور خدا جانے کس زمین پر چلا گیا۔

حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر امیر المومنین علیہ السلام کو اس کی اطلاع دی۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا :-

ابو محمد ! جانتے ہو یہ کون تھا ؟

حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے عرض کی :-

خدا ، رسولؐ اور امیر المومنینؑ بہتر جانتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا :-

یہ خضر علیہ السلام تھے۔

۳۶۔ (بخاری اسناد) عبدالرحمن بن سلیط نے امام حسین علیہ السلام سے روایت

کی ہے ۔ آپؑ نے فرمایا :-

” ہم میں بارہ ہدایت یافتہ موجود ہیں ، ان کا پہلا فرد امیر المومنین علیہ السلام

اور ان کا آخری فرد میرا نواس پوتا قائم بالحق ہے ، اس کے ذریعہ سے اللہ زمین کو موت

کے بعد از سر نو زندگی عطا کرے گا ، اور اس کے ذریعہ سے دین حق کو تمام ادیان پر غلبہ

عطا کرے گا ، اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

میرے اس بیٹے کی غیبت ہوگی جس میں کئی اقوام مرتد ہو جائیں گی اور اللہ

کچھ لوگوں کو دین پر قائم رکھے گا ، انہیں اذیتیں دی جائیں گی اور لوگ ان سے کہیں گے۔

اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تمہارا امام کب آئے گا ؟“

” آگاہ رہو! ان کے زمانہ غیبت میں اذیت و تکذیب برداشت کرنے والے

کو وہی درجہ حاصل ہوگا جو رسول خداؐ کے سامنے تلوار سے جہاد کرنے والے کو

حاصل ہے۔“

۳۷۔ (بخاری اسناد) ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو

یہ کہتے ہوئے سنا:-

” ہم میں بارہ مہدی ہیں ، جن میں سے چھ گزر چکے ہیں اور چھ باقی ہیں اور

چھٹے کے متعلق اللہ جو چاہے گا ، سرانجام دے گا۔“

اس مضمون کی روایات کو میں نے اپنی کتاب ” کمال الدین و تمام النعمہ فی

اثبات الغیۃ و کشف الحیرہ “ میں جمع کیا ہے۔

(باب 7)

امام موسیٰ کاظمؑ، ہارون الرشید و موسیٰ بن مہدی

۱۔ (بخاری اسناد) صالح بن علی بن عطیہ کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری اور بغداد روانگی کی وجہ یہ ہے۔

ہارون الرشید کے چودہ بیٹے تھے اور اس نے حکومت کے لیے اپنے تین بیٹوں محمد بن زبیدہ، عبد اللہ بن مامون اور قاسم مؤتمن کا انتخاب کیا اور قرار یہ پایا کہ زبیدہ کا بیٹا محمد امین، ہارون کا بلا فصل جانشین ہو گا اور امین کے بعد اقتدار مامون کو سونپا جائے گا اور مامون کے بعد حکومت قاسم مؤتمن کے حوالے کی جائے گی۔

ہارون نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مکہ کا سفر کیا اور تمام عمال حکومت اور معززین علاقہ اور علماء اور خطباء کو خط لکھ کر مطلع کیا گیا کہ وہ حج کے لیے مکہ آئیں اور ہارون الرشید کا اہم اعلان سنیں اور پھر ہر خاص و عام کو اس سے مطلع کریں۔

ہارون الرشید نے مکہ کے لیے مدینہ منورہ کا راستہ منتخب کیا، علی بن محمد نوفلی کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ یحییٰ بن خالد برکی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی چغلی کھائی اور ان کی گرفتاری میں اس نے کلیدی کردار سرانجام دیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے محمد امین ابن زبیدہ کا اتالیق جعفر بن محمد بن اشعث (محمد اشعث خ، ل) کو مقرر کیا تھا اور وہ انتہائی ذہین و فطین اور امور مملکت کے رازوں سے واقفیت رکھنے والا انسان تھا، یحییٰ برکی نے سوچا کہ ہارون کے بعد اگر حکومت محمد امین کے ہاتھوں میں چلی گئی تو پھر وہ اپنے اتالیق جعفر بن محمد کو اپنا وزیر مقرر کرے گا اور آل برک کی حیثیت صفر ہو کر رہ جائے گی، چنانچہ اس نے سب سے پہلے جعفر بن محمد سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔

واضح رہے کہ جعفر بن محمد کا تعلق مذہب شیعہ سے تھا اور وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا عقیدت مند اور پیروکار تھا لیکن حکومت کی سختی کی وجہ سے وہ اپنے مذہب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔

یہی نے جعفر بن محمد سے دوستی گانٹھی اور اس سے کہا کہ میں بھی دلی طور پر مذہب شیعہ سے منسلک ہوں لیکن حکومتی مجبوریوں کی وجہ سے مذہب کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا، اوریوں آہستہ آہستہ اس نے جعفر بن محمد کا اعتماد حاصل کر لیا اور اس سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق معلومات حاصل کیں اور جعفر نے اسے باتوں باتوں میں بتایا کہ وہ شدت سے خمس کی پابندی کرتا ہے اور تمام تر خمس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کرتا رہتا ہے۔

ہارون الرشید جعفر بن محمد کا احترام کرتا تھا، الغرض حکومتی قافلہ مدینہ پہنچا اور ہارون نے جعفر کو طلب کیا اور اس کی خدمات کے عوض اسے بیس ہزار دینار بطور انعام دیے۔

یہی جو کہ موقع ملتا کہ میں تھا، رات کے وقت ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ میرے الفاظ کو حسد پر محمول نہ کریں تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جعفر بن محمد کا تعلق مذہب شیعہ سے ہے اور وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارادت مند ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اسے جو انعام دیا ہے اس نے اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بھیج دیا ہے۔

ہارون نے رات کے وقت ہی جعفر کو طلب کیا اور جیسے ہی جعفر نے اپنی طلبی کا حکم سنا تو اسے یقین ہو گیا کہ حاسدوں نے اس کے خلاف خلیفہ کے کان بھرے ہیں اور اس وقت ہارون نے اسے قتل کی غرض سے بلایا ہے۔

جعفر بن محمد نے غسل کیا، اور اپنے جسم پر کافور ملا اور کفن پہنا اور کفن کو چھپانے کے لیے اوپر ایک قمیص پہنی اور دربار ہارون میں آکر پیش ہوا۔

جب ہارون نے کافور کی خوشبو محسوس کی اور کفن کو دیکھا تو جعفر سے کہا کہ
تو نے ایسا کیوں کیا؟
جعفر نے کہا:-

معلوم ہوتا ہے کہ میرے حاسدوں نے اپنا کام سرانجام دے دیا ہے اور رات
کے اس وقت آپ کے طلب کرنے کا مقصد موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔
ہارون الرشید نے کہا:-

نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، البتہ مجھے تجھ سے شکوہ ہے کہ تو امام موسیٰ کاظم علیہ
السلام کا عقیدت مند ہے اور اپنے مال کا خمس ان کے پاس روانہ کرتا ہے اور میں
نے تمہیں جو بیس ہزار دینار دیئے ہیں تو نے ان کا خمس بھی ان کے پاس روانہ کیا ہے۔
جعفر بن محمد نے کہا:-

اللہ اکبر! آپ اپنے کسی خادم کو طلب کریں، میں اسے اپنی انگوٹھی بطور نشانی
دے کر روانہ کرتا ہوں، وہ آپ کی عطا کردہ دونوں تھیلیاں لے کر ابھی آ جائے گا اور آپ
خود دیکھیں گے کہ ان کی مہر بھی ابھی تک نہیں ٹوٹی۔

چنانچہ ہارون نے اپنے ایک نوکر کو بلایا اور اس سے کہا کہ جعفر کی انگوٹھی
لے کر جاؤ اور اس کے خیمہ سے دو تھیلیاں لے کر آؤ۔
جعفر نے اپنی انگوٹھی دی اور کہا:-

تم میری یہ انگوٹھی لے کر جاؤ اور میری فلاں کنیر کو یہ انگوٹھی دکھا کر دونوں
تھیلیاں لے آؤ۔

چنانچہ نوکر گیا اور کچھ دیر بعد دونوں تھیلیاں لے کر آگیا اور ان پر مہر بھی
بدستور لگی ہوئی تھی۔

جب ہارون نے تھیلیاں دیکھیں تو اسے یقین ہو گیا کہ جعفر بن محمد بے قصور ہے۔
جعفر بن محمد نے کہا:-

علی بن اسماعیل نے جواب دیا :-

کیوں نہیں! مجھے ان کی تمام سرگرمیوں کا بخوبی علم ہے ، ان کے پاس نفس کی بے تحاشا دولت ہے ، انہوں نے چند روز پہلے بشریہ نامی جائیداد خریدی جس کی قیمت تیس ہزار دینار طے ہوئی لیکن عین موقع پر بائع نے اس قیمت پر جائیداد دینے سے انکار کر دیا اور زیادہ رقم طلب کی تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بلا تامل اس کی منہ مانگی رقم اس کے حوالہ کر دی ، الغرض اس نے اس طرح کی بہت سی باتیں کیں۔

جب ہارون الرشید عراق کی جانب واپس جانے لگا تو علی بن اسماعیل بھی اس کے قافلہ کے ہمراہ تیار ہونے لگا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پتہ چلا تو آپ نے اسے بلا کر فرمایا :-
تو بادشاہ کے ساتھ عراق کیوں جانا چاہتا ہے ؟
اس نے کہا :-

میں نے لوگوں کا بہت سا قرض دینا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

میں تمہارا قرضہ ادا کروں گا۔

اس نے کہا :-

میرے بیوی بچے بھی ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

ان کا سارا خرچ میں ادا کروں گا۔

اس کے باوجود جب وہ مدینہ رکنے پر آمادہ نہ ہوا تو امام علیہ السلام نے اس کے بھائی محمد بن اسماعیل بن جعفر کے ہاتھ تین سو دینار اور چار ہزار درہم روانہ کیے ، اور پیغام بھیجا کہ اس سے اپنے اخراجات چلاؤ اور میرے بچوں کو یتیم نہ کرو۔
۲۔ (حذف اسناد) علی بن جعفر سے روایت ہے کہ میرے پاس محمد بن اسماعیل

بن جعفر صادق علیہ السلام آئے اور مجھ سے کہا کہ محمد بن جعفر صادق علیہ السلام، ہارون الرشید کے دربار میں گئے اور اسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا بعد ازاں اس سے کہا۔

زمین پر بیک وقت میں دو خلیفے نہیں ہو سکتے، مجھے تعجب ہے کہ میرے بھائی موسیٰ بن جعفر کو بھی لوگ خلیفہ کہہ کر سلام کرتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی چغل خوری کرنے میں بھی یعقوب بن داؤد کا بھی اہم کردار ہے، وہ زیدی نظریات رکھتا تھا۔

۳۔ (حذف اسناد) ابراہیم بن ابی البلاد کا بیان ہے کہ یعقوب بن داؤد نے امامت کا دعویٰ کیا تھا اور جس رات کی صبح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا، اس رات میں اس کے پاس گیا تھا، تو اس نے مجھے بتایا کہ میں ابھی وزیر یحییٰ بن خالد برکلی کے پاس موجود تھا تو اس نے کہا کہ میں نے ہارون الرشید کو دیکھا کہ وہ رسول خدا کی قبر اطہر پر کھڑا ہو کر یہ کہہ رہا تھا۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے ایک کام کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے لیے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، میں نے موسیٰ بن جعفر کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

مجھے اس کے متعلق خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کو گرفتار نہ کیا تو وہ خلافت کے حصول کے لیے تیری امت میں جنگ برپا کر دے گا۔

صبح کے وقت ہارون نے فضل بن ربیع کو امام علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا، اس وقت امام علیہ السلام مقام رسولؐ پہ نماز ادا کر رہے تھے، اس نے آپ کو نماز کی حالت میں گرفتار کر لیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی رہائی

۴۔ (حذف اسناد) عبد اللہ بن صالح کہتے ہیں کہ فضل بن ربیع کے ایک ساتھی نے فضل بن ربیع کی زبانی مجھ سے یہ روایت کی ہے۔
فضل بن ربیع کہتے ہیں :-

ایک رات میں اپنی ایک کنیر کے ساتھ محو استراحت تھا کہ دروازہ کھٹکنے کی آواز آئی، میری کنیر نے کہا کہ یہ ہوا کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ میں نے کوئی توجہ نہ دی، پھر اچانک دیکھا کہ ہارون الرشید کا مخصوص خادم مسرور کبیر میرے گھر میں داخل ہوا اور مجھ سے کہا کہ اس وقت تجھے خلیفہ نے یاد کیا ہے۔

بے وقت بلاوے کی وجہ سے میں بے حد پریشان ہوا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہارون مجھے قتل کرانا چاہتا ہے، ادھر میں حالت جنابت میں تھا، سوچا کہ غسل جنابت کر لوں۔

میری کنیر نے میری پریشانی دیکھی تو کہنے لگی :-

”خدا پر بھروسہ کرو اور بے خوف و خطر چلے جاؤ۔“

بہر نوع میں نے کپڑے بدلے اور کانپتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے پاؤں کے ساتھ خلیفہ کے سامنے جا پہنچا، اس وقت خلیفہ اپنی خواب گاہ میں بیٹھا ہوا تھا، جب میری نظر اس پر پڑی تو میں اتنا مرعوب ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب میں ہوش میں آیا تو خلیفہ نے کہا :-

معلوم ہوتا ہے کہ تو اس وقت سخت مرعوب ہے۔

میں نے کہا :-

”جی ہاں!“

اس نے کہا:-

”سانس لے لو، اور اپنے اعصاب ٹھیک کر لو پھر میں تمہیں ایک کام بتاؤں گا۔“
جب میرے حواس بحال ہوئے تو ہارون نے کہا:-

تم اس وقت زندان چلے جاؤ اور موسیٰ بن جعفر بن محمد کو زندان سے رہا کرو اور ہماری طرف سے تمیں ہزار درہم اور پانچ پوشاکیں اور سواری کے لیے تین بہترین جانور بھی ان کے حوالے کرو، اور ہماری طرف سے انہیں یہ اختیار بھی دے دو کہ چاہیں تو ہمارے ہاں قیام کریں اور اگر کسی اور مقام پر جانا چاہتے ہوں تو بھی ہماری طرف سے انہیں اس کی مکمل اجازت ہے۔

فضل بن ربیع نے ازراہ تعجب کہا:-

خلیفہ صاحب! کیا آپ موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو واقعاً رہا کر رہے ہیں؟
خلیفہ نے کہا:-

ہاں! میں انہیں رہا کرتا ہوں تاکہ میں عہد شکنی کا مرتکب قرار نہ پاؤں۔
میں نے پوچھا:-

آپ کون سے عہد و پیمان کا ذکر کر رہے ہیں؟
ہارون نے کہا:-

آج رات میں اسی جگہ سویا ہوا تھا کہ ایک کالی رنگت رکھنے والے شخص نے میرا گلہ دہانا شروع کر دیا اور پھر وہ میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

”تو نے امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو ناحق کیوں قید کیا ہے؟“

میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) کو رہائی دیتا ہوں اور انہیں ایک خطیر رقم کے علاوہ چند پوشاکیں دے کر آزاد کرتا ہوں۔

چنانچہ مجھ سے محکم عہد و پیمان لے کر وہ رخصت ہوا اور مجھے یقین ہے کہ

اگر میں اس سے یہ عہد و پیمان نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر ڈالتا۔

فضل بن ربیع کہتے ہیں کہ میں پھر زندان گیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا تو امام علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے ، جب انہوں نے اپنی نماز مکمل کی تو میں نے انہیں خلیفہ کا سلام پہنچایا اور انہیں ان کی رہائی اور انعام و اکرام کی خبر دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

” اگر تجھے اس کے علاوہ کوئی اور حکم دیا گیا ہے تو اسے بھی تم سر انجام دے

سکتے ہو۔“

میں نے عرض کی :-

مجھے آپ کے جد اطہر رسول خدا کی قسم ! مجھے اس کے علاوہ اور کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

” تو پھر میرے لیے رہائی ہی کافی ہے ، مجھے ہارون کی پوشاکوں اور رقم اور سواروں کی ضرورت نہیں ہے ، کیونکہ ان تمام چیزوں میں افراد امت کا حصہ شامل ہے۔“

فضل بن ربیع کہتا ہے میں نے ان سے عرض کی :-

”خدا کے لیے آپ یہ انعام و اکرام ہرگز نہ ٹھکرائیں کیونکہ اس سے حاکم ناراض ہو جائے گا۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”پھر جیسا مناسب سمجھو وہی کچھ کرو۔“

پھر میں امام علیہ السلام کو زندان سے باہر لے آیا اور ان کی خدمت میں عرض کی کہ خدا کے واسطے سے مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے وہ کون سا عمل کیا ہے کہ جس کی

وجہ سے ہارون آپ کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”بدھ کی شب عالم خواب میں مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔“

انہوں نے فرمایا:-

”موسیٰ تو بے گناہ قیدی ہے“

میں نے عرض کیا:-

”جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بے گناہ قیدی ہوں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ مذکورہ جملہ دہرایا اور ہر بار میں نے بھی ایک سا جواب دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وَأِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (الانبياء - ۱۱۱)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

کل روزہ رکھنا اور جمعرات اور جمعہ کو بھی روزہ رکھنا اور افطار کے وقت بارہ رکعت نماز پڑھنا، ہر رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد بارہ مرتبہ سورۃ قل ھو اللہ احد کی تلاوت کرنا اور سجدہ میں یہ دعا پڑھنا۔

يَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَيَا سَامِعَ كُلِّ صَوْتٍ يَا مُخَيِّ الْعِظَامِ وَ
هِيَ رَمِيمٌ بَعْدَ الْمَوْتِ أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْعَظِيمِ الْأَعْظَمِ أَنْ
تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَعَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِينَ وَ
أَنْ تَجْعَلَ لِي الْفَرَجَ مِمَّا أَنَا فِيهِ -

”اے موت سے پہلے موجود!، اے ہر آواز کو سننے والے!، اے

ہڈیوں کو زندہ کرنے والے! جب کہ وہ موت کے بعد راکھ ہو جانے والی ہیں۔
میں تجھ سے تیرے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ پر درود

بھیج جو تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے اور ان کے اہل بیت طہین علیہم السلام پر درود بھیج۔ تو میرے لیے آسائش کے اسباب مہیا فرما جن میں، میں پُر سکون رہ سکوں۔“

چنانچہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا جس کا نتیجہ تیرے سامنے موجود ہے۔

۵۔ (حذف اسناد) فضل بن ربیع کا بیان ہے کہ میں ہارون الرشید کا حاجب تھا، ایک دن ہارون انتائی غصہ کے عالم میں میرے پاس آیا اور اس وقت اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے پلٹا رہا تھا اور اس نے آتے ہی مجھ سے کہا:-
فضل! مجھے میری قرابت رسول کا واسطہ! اگر تو میرے ان عم کو ابھی یہاں نہ لے کر آیا تو میں تیری گردن پکڑ لوں گا (تجھے قتل کر دوں گا)۔

فضل بن ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا: آپ کے کون سے ان عم کو لے کر آؤں؟

ہارون نے کہا: اس حجازی کو لے آؤ۔

فضل نے کہا: کون سا حجازی؟

ہارون الرشید نے کہا: موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو لے آؤ۔

فضل کہتے ہیں: میں یہ حکم سن کر گھبرا گیا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ ہارون امام علیہ السلام کو شہید کر دے گا اور اس گناہ میں میرا بھی ایک حصہ ہو گا، لیکن رعب شاہی کی وجہ سے مجھ میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔

اور میں نے کہا: میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

پھر ہارون نے کہا: دو کوڑے اور دو جلاہ بھی میرے پاس پہنچاؤ۔

چنانچہ حسب الحکم میں نے دو کوڑے اور دو جلاہ بھی ہارون کے پاس پہنچا دیئے۔

بعد ازاں میں ابو ابراہیم امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکان پر گیا تو وہ کججور کے عام شہتیروں کا بنا ہوا ایک معمولی سا مکان تھا اور دروازے پر سیاہ فام غلام موجود تھا۔

میں نے اس سے کہا: اپنے آقا کو میرے آنے کی اطلاع کر دو۔

غلام نے کہا: ان کے دروازے پر کوئی دربان اور حاجب نہیں ہے، تو جاسکتا ہے۔

چنانچہ جب میں مکان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے ایک سیاہ فام غلام ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک مقراض ہے اور وہ اس مقراض سے حضرت کی پیشانی اور ناک کا وہ مردہ گوشت کاٹ رہا ہے جو کثرتِ جود سے پیدا ہو گیا تھا۔

میں نے حضرت کو سلام کیا اور انہیں کہا کہ ہارون انہیں اپنے دربار میں طلب کر رہا ہے۔

یہ سن کر انہوں نے کہا: بھلا رشید سے میرا کیا تعلق ہے، کیا اتنی نعمت پا کر بھی وہ مجھے فراموش کرنے پر آمادہ نہیں ہے؟

پھر تیزی سے اٹھے اور فرمایا:-

میرے نانا رسول خدا کا فرمان ہے۔

”تقیہ کی حالت میں حاکم کی اطاعت لازمی ہے“

میں نے ان سے کہا: آپ اپنے آپ کو سزا کے لیے تیار کر لیں کیونکہ بادشاہ سخت غصہ میں نظر آ رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا میرے ساتھ وہ نہیں ہے جو دنیا اور آخرت کا مالک ہے؟ اور آج وہ مجھے ہرگز کوئی تکلیف نہیں دے سکے گا۔

فضل بن ربیع کہتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو تین بار سر کے گرد پھیرا اور زیر لب کچھ کلمات کہے پھر میں انہیں لے کر ہارون کے دروازے

پر آیا اور انہیں باہر کھڑا کر کے خود اندر چلا گیا، اور جب میں اندر داخل ہوا تو بارون ایک پسر مردہ ماں کی طرح حیران و سرگرداں کھڑا تھا، مجھے دیکھ کر کہا۔

فضل ! کیا تو میرے اہل عم کو لے آیا ہے ؟

فضل نے کہا : جی ہاں ! میں انہیں لے آیا ہوں۔

بارون نے کہا : راستہ میں تو نے انہیں خوفزدہ تو نہیں کیا ؟

فضل نے کہا : نہیں ! میں نے انہیں خوف زدہ نہیں کیا۔

پھر بارون نے کہا : کیا تو نے یہ تو نہیں کہا کہ میں سخت غصہ میں ہوں ؟

یہ سچ ہے کہ چند لمحات قبل مجھے سخت غصہ تھا لیکن اب میں نے اپنے غصہ پر قابو پا لیا ہے، اب تم میرے اہل عم کو میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ میں امام علیہ السلام کو لے کر اس کے سامنے پہنچا تو جیسے ہی امام علیہ السلام پر اس کی نظر پڑی تو تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور انہیں گلے لگا کر کہا :۔

میں اپنے اہل عم اور بھائی اور وارث نعمت کو خوش آمدید کہتا ہوں، پھر اس نے امام علیہ السلام کو اپنے قریب بٹھایا اور کہا :

آپ ہم سے ملاقات کرنے کیوں نہیں آتے ؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا : میرے حدود سلطنت کی وسعت اور تیری حب دنیا کی وجہ سے ہم آپ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتے۔

پھر بارون نے حکم دیا کہ قیمتی مرصع برتن لایا جائے چنانچہ اس کے سامنے قیمتی دھاتوں سے مرصع صراحی لائی گئی، پھر بارون نے حکم دیا کہ چند پوشاکیں اور دیناروں سے بھری ہوئی دو تھیلیاں پیش کی جائیں، اور جب تمام اشیاء جمع ہو گئیں تو بارون نے وہ تمام چیزیں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نذر کیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا : اولاد ابو طالب میں سے کچھ کنوارے ایسے موجود ہیں جن کی نسل کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہے، اور جن کے نکاح اور حق مہر کی ذمہ داری

مجھ پر ہے، اگر وہ نہ ہوتے تو میں یہ رقم کبھی قبول نہ کرتا۔

پھر امام علیہ السلام **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** کہہ کر چلے گئے۔

فضل کہتے ہیں: میں نے ہارون الرشید سے کہا آپ تو انہیں سزا دینا چاہتے تھے لیکن آپ نے انہیں انعام دے کر کیوں رخصت کیا؟

یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا: جب تو انہیں بلانے کے لیے گئے، تو میں نے دیکھا کہ بہت سے افراد میرے گھر میں داخل ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور انہوں نے ان نیزوں کو میرے صحن میں یوں نصب کیا جیسا کہ نیزے اس حویلی میں آگے ہوئے ہوں اور انہوں نے مجھ سے کہا:-

”اگر فرزند رسول کو کوئی اذیت پہنچی تو ہم تجھے تیرے محل سمیت زمین میں دھنسا دیں گے، اور اگر تم نے فرزند رسول سے اچھا سلوک کیا تو ہم تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ نیک سلوک روا رکھا۔

فضل کہتے ہیں: پھر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا:-

ہارون سخت غصہ میں تھا نجانے اس نے آپ سے بھلائی کیسے کی اور اللہ نے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھ لیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے دادا امیر المومنین علیہ السلام کی وہ دعا پڑھی تھی جسے ”کفایۃ البلاء“ کہا جاتا ہے، اور امیر المومنین علیہ السلام جب بھی کسی دشمن کے مقابلہ میں وارد ہوتے تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور وہ دعایہ ہے۔

بلا اور دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَسَاورُ وَبِكَ اُجَادِلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَنْتَصِرُ وَ

بِكَ أَمُوتُ وَبِكَ أَحْيَى ، أَسَلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي
إِلَيْكَ ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ
خَلَقْتَنِي وَرَزَقْتَنِي وَسَرَرْتَنِي وَسَتَرْتَنِي مِنْ بَيْنِ الْعِبَادِ بِلُطْفِكَ وَ
خَوَّلْتَنِي اِذَا هَرَبْتُ رَدَدْتَنِي ، وَاِذَا اعْتَرْتُ اَقْلَتْنِي ، وَاِذَا مَرَضْتُ
شَفَيْتَنِي وَاِذَا دَعَوْتُكَ اَجَبْتَنِي يَا سَيِّدِي اِرْضَ عَنِّي فَقَدْ اَرْضَيْتَنِي
” اے پروردگار ! میں تیری وجہ سے خوش رہتا ہوں اور تیرے لیے ہی

جنگ کرتا ہوں اور تجھ ہی سے صلہ چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد کا طلبگار ہوں۔
اور تو ہی موت دینے والا ہے اور تو زندگی عطا کرتا ہے اور میں نے اپنے تمام
امور تیرے سپرد کر دیئے ہیں۔ کوئی حصار اور کوئی طاقت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ
کی ذات جو اعلیٰ ہے اور عظیم ہے۔

اے پروردگار! تو نے مجھے خلق کیا اور تو ہی مجھے رزق دینے والا ہے اور
تو ہی نے مجھے خوشیاں عطا کی ہیں اور تو نے اپنے لطف و کرم سے میرے گناہ
اپنے بندوں سے چھپا دیئے ہیں۔ اور تو نے مجھ حوصلہ دیا ، جب میں سرگرداں
بھاگ رہا تھا تو نے مجھے اپنے مقام پر لوٹا دیا۔ اور جب میں بے سہارا ہوا تو تو
نے مجھے سہارا دیا اور جب میں مریض ہوا تو تو نے مجھے شفا بخشی اور جب میں تجھے
پکارتا تھا تو تو مجھے جواب دیتا تھا۔ اے میرے سردار! میں تجھ سے راضی ہوں
بس تو مجھ سے راضی ہو جا۔“

قاضی ابو یوسف اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۶۔ (حذف اسناد) عثمان بن عیسیٰ نے اپنے اصحاب سے روایت کی کہ ایک
دن قاضی ابو یوسف نے مہدی عباسی سے کہا کہ سامنے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بیٹھ
ہیں ، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان سے ایسا مسئلہ پوچھوں جس کے جواب سے

وہ عاجز ہوا۔

مہدی عباسی نے کہا: ہاں! تجھے اجازت ہے۔

ابویوسف نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ حالت احرام میں اپنے اوپر سایہ کرنا درست ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”درست نہیں ہے“

ابویوسف نے کہا: اگر زمین پر خیمہ لگا دیا جائے اور محرم (حالت احرام والا شخص) اس میں داخل ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس میں کوئی عیب نہیں ہے“

قاضی ابویوسف نے کہا: ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اچھا یہ بتاؤ کہ حائض اپنے ایام کی نماز کی قضا جالائے گی؟“

قاضی ابویوسف نے کہا: نہیں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا حائض روزوں کی قضا جالائے گی؟

قاضی ابویوسف نے کہا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی وجہ کیا ہے؟

قاضی ابویوسف نے کہا: شریعت کی تعلیم یہی ہے، ہمیں اس کی پابندی کرنی چاہیے۔

امام علیہ السلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

”احرام کے مسائل میں بھی شریعت کی تعلیم یہی ہے، اس کے لیے کسی قیاس کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔“

مہدی عباسی جو کہ بڑی دلچسپی سے یہ بحث سن رہا تھا۔

اس نے قاضی ابویوسف سے کہا: تو انہیں لاجواب تو نہیں کر سکا۔

ابو یوسف نے کہا: اس نے مجھے ایسا پتھر مارا جس سے میرے دماغ کے ٹکڑے تک اڑ گئے۔

موسیٰ بن مہدی اور امام موسیٰ کاظمؑ

۷۔ (بخاری اسناد) علی بن یقین سے مروی ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ موسیٰ بن مہدی عباسی ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا چاہتا ہے تو انہوں نے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور ان سے مشورہ لیا۔

ان میں سے اکثر افراد نے یہ مشورہ دیا کہ آپ چند دنوں کے لیے روپوشی اختیار کر لیں کیونکہ موسیٰ بن مہدی پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے۔

یہ سن کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مسکرائے اور یہ شعر پڑھا۔

زعمت سخینۃ ان ستغلب ربھا

ولیکن مغالب الغلاب

”قریش کا خیال ہے کہ وہ اپنے رب پر غالب آجائیں گے، جبکہ ہمیشہ غالب آنے والا ہی غالب رہے گا۔“

پھر آپ نے آسمان کی جانب رخ اٹھایا اور یہ دعا پڑھی۔

دشمن سے امان پانے کی دعا

اَللّٰهُمَّ كَمْ مِنْ عَدُوٍّ شَحَذَلَنِيْ ظَبَّةَ مَذِيَّتِهِ وَاَرْهَفَ لِيْ
شَبَاحِدَهُ، وَدَافَلَنِيْ قَوَائِلَ سَمُوْمِهِ وَلَمْ تَنْمَعْ عَنِّيْ عَيْنُ حَرَّاسَتِهِ
فَلَمَّا رَاَيْتَ صَغْفِيْ عَنِ اِحْتِمَالِ الْفَوَادِحِ، وَعَجَزَتْنِيْ ذٰلِكَ عَنْ
مُلِمَّاتِ الْحَوَائِجِ صَرَفْتَ ذٰلِكَ عَنِّيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ لَا بِحَوْلِيْ وَ
قُوَّتِيْ، فَالْقِيَّتْهُ فِي الْحَفِيْزِ الَّذِيْ اُحْتَفَرَهُ لِيْ حَايِبًا مِّمَّا اُمَلَّهٖ فِي
دُنْيَاہُ مُتَبَاعِدًا مِّمَّا رَجَاهُ فِيْ اٰخِرَتِهِ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ

قَدْ رَأَيْتُ حَقَائِكَ سَيِّدِي اَللّٰهُمَّ فَخُذْهُ بِعِزَّتِكَ وَاَفْلِلْ حَدَّهٗ عَنِّيْ
 بِقُدْرَتِكَ وَاَجْعَلْ لَهُ شُغْلًا فَيَمَّا يَلِيْهِ وَعَجْزًا عَمَّنْ يُنَاوِيْهِ اَللّٰهُمَّ وَ
 اَعِدْ نَفْسِيْ عَلَيْهِ مِنْ عَدُوِّ حَاضِرَةٍ تَكُوْنُ مِنْ غِيْظِيْ شِفَاءً وَمِنْ
 حَقِّيْ عَلَيْهِ وَفَاءً، وَصَلِّ اَللّٰهُمَّ دُعَائِيْ بِالْاِحَابَةِ وَاَنْظُرْ شِكَايَتِيْ
 بِالتَّغْيِيْرِ وَ عَرَفْهُ عَمَّا قَلِيْلٍ مَا وَعَدْتَ الظَّالِمِيْنَ وَعَرَفْنِيْ مَا وَعَدْتَ
 فِيْ اِحَابَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَالْمَنِّ الْكَرِيْمِ ۔

”خدا! کتنے ہی ایسے دشمن ہیں جنہوں نے میرے لیے اپنی چھری کی دھار کو تیز کیا اور دھار کو خوب چمکایا، اور میرے لیے ملک زہروں کو آمادہ کیا، اور اس کی نگاہ رکھنے والی آنکھ مجھ سے غافل نہ ہوئی، اور جب تو نے دیکھا کہ میں ان مشکلات کو برداشت کرنے سے ضعیف ہوں اور نازل ہونے والی حاجات سے عاجز ہوں تو، تو نے اپنی قوت و طاقت سے ان مصائب و آفات کا رخ مجھ سے پھیر دیا، اس میں میری اپنی قوت و طاقت کا کوئی دخل نہیں تھا، اور تو نے اسے اس گڑھے میں گرا دیا جو اس نے میرے لیے کھودا تھا، اور تو نے اس کو اس کے فریبی ارادوں میں ناکام کر دیا اور دور کے منصوبوں میں اسے نامراد کر دیا۔ تیرے لیے ہی حمد و سزاوار ہے جتنا کہ تو اس کا مستحق ہے۔

خدایا! تجھے اپنی عزت کا واسطہ اس کا مواخذہ فرما اور اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ سے اس کی دھار کو کند کر دے اور اسے اس کے کاموں میں ہی مصروف کر دے اور جو کچھ وہ ارادہ کرتا ہے اس سے اسے عاجز کر دے۔

خدایا! مجھے میرے دشمنوں پر فوری کامیابی عطا فرما جس سے میرے غصہ کو شفا ملے اور میرا اس پر جو حق ہے وہ پورا ہو سکے۔

پروردگار! میری دعا کو قبولیت کے ساتھ متصل فرما اور میری شکایت کو تبدیلی سے منظم فرما اور تو نے ظالموں سے جس کیفر کردار کا وعدہ کیا ہے وہ اسے جلد دکھا دے اور مظلوم و لاچار لوگوں کی دعا کی مقبولیت کا تو نے جو وعدہ کیا ہے، مجھے جلد دکھا دے،

بے شک تو فضل عظیم اور احسان کریم کا مالک ہے۔“

علی بن یقطين بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد آپ کے افراد خاندان اٹھ کر چلے گئے پھر وہ اس خط کے پڑھنے کے لیے جمع ہوئے جس میں موسیٰ بن مہدی کی موت کی اطلاع دی گئی تھی، اس واقع کو نظم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

اخلاط اربعہ کا بیان

۸۔ (حذف اسناد) ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون کے دربار میں گئے۔

ہارون نے کہا: فرزند رسول! آپ طبائع اربعہ کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: ”جہاں تک ہوا کا تعلق ہے تو یہ تو مدارات کا خیال رکھنے والا بادشاہ ہے اور باقی رہا خون کا معاملہ تو خون بد اخلاق غلام کی مانند ہے جو کبھی کبھار اپنے آقا کو قتل کر ڈالتا ہے اور بلغم جھگڑا و دشمن ہے، اگر تو اسے ایک جانب سے بند کرو گے تو وہ دوسری جانب سے نکل آئے گا اور صفرا کی مثال تو زمین جیسی ہے، جب زمین پر زلزلہ آئے تو وہ اپنے اوپر والی ہر چیز کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے۔“

ہارون آپ کی یہ حکمت آمیز گفتگو سن کر بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا۔

آپ تو خدا اور رسول کے دانش کے خزانے لوگوں میں لٹا رہے ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ اور ہارون کا مکالمہ

۹۔ (حذف اسناد) ابو احمد ہانی محمد بن محمود العبدی نے ہم سے بیان کیا، وہ کہتے

ہیں کہ محمد بن محمود نے متصل اسناد سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی، آپ علیہ السلام نے فرمایا:-

جب مجھے رشید کے پاس لے جایا گیا تو میں نے اسے سلام کیا اور اس نے مجھے

سلام کا جواب دیا پھر کہنے لگا:-

موسیٰ بن جعفر! زمین پر دو خلیفے کیسے ممکن ہیں جن کی طرف خراج لے جایا جاتا ہو؟

میں نے کہا: خدا آپ کو اس سے محفوظ رکھے کہ آپ میرا اور اپنا بوجھ اپنی گردن میں ڈالیں اور ہمارے دشمنوں کی غلط باتوں کو قبول کریں، آپ جانتے ہیں کہ وفات پیغمبرؐ کے وقت سے لوگ ہمارے خلاف بہتان تراشی کرتے آرہے ہیں، اور آپ بھی رسول خداؐ سے قربت رکھتے ہیں، اسی لیے اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں۔

ہارون الرشید نے کہا: ہاں! آپ کو اجازت ہے۔

پھر میں نے کہا: میرے والد نے اپنے آباء طاہرین کی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

جب رحم، رحم سے ملتا ہے تو!

آپؐ نے فرمایا

”جب رحم، رحم سے ملتا ہے تو اس میں حرکت و اضطراب پیدا ہوتا ہے“

لہذا اس حدیث کی روشنی میں ہارون نے مجھ سے کہا آپؐ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیں اور میرے قریب قریب آجائیں۔

میں قریب ہوا، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے سینہ سے کافی دیر تک چٹائے رکھا، پھر اس نے مجھ سے کہا آپؐ بیٹھ جائیں، آپؐ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، یہ دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا۔

ہارون نے کہا: موسیٰ! آپؐ نے سچ کہا اور آپؐ کے جد اطہر رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے بھی سچ کہا، میں نے جیسے ہی آپؐ کو سینہ سے لگایا تو میرا خون متحرک ہو گیا اور میری رگوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور مجھ پر رقت قلب طاری ہو گئی اور میری آنکھیں برسنے لگیں۔

اب میں آپؐ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، جو کہ مدت سے میرے سینے میں گردش کر رہے ہیں اور اگر آپؐ نے مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دے دیئے تو میں آپؐ کو آزاد کر دوں گا اور آپؐ کے متعلق کسی بدخواہ کی بات نہیں سنوں گا اور آپؐ کے متعلق میں نے یہ سنا ہے کہ آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اسی لیے مجھے صحیح صحیح جواب دیں اور کسی طرح کے تقیہ کو کام میں مت لائیں۔

میں نے کہا: آپؐ پہلے یہ وعدہ کریں کہ مجھے امان حاصل ہوگی۔

ہارون نے کہا: میرا وعدہ ہے آپؐ امان میں رہیں گے۔

اس وقت میں نے کہا: اب جو چاہو سوال کرو۔

بنی فاطمہ اپنے کو ہم سے افضل کیوں سمجھتے ہیں؟

ہارون نے سوال کیا: آپؐ یہ بتائیں کہ آپؐ بنی فاطمہ اپنے آپ کو ہم سے افضل کیونکر سمجھتے ہو، حالانکہ ہمارا خاندان ایک ہے، ہمارا اور تمہارا دادا عبدالمطلب ہے، ہم عباس کی اولاد ہیں اور تم ابو طالب کی اولاد ہو، عباس اور ابو طالب دونوں بھائی تھے اور دونوں رسول خداؐ کے یکساں طور پر چچا تھے، اس کے باوجود تم اپنے آپ کو ہم سے بہتر کیوں سمجھتے ہو؟

میں نے اس کا جواب یہ دیا: ”ہم قرابت میں تم سے زیادہ آنحضرتؐ کے قریب ہیں۔“

ہارون نے کہا: بھلا وہ کیسے؟

میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد عبد اللہؐ اور ہمارے دادا

ابوطالبؑ ایک ہی ماں کے فرزند تھے جبکہ عباسؑ کی ماں اور تھی۔

اولاد کی موجودگی میں چچا میراث سے محروم رہتا ہے

ہارون نے کہا: اچھا آپؑ یہ بتائیں کہ آپؑ نے وراثت نبویؐ کا دعویٰ کیسے کر لیا؟ جب کہ چچا کی موجودگی میں چچا کا بیٹا میراث حاصل نہیں کر سکتا اور جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو اس وقت ابوطالبؑ وفات پا چکے تھے اور ہمارے دادا عباسؑ زندہ تھے لہذا عباسؑ کی موجودگی میں علیؑ وراثت حاصل نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود آپؑ لوگ میراث رسولؐ کے دعویدار ہیں، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میں نے کہا: بادشاہ مجھے اسی سوال کے جواب سے معذور رکھے تو مناسب ہے۔

ہارون نے کہا: نہیں! آپؑ کو ہر صورت میں اس کا جواب دینا ہوگا۔

میں نے کہا: آپؑ امان کے وعدہ پر قائم ہیں۔

ہارون نے کہا: جی ہاں!

تو میں نے کہا: بادشاہ! تو پھر سن علیؑ ابن طالبؑ کا وارث کے متعلق ناطق فیصلہ یہ ہے کہ اولاد کی موجودگی میں صرف والدین اور شوہر بیوی میراث حاصل کر سکتے ہیں اور اولاد کی موجودگی میں چچا میراث سے محروم ہوتا ہے اور اولاد کی موجودگی میں چچا کی میراث کے لیے قرآن و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ رسول خداؐ کی وفات کے بعد سر اقتدار آنے والے حکمرانوں اور بنی امیہ کے حکام نے اپنی طرف سے قیاس کرتے ہوئے چچا کو والد کے قائم مقام قرار دے کر اسے میراث میں شامل کیا تھا اور ان کے قیاس کی تائید کسی طور پر سنت نبویؐ سے نہیں ہوتی اور موجودہ دور کے آپؑ کے اپنے مقرر کردہ قاضی نوح بن دراج نے بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے اولاد کی موجودگی میں چچا کو میراث سے محروم رکھا ہے۔

یہ سن کر ہارون نے نوح بن دراج اور سفیان ثوری، ابراہیم مدنی اور فضیل

بن عیاض کو طلب کر کے حقیقت دریافت کی تو سب نے کہا۔

”ہاں ! یہ علی بن ابی طالبؑ کا قول ہے“

ہارون نے ان سے کہا: پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ نوح بن دراج نے تو قول علی علیہ السلام کے مطابق فتویٰ صادر کیا ہے اور تم لوگوں نے اس کی طرح سے فتویٰ کیوں نہیں دیا ؟

مذکورہ علماء نے کہا: نوح بن دراج نے جرأت کا مظاہرہ کیا ہے جب کہ ہم اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا فتویٰ نہیں دے سکے۔

جب ہارون علماء سے معلوم کر چکا تو میں نے کہا بادشاہ ! علی علیہ السلام کا فیصلہ ہر لحاظ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے ، کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

علی اقضا کم

”علی تمہارا سب سے بڑا قاضی ہے“

علاوہ ازیں عمر بن خطاب کے اس اقرار کو بھی پیش نظر رکھیں۔

علی اقضانا

”علی ہمارا سب سے بڑا قاضی ہے“

اور اس مقام پر یہ بکتہ ہمیشہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کے مقامات بیان کرتے ہوئے انہیں جزئی صفات کا حامل قرار دیا ، مثلاً کسی کے متعلق کہا کہ اس کے پاس قرأت ہے ، کسی کے متعلق فرمایا کہ اس کے پاس علم الفرائض ہے وغیرہ وغیرہ ۔

لیکن علی علیہ السلام کو قاضی قرار دیا ، اور انسان قاضی تب بن سکتا ہے جب اس کے پاس تمام علوم موجود ہوں کیونکہ قرأت و فرائض عمدہ قضا کے شرائط میں شامل ہیں۔

اس کے بعد ہارون نے کہا: موسیٰ! اس سے کچھ مزید بیان کریں۔
میں نے کہا: میں اس شرط پر مزید کچھ کہہ سکتا ہوں جب یہ گفتگو امانت کی طرح
سے محفوظ رہے۔

ہارون نے کہا: مطمئن رہیں، ایسا ہی ہوگا۔
میں نے کہا: بادشاہ! تو پھر مزید سن۔

جس مسلمان نے ہجرت نہ کی ہو تو رسول خداؐ نے سرے سے اس کا حق ہی
ثابت نہیں کیا۔

ہارون نے کہا: بھلا وہ کیسے، اس کی دلیل کیا ہے؟
میں نے کہا: اس کی دلیل سورہ انفال کی یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُلَاحِظُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَ لَّا يَتَّبِعُهُمْ
شَيْءٌ حَتَّىٰ يُلَاحِظُوا مَا لَكُمْ مِنْ (الانفال- ۷۲)

”اور جن لوگوں نے ایمان تو قبول کیا اور ہجرت نہیں کی تو تم لوگوں کو ان کی
سرپرستی سے سروکار نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت اختیار کریں۔۔۔ الخ“

اور بادشاہ کو معلوم ہوتا چاہئے کہ ہمارے چچا عباس نے ہجرت نہیں کی تھی۔
یہ سن کر ہارون نے کہا: موسیٰ! خدا را یہ تو بتائیں، آپؐ نے کبھی یہ فتویٰ
ہمارے مخالفین کے سامنے تو نہیں دیا؟

میں نے کہا: ہرگز نہیں! آپؐ نے مزید اصرار کیا تھا اور آپؐ کے اصرار پر میں
نے اس حقیقت کا اظہار کیا۔

آپؐ اولاد علیؑ کی بجائے اولاد نبیؐ کیوں کہلاتے ہیں؟

پھر ہارون نے کہا: اچھا! آپؐ یہ بتائیں کہ آپؐ حضرات اپنے آپؐ کو رسول
اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب کیوں منسوب کرتے ہیں اور آپؐ اپنے آپؐ کو

فرزند رسول کیوں کہلاتے ہیں جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ حضرت علی کی اولاد ہیں اور فاطمہ زہرا (س) ان کی زوجہ تھیں اور عورت ایک برتن کی مانند ہوتی ہے اور اولاد کا الحاق بہر نوع باپ سے ہی ہوتا ہے، تم لوگ علی کی اولاد ہونے کے باوجود اولاد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیوں کہلاتے ہو جب کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے باپ نہیں بننا تھے ؟

میں نے کہا: بادشاہ ! ہم اگر یہ فرض کر لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں دوبارہ بھیج دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے آپ کی بیٹی کے رشتہ کی خواہش کریں تو آپ کا جواب کیا ہو گا ؟

ہماروں نے کہا: اگر ایسا ہو جائے تو میں حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوشی سے اپنا داماد بناؤں گا اور اسی رشتہ کی وجہ سے عرب و عجم پر فخر کروں گا۔

اس وقت میں نے کہا: بادشاہ ! یہی تمہارا اور ہمارا فرق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے رشتہ طلب کر سکتے ہیں اور آپ رشتہ دے سکتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے نہ تو رشتہ طلب کر سکتے ہیں اور نہ ہی میں انہیں رشتہ دے سکتا ہوں، کیونکہ میری بیٹی ان کی نواسی ہے اور آپ کے لیے میری بیٹی کا رشتہ حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جہنم دیا ہے اور آپ کو جہنم نہیں دیا۔

ہماروں نے یہ سن کر کہا: موسیٰ ! آپ نے معقول جواب دیا، بھلا یہ بتائیں کہ آپ بنی فاطمہ اپنے آپ کو ذریت رسول کیوں کہلاتے ہیں جب کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تو کوئی اولاد نہ تھی ہی نہیں ؟

میں نے کہا: بہتر ہے آپ مجھے اس سوال کے جواب سے معذور ہی رکھیں۔

ہماروں نے کہا: نہیں ! آپ کو ہر صورت میں اس کا جواب دینا ہو گا، کیونکہ قرآن کی آیت ہے ۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (انعام-۳۸)

”ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی بات فرو گزاشت نہیں کی“

اور قرآن مجید کے متعلق آپ حضرات ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ قرآن کی تاویل آپ کے پاس موجود ہے ، لہذا آپ مجھے نص قرآن سے ذریت رسولؐ ہونے کا ثبوت دیں۔

میں نے کہا: بادشاہ ! مجھے جواب کی اجازت ہے ؟

ہارون نے کہا: جی ہاں !

اس وقت میں نے کہا: اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوبَ وَ يُوسُفَ وَ مُوسٰى وَ هَارُونَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيسٰى وَ الْيٰسَ --- الخ
(انعام-۸۴، ۸۵)

”اور ابراہیم کی نولاد سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون“ (سب کی ہم نے ہدایت کی) اور نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں اور زکریا و یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب نیک بندوں میں سے ہیں۔“

یہ آیت پڑھ کر میں نے ہارون سے کہا: بادشاہ ! آپ بتائیں عیسیٰ کے باپ کون تھے ؟

ہارون نے کہا: عیسیٰ کے باپ نہیں تھے ، وہ مریمؑ کے فرزند تھے ۔

میں نے کہا: پھر یہ بتائیں کہ عیسیٰ ذریت ابراہیم سے کیسے ہوئے ؟

ہارون نے کہا: عیسیٰ اپنی ماں کی وجہ سے ذریت ابراہیم میں سے قرار پائے۔

میں نے کہا: ”بادشاہ ! جس طرح سے عیسیٰ اپنی ماں کی وجہ سے ذریت ابراہیم

میں سے ہیں ، اسی طرح ہم بھی ذریت رسولؐ میں سے ہیں۔“

اور اگر اس سے زیادہ کی خواہش ہو تو میں اور ثبوت فراہم کروں ؟

ہماروں نے کہا: جی ہاں! ضرور بیان کریں۔

اس وقت میں نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ نَعَا لَوْ
نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتِكَ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ، ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران - ۶۱)

”پھر جب تمہارے پاس علم آچکا، اس کے بعد بھی اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ اچھا میدان میں آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو بلاؤ، اس کے بعد ہم سب مل کر مبالغہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔“

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے چادر کے نیچے علی بن ابی طالبؑ اور فاطمہ الزہراؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو جمع فرمایا اور آیت کی ترتیب کے مطابق مبالغہ کے لیے رواںہ ہوئے امام حسنؑ و حسینؑ کو ”ابنائنا“ یعنی فرزند بنایا اور ”نسائنا“ کے تحت حضرت فاطمہؑ کو ساتھ لیا اور ”انفسنا“ کے تحت علی مرتضیٰؑ کو ساتھ لیا۔

علمائے اسلام کا متفقہ بیان ہے کہ جنگ احد میں جبریل امینؑ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کی جاں نثاری دیکھ کر آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا:-

یا محمدؐ! ان هذه لهي المواساة من علي -

”یا رسول اللہؐ! ہمدردی اور غمگساری اسی کو کہتے ہیں جو کہ علیؑ کر رہے ہیں“

اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:-

إِنَّهُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ

”ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں“

یہ سن کر جبریل امینؑ نے کہا تھا:-

و انا منکما یا سول اللہ

”اور میں آپ دونوں میں سے ہوں۔“

پھر جبریل امینؑ نے کہا تھا:-

لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ وَلَا فَتًى إِلَّا عَلِيٌّ

”ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علیؑ کے بغیر کوئی جوان نہیں۔“

اس مقام پر لفظ ”فتی“ قابل توجہ ہے کیونکہ یہ لفظ حضرت ابراہیمؑ کے لیے بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، بت پرستوں نے اپنے ٹوٹے ہوئے بتوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہونہ ہو یہ ابراہیمؑ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے اس جملہ کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:-

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ (الانبیاء-۶۰)

”انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کے متعلق سنا ہے جو انہیں برا بھلا کہتا

ہے جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔“

لہذا ہم بنی فاطمہؑ اگرچہ آپ کے ان عم ہیں مگر ہم جبریلؑ کے اس قول پر فخر کرتے ہیں کہ وہ ہم میں سے ہیں۔

پھر ہارون نے کہا: آپؑ نے بہت اچھا کہا، اگر آپؑ کی کوئی حاجت ہو تو بیان فرمائیں۔

میں نے کہا: ”میری پہلی اور آخری حاجت یہی ہے کہ آپ اپنے ان عم کو اہل وعیال کے پاس واپس جانے دیں۔“

ہارون نے کہا: انشاء اللہ ہم اس سلسلہ میں جلد کوئی فیصلہ کریں گے۔

راوی کہتے ہیں: ہارون نے آپؑ کو رہا کرنے کی جائے سندی بن شاکب داروغہ زندان کی تحویل میں دے دیا، جہاں آپؑ کو زہر سے شہید کر دیا گیا!

۱۰۔ (حذف اسناد) علی بن محمد بن سلیمان نوفلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا:-

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو رسول خداؐ کے سر کی جانب حالت نماز میں گرفتار کیا گیا اور جب آپ کو فید کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:-

”ناجانان! میں اپنے مصائب کی آپ کے پاس شکایت کرتا ہوں“

آپ کی گرفتاری کے وقت لوگ جمع ہو کر رونے لگے، جب آپ کو ہارون کے پاس لے جایا گیا تو اس نے آپ کو سخت ست کہا اور جب رات ہوئی تو ہارون کے حکم سے دو محمل تیار کرائے گئے۔

ایک محمل میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو سوار کرایا گیا اور وہ محمل حسان سروی کے حوالہ کر کے بصرہ بھیجا گیا اور حسان کو حکم دیا گیا کہ اس قیدی کو عیسیٰ بن جعفر بن ابی جعفر کے حوالے کرے، اس کے علاوہ دوسرا محمل کوفہ روانہ کیا گیا، اس حرکت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے کہ امام علیہ السلام کس شہر میں قید ہیں۔

حسان امام علیہ السلام کا محمل لے کر سات ذی الحجہ کو بصرہ پہنچا، جہاں امام عالی مقام علیہ السلام کو عیسیٰ بن جعفر کی تحویل میں دے دیا گیا، اس نے اپنے دربار کے قریب ایک مَرے میں آپ کو قید کر دیا اور قید خانہ کا دروازہ حوائج ضروریہ یا طعام کے لیے کھولا جاتا تھا دربار میں سازندے آ کر ساز جاتے تھے لیکن امام علیہ السلام ان امور کی جانب کبھی توجہ نہیں دیتے تھے اور وہ شبانہ روز عبادت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔

بصرہ میں چند دن رکھنے کے بعد آپ علیہ السلام کو بغداد لے جایا گیا، جہاں آپ کچھ عرصہ قید رہے پھر آپ کو آزاد کر دیا گیا، پھر قید کر کے سند بن شہاب کے زندان میں آپ کو رکھا گیا، جہاں آپ نے سختیاں کیں۔

کھجوروں میں زہر شامل کر کے سندى بن شاہک کے پاس روانہ کیا اور اسے تاکيد کی کہ یہ زہر آلود کھجوریں امام علیہ السلام کو کھلائے۔
چنانچہ سندى بن شاہک لعین نے آپ کو وہ کھجوریں کھلائیں جس کی وجہ سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

ہارون امام علیہ السلام کی عظمت سے واقف تھا

۱۱۔ (محذوف اسناد) سفیان بن نزار کا بیان ہے کہ میں ایک دن مامون الرشید کے پاس کھڑا تھا کہ مامون نے اہل دربار سے کہا:-
جانتے ہو مجھے تشیع کا سبق دینے والا کون ہے ؟
حاضرین نے کہا: ہمیں کوئی علم نہیں۔
مامون نے کہا: مجھے تشیع کا درس دراصل ہارون الرشید نے دیا تھا۔
حاضرین نے تعجب سے کہا: بھلا یہ کیسے ممکن ہے وہ تو اہل بیتؑ کا مخالف تھا اور اہل بیتؑ کو قتل کرتا تھا !
مامون نے کہا: بالکل سچ ہے ! وہ اپنی حکومت کے لیے ایسا کرتا تھا کیونکہ بادشاہت عقیم ہوتی ہے ، اس کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہارون حج کرنے گیا اور سفر حج میں ، میں بھی اس کے ہمراہ تھا ، جب وہ مدینہ پہنچا تو اس نے اپنے دربانوں سے کہا کہ اہل مکہ و مدینہ میں سے جو شخص بھی مجھے ملنے آئے وہ اپنا نسب میرے سامنے بیان کرے۔

اس کے حکم کے بعد جو بھی اس سے ملنے آتا وہ اپنے متعلق تفصیل سے بتاتا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور وہ اپنے نسب نامہ کو کسی ہاشمی یا قریشی یا کسی مہاجر و انصار پر جاکم کرتا ، اور قوم قبیلہ کی بلندی کو دیکھ کر ہارون پانچ ہزار دینار کا حکم صادر کرتا اور اگر قوم قبیلہ کچھ زیادہ قابل فخر نہ ہوتا تو دو سو دینار کا حکم صادر کرتا

اور بلندی و پستی کا فیصلہ اس کے خاندان کے بزرگوں کے شرف و ہجرت اور اسلام کے لیے ان کی قربانیوں کو مد نظر رکھ کر کرتا۔

ایک دن میں اپنے والد کے پاس بیٹھا تھا کہ فضل بن ربیع نے آکر اطلاع دی کہ دروازے پر موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ملنے کے لیے آئے ہیں۔

یہ سن کر ہارون نے اپنے تمام مضامین اور مجھے اور امین و مؤتمن اور جملہ سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ وہ با ادب ہو کر ان کا استقبال کریں، اور دربان سے کہا کہ انہیں ادب سے اندر لے آؤ اور انہیں اسی قالین پر لے آؤ جہاں میں خود بیٹھا ہوں۔ چنانچہ چند لمحے بعد ایک بزرگوار تشریف لائے جو کہ عبادت کی وجہ سے نحیف و لاغر تھے اور ان کے چہرے پر خوف خدا سے زردی چھائی ہوئی تھی، ان کی نظر جیسے ہی ہارون پر پڑی تو ادب شاہی کی وجہ سے اپنے گدھے سے اترنے لگے۔

ہارون نے کہا: خدا کے لیے! آپ پیادہ نہ ہوں اور اگر اتریں تو یہاں قالین پر آکر اتریں، اس سے پہلے ہر گز پیادہ نہ ہوں۔

ہم نے بڑے ادب و احترام سے ان کو دیکھا، دربان انہیں گھیرے ہوئے قالین تک لائے، جب وہ قالین تک آگئے تو اپنی سواری سے اترے۔

ہارون نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کے چہرے اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور اپنے ساتھ انہیں بٹھایا اور بڑے ادب و احترام سے ان سے گفتگو کرنے لگے، اور دوران گفتگو ہارون نے ان سے سوال کیا۔

آپ کا خاندان کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے جواب دیا: پانچ سو سے زیادہ افراد ہیں۔
ہارون نے کہا: کیا یہ سب اولاد ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! ان میں سے زیادہ تعداد ہمارے غلاموں

کی ہے اور میری صلیبی اولاد تمیں سے کچھ زیادہ ہے جن میں سے اتنے لڑکے اور اتنی لڑکیاں ہیں۔

بارون نے کہا: تو آپؑ نے بیٹیوں کا نکاح اپنے رشتہ داروں میں کیوں نہیں کیا؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: تنگدستی آڑے آرہی ہے۔

بارون نے پوچھا: آپؑ کی زمین کا کیا بنا؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: کبھی آباد ہوتی ہے اور کبھی ویران رہ جاتی ہے۔

بارون نے کہا: تو آپؑ کے ذمہ کچھ قرض بھی واجب الادا ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! قریباً دس ہزار دینار کا میں مقروض ہوں۔

بارون نے کہا: میں آپؑ کی اتنی مدد ضرور کروں گا جس سے آپؑ کا قرض ادا ہو سکے اور آپؑ اپنی بیٹیوں کے فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں اور آپؑ اپنی زمین بھی آباد کرا سکیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھی بات ہے! آپؑ اپنے اہل علم کی صلہ رحمی کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری اس خدمت کو قبول فرمائے، ہم ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہیں، ہمارا نسب ایک ہے آپؑ کے دادا عباس، رسول خداؐ اور علی مرتضیٰ علیہما السلام کے چچا تھے اور ان دونوں کے لیے والد کے قائم مقام تھے یقیناً آپؑ کا تعلق شریف خاندان سے ہے۔

بارون نے کہا: ایدالحسن! میں ایسا کر کے اپنے لیے عزت محسوس کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے حکام پر فرض کیا ہے کہ وہ امت کے غریب افراد کی دستگیری کریں ان کو قرض سے نجات دلائیں اور انہیں لباس و رہائش کی تنگی سے بچائیں، اور یہ فرض آپؑ پر بدرجہ اولیٰ عائد ہوتا ہے۔

بارون نے کہا: آپؑ مطمئن رہیں میں ایسا ہی کروں گا۔

پھر امام علیہ السلام رخصت ہونے کے لیے اٹھے تو ہارون بھی ان کے ساتھ اٹھا اور ان کی آنکھوں اور ان کے چہرے کو یوسہ دیا، پھر ہارون نے مجھے (مامون) اور امین و مؤتمن کو حکم دیا کہ تم تینوں اٹھو اور اپنے چچا اور سردار کے آگے آگے چلو اور ان کی سواری کی رکاب تھام کر انہیں سوار کراؤ اور ان کے گھریک ان کی مشایعت کرو۔

جب ہم دربار سے روانہ ہوئے تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے چپکے سے مجھے خلافت کی بشارت دی اور فرمایا:-

جب تو حاکم بن جائے تو میری اولاد سے بھلائی کرنا۔

غرضیکہ ہم امام علیہ السلام کو ان کے گھریک چھوڑ کر واپس آئے اور اپنے والد کی اولاد میں سے میں کچھ زیادہ ہی جبارت کیا کرتا تھا۔

میں نے اپنے والد سے پوچھا: یہ بزرگوار کون تھے جن کی آپ نے اتنی تعظیم و تکریم فرمائی اور ہمیں ان کی رکاب تھامنے کا حکم دیا؟

میرے والد ہارون نے بتایا: یہ انسانوں کے امام اور خلق میں خدا کی جت اور بندوں پر خدا کے خلیفہ ہے۔

میں نے اپنے والد سے کہا: تو کیا ان تمام صفات کے حامل آپ نہیں ہیں؟ میرے والد نے کہا: ”میں ظاہری حکمران ہوں اور میری حکومت جبر و استبداد کی وجہ سے قائم ہے اور موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) حق کے امام ہیں اور خدا کی قسم رسول خدا (ص) کی نیابت کے لیے یہ مجھ سے بلکہ تمام کائنات سے زیادہ مستحق ہیں، اور مجھے حکومت اتنی پیاری ہے کہ اگر حکومت کے لیے تو بھی مجھ سے نزاع کرے تو میں تیرا سر پکڑ کر اسے بھی جدا کرنے سے دریغ نہیں کروں گا، کیونکہ حکومت کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہوتی۔“

پھر جب میرے والد نے مدینہ سے مکہ روانگی اختیار کی تو اس نے امام موسیٰ

کاظم (علیہ السلام) کے پاس سیاہ رنگ کی ایک تھیلی روانہ کی جس میں فقط دو سو دینار تھے اور اپنے دربان فضل بن ربیع سے کہا کہ یہ تھیلی موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہنا کہ ہم اس وقت کچھ تنگدستی میں مبتلا ہیں، مناسب وقت پر ہم آپ کی اعانت کریں گے !

اپنے والد کی یہ نا انصافی دیکھ کر میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا :
 ”اباجان ! آپ نے ہماجرین و انصار کی اولاد کو تو پانچ، پانچ ہزار دینار تک عطا کیے ہیں لیکن موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) کو صرف دو سو دینار بھیج رہے ہیں جب کہ آپ نے کسی دوسرے کی اتنی تعظیم و توقیر نہیں کی جتنی آپ نے موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) کی تعظیم کی ہے۔“

میرے والد نے مجھے جواب دیتے ہوئے کہا :۔

”خاموش ہو جا ! تیری ماں مرے ، اگر میں اپنے وعدہ کے مطابق انہیں رقم دے دوں تو مجھے یقین ہے کہ دوسرے دن ایک لاکھ شیعوں کی تلواروں کا مجھے مقابلہ کرنا پڑے گا۔

یاد رکھ ! اس خاندان کی غربت و افلاس میرے لیے سلامتی کی ضمانت ہے۔“

مخارق مغنی کی دریا دلی

اس موقع پر بارون الرشید کا ایک درباری گویا جس کا نام مخارق تھا، وہ بھی موجود تھا اور بارون کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اسے شدید صدمہ ہوا اور اس نے دل میں عہد کیا کہ مجھ سے جس طرح سے بھی ممکن ہوا امام علیہ السلام کی مدد کروں گا۔ چنانچہ وہ بارون کے سامنے کھڑا ہوا اور بارون سے کہنے لگا :۔

امیر المومنین ! اہل مدینہ بخونی جانتے ہیں کہ میں آپ کا درباری ہوں اور جب سے آپ مدینہ آئے ہیں ، اہل مدینہ مجھ سے بخشش کے طلب گار ہیں اور اگر

میں فقراءِ مدینہ کو کچھ دیئے بغیر چلا گیا تو لوگوں کو کیسے معلوم ہو گا کہ آپ مجھ سے شفقت فرماتے ہیں۔

چنانچہ بارون نے اس کے لیے دس ہزار دینار دینے کا حکم جاری کیا۔
مخارق نے کہا: امیر المومنین! یہ رقم تو مجھ سے فقراءِ مدینہ لے جائیں گے، میں خود بھی مقروض ہوں اور قرض ادا کرنے کی میرے پاس کوئی سہیل نہیں ہے۔

بارون نے اس کے لیے مزید دس ہزار دینار کا حکم صادر کیا۔
مخارق نے کہا: امیر المومنین! میری بیٹیاں جوان ہیں، میں ان کی رخصتی کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے بھی مجھے رقم کی شدید ضرورت ہے۔
 بارون نے مزید دس ہزار دینار کا حکم صادر کیا۔
 تیس ہزار دینار حاصل کرنے کے بعد مخارق نے کہا:-

امیر المومنین! حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے میں چاہتا ہوں کہ آپ مدینہ میں کچھ سرکاری زمین مجھے عطا کر دیں تاکہ میری بیٹیاں اپنے مستقبل کے متعلق پریشانی سے محفوظ رہیں۔

بارون نے اسے فوراً ایک جاگیر عطا کی جس کے غلہ کی سالانہ آمدنی دس ہزار دینار ہوتی تھی۔

چنانچہ مخارق تیس ہزار دینار نقد اور جائیداد کا قبالہ لے کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:-

مولانا! جو کچھ اس ملعون نے آپ کے ساتھ سلوک کیا مجھے اس کا شدید دکھ ہوا، چنانچہ میں نے بہانہ بنا کر یہ رقم اور جائیداد کا قبالہ اس سے حاصل کیا ہے مجھے نہ تو اس رقم کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس جائیداد کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ میں آپ کی نذر کرتا ہوں، آپ قبول فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تیرے جان و مال میں برکت عطا فرمائے میں یہ رقم اور جائیداد ہرگز قبول نہ کرتا لیکن میں تیری طرف سے یہ سب کچھ قبول کر رہا ہوں، اب رخصت ہو جا اور مجھ سے پھر رابطہ نہ کرنا، چنانچہ مخارق نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور رخصت ہو گیا۔ (۱)

۱۲۔ (حذف اسناد) ریان بن شیبیب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مامون سے سنا وہ کہا کرتے تھے:-

میں ہمیشہ سے اہل بیت سے محبت کیا کرتا تھا جبکہ رشید کے سامنے میں ان سے اپنی نفرت کا اظہار کیا کرتا تھا، جب رشید حج کرنے گئے تو میں اور محمد (ابن) اور قاسم (مؤمن) اس کے ساتھ تھے، جب وہ مدینہ پہنچے تو لوگ اس سے ملنے آئے، آخر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے ہارون نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور جھک کر انہیں گلے سے لگا لیا پھر ان سے احوال پرسی کی اور افراد خاندان کی خیریت دریافت کی اور مسلسل ان سے ان کے متعلق پوچھتے رہے اور وہ خیریت کا اظہار کرتے رہے جب وہ واپسی کے لیے اٹھے تو میرے والد بھی ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گلے لگا کر رخصت کیا، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اسے مجبور کر کے بٹھایا۔

میں اپنے والد کی اولاد سے کچھ زیادہ ہی جسارت کرنے کا عادی تھا، چنانچہ میں نے ان کی روانگی کے بعد اپنے والد سے پوچھا۔

یہ بزرگوار کون تھے جن کی آپ نے انتہائی تعظیم و توقیر کی ہے اور اتنی توقیر آپ نے کسی اور کی نہیں کی؟

میرے والد نے مجھ سے کہا:-

”یہ انبیاء کے وارث ہیں، یہ موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) ہیں اگر تجھے صحیح

علم کی ضرورت ہو تو صرف انہی سے ہی بل سکتا ہے۔“

چنانچہ اسی دن سے میرے دل میں اہل بیت کی محبت مزید پختہ ہو گئی۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی دعا اور رہائی

۱۳۔ محمد بن علی ماجیلویہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے علی بن ابراہیم سے ،

انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے ، انہوں نے کہا:-

میں نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص سے سنا۔

جب ہارون الرشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کیا اور زندان میں

جب پہلی رات آئی تو امام کو یہ اندیشہ ہوا کہ ہارون انہیں قتل نہ کروائے، چنانچہ انہوں

نے تجدد وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا مانگی۔

یا سیدی نجنی من حبس ہارون و خلصنی من یدہ

یا مخلص الشجر من بین رمل و طین (وماء) و یا مخلص اللبن

من بین فرث و دم و یا مخلص الولد من بین مشیمہ و رحم و

یا مخلص النار من الحديد و الحجر و یا مخلص الروح من بین

الاحشاء و الامعاء خلصنی من ید ہارون ۔

”میرے آقا! مجھے ہارون کی قید سے نجات دے اور مجھے اس کے ہاتھ سے

نجات دے، اے درخت کو ریت اور مٹی کی قید سے آزاد کرنے والے اور اے دودھ

کو گوبر اور خون کی قید سے نجات دینے والے اور اے چم کو شکم و رحم کی

سے رہائی دینے والے اور اے آگ کو لوہے اور پتھر کی سرحدوں سے نکالنے والے

اور اے روح کو انتڑیوں سے نکالنے والے مجھے ہارون کے ہاتھ سے آزادی عطا کر۔“

امام علیہ السلام کی دعا ختم ہوئی ، اس وقت ہارون گھر میں سویا ہوا تھا

اس نے خواب میں ایک سیاہ فام شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی ، وہ ہارون

کے سر پر کھڑا ہوا اور اس سے کہا:-

”اگر تو نے اس وقت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کو زندان سے رہا نہ کیا تو میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا۔“

یہ خواب دیکھ کر ہارون بہت ہی خوفزدہ ہوا اور بیدار ہو کر دربان کو حکم دیا کہ فوراً قید خانے جا کر موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) کو رہا کرو۔

چنانچہ دربان اسی وقت دروازہ زندان پر پہنچا اور قید خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
داروغہ زندان نے پوچھا۔

کون ہے ؟

تو اس نے کہا:-

میں ہارون کا فلاں دربان ہوں ، تم اسی وقت موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) کو رہا کرو ، کیونکہ خلیفہ اس وقت اسے یاد کر رہا ہے ۔

امام علیہ السلام خوفزدہ حالت میں قید خانہ سے نکلے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی اس تاریکی میں ہارون مجھ کو شہید کرنا چاہتا ہے ، آپ علیہ السلام زندگی سے مایوس ہو کر روتے ہوئے قید خانہ سے باہر آئے اور جب ہارون کے پاس پہنچے تو خوف و دہشت سے ان کا بدن کپکپا رہا تھا اور آپ نے ہارون کو سلام کیا۔
ہارون نے سلام کا جواب دیا اور کہا:-

آپ کو خدا کی قسم ! کیا آپ نے آج رات کوئی دعا مانگی ہے ؟
آپ علیہ السلام نے فرمایا:-

ہاں ! میں نے تجدید وضو کے بعد چار رکعات نماز پڑھی اور آسمان کی جانب نگاہ کر کے یہ دعا پڑھی ، اور آپ نے ہارون کو مذکورہ دعا سنائی۔
ہارون نے کہا:

اللہ نے آپ کی دعا قبول کی ، پھر اس نے دربان سے کہا انہیں رہا کر دے اور

ہارون نے تین پوشاکیں آپؐ کی نذر کیں اور سواری کے لیے اپنا ذاتی گھوڑا آپؐ کے سپرد کیا اور انہیں اپنا ندیم و صاحب بنا لیا اور امام علیہ السلام کی رہائش کے لیے ایک مکان فراہم کیا اور یوں امام علیہ السلام ہارون کی نظر میں محترم و مؤقر بن کر رہنے لگے اور آپؐ ہر جمعرات کے دن دربار میں تشریف لے جاتے تھے۔

پھر کچھ عرصے کے بعد ہارون نے آپؐ کو دوبارہ قید کیا اور اس بار اس قید سے آپؐ کو رہائی نصیب نہ ہوئی اور آپؐ کو سندی بن شاہک کے حوالے کیا گیا جہاں آپؐ کو زہر سے شہید کر دیا گیا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے طولانی سجدے

۱۲۔ (حذف اسناد) ثوبانی بیان کرتے ہیں :-

میں دس برس سے کچھ زیادہ عرصے تک دیکھتا رہا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سر سجدہ میں رکھتے اور زوال آفتاب تک آپؑ حالت سجدہ میں رہتے تھے ہارون نے کئی مرتبہ اپنے محل کی چھت سے قید خانہ میں جھانک کر یہ منظر دیکھا تو اس نے اپنے دربان ربیع سے کہا :-

ربیع ! قید خانہ میں ایک مخصوص مقام پر مجھے روزانہ ایک کپڑا پڑا ہوا نظر آتا ہے ، یہ کپڑا کیسا ہے ؟

ربیع نے کہا : یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سجدہ کرتے ہیں اور زوال آفتاب تک سر سجدہ سے نہیں اٹھاتے۔

ہارون نے کہا : ”بے شک موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بنی ہاشم کے راہبوں میں سے ہیں۔“

دربان نے کہا : پھر آپؑ نے انہیں قید میں کیوں رکھا ہوا ہے ؟

ہارون نے کہا : ایسا کرنا ضروری ہے !

وہ روایات جن سے امام موسیٰ کاظم کی

وفات ثابت ہوتی ہے (۱)

۱۔ (حذف اسناد) حسن بن علی بن یقطين نے اپنے بھائی حسین سے، اس نے اپنے والد علی بن یقطين سے روایت کی۔

ایک مرتبہ ہارون نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو شرمندہ کرنے کے لیے ایک جادوگر کو بلایا اور دسترخوان بچھایا گیا جس میں ہارون اور اعیان مملکت کے ساتھ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی موجود تھے۔

جب کھانا شروع ہوا، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے لقمہ توڑا تو جادوگر نے اپنے جادو کا شعبدہ دکھایا، لقمہ آپ کے ہاتھ سے پرواز کر گیا، یہ دیکھ کر ہارون اور اس کے ساتھی بے حد ہنسے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک پردہ پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی، آپ نے تصویر کی طرف دیکھ کر فرمایا:-

”اے شیر! خدا کے اس دشمن کو پکڑ لے۔“

ادھر آپ کے یہ الفاظ ختم ہوئے کہ تصویر مجسم شیر بن گئی اور اس نے جادوگر پر حملہ کر دیا اور چند لمحات میں اسے کھا لیا۔

یہ منظر دیکھ کر ہارون اور اس کے ساتھی بے ہوش ہو گئے، جیسے ہی انہیں

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد چند مفاد پرست قسم کے افراد نے یہ عقیدہ وضع کر لیا تھا کہ ان کی وفات ہی نہیں ہوئی اور وہ قریب یا مدت تک زندہ رہیں گے اور وہی اس امت کے مدد یں کر دوبارہ ظہور کریں گے، چنانچہ اس خود ساختہ نظریہ کے معتقدین نے امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا انکار کر دیا تھا، اور تاریخ میں یہ فرقہ ”واقفین“ کے نام سے مشہور ہوا، حضرت صدوق نے اس فرقہ کے باطل نظریات کی تردید کی غرض سے یہ باب قائم کیا، اور اس باب میں دس احادیث نقل فرمائیں۔

ہوش آیا دیکھا کہ جادوگر کا خون بہا ہوا ہے اور جادوگر شیر کا لقمہ بن چکا ہے۔

ہارون نے امام علیہ السلام سے درخواست کی۔

آپ کو میرے حق کی قسم! آپ تھری کو حکم دیں کہ وہ اس جادوگر کو اگل ڈالے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:-

اگر موسیٰ کلیم اللہ کے عصا نے جادوگروں کی رسیوں کو نگٹنے کے بعد اگلا تھا

تو یہ بھی اگل دے گا، اگر عصا نے جادوگروں کی رسیوں کو نہیں اگلا تھا تو یہ شیر بھی جادوگر کو نہیں اگلے گا۔

چنانچہ امام علیہ السلام کا سر دربار یہ معجزہ بھی آپ کی شہادت کا ایک سبب

بن گیا۔ (۱)

۲۔ (حذف اسناد) حسن بن محمد بن بشار بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عامی

المذہب شخص سے یہ روایت سنی اور وہ شخص مؤثق اور صادق شمار کیا جاتا ہے۔

اس نے کہا:-

میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جیسا عابد و پرہیزگار اور کہیں نہیں دیکھا

جب سندی بن شاہک ان کو زہر دے چکا تو وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے

کے لیے وہ اسی (۸۰) افراد کو اس زندان میں لے گیا جہاں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

قید تھے سندی نے ہمیں مخاطب کر کے کہا:-

حضرات! آپ اس قیدی کو خوب اچھی طرح سے دیکھیں اور پھر خود فیصلہ

کریں کہ آیا اس پر کوئی تشدد ہوا ہے، آج کل لوگ ہم پر اس کے متعلق بہت زیادہ

تقید کر رہے ہیں اور اس کی رہائش گاہ دیکھیں اور اس کا بستر دیکھیں، اس میں کسی

طرح کی کوئی تنگی ہم نے روا نہیں رکھی اور امیر المومنین ہارون اس سے کسی بد سلوکی

کا ارادہ نہیں رکھتے، ہارون نے اسے یہاں اس لیے نظر بند کیا ہوا ہے کیونکہ وہ اس

اہم سمجھتے ہیں کہ اس روایت کا باب کے موضوع سے کوئی خاص اثر چلا نہیں ہے۔

سے گفت و شنید کرنا چاہتا ہے ، آپ سب حضرات اسے اچھی طرح سے دیکھیں ، یہ بالکل شدرست ہے اور آپ خود بھی اس سے اس کے متعلق پوچھ سکتے ہیں۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے جواب میں کہا:-

جہاں تک زندان کے وسیع ہونے کا تعلق ہے تو وہ بات تو درست ہے لیکن میں تم لوگوں کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں ، مجھے سات خرما کے دانوں میں زہر دیا جا چکا ہے، کل میری رنگت سبز ہو جائے گی اور پرسوں میری موت واقع ہوگی۔
امام علیہ السلام کی یہ بات سن کر میں نے سند بن شاکب کو دیکھا تو اس کے اعصاب کانپ رہے تھے اور مید خرما کی طرح سے وہ لرز رہا تھا۔
حسن راوی کہا کرتے تھے کہ اس روایت کا راوی مقبول القول اور سچا شخص تھا۔

معززین شہر کا اجتماع

۳۔ (محذف اسناد) علی بن جعفر بن عمر راوی ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ رات کے ایک حصہ میں سند بن شاکب نے ایک غلام بھیج کر مجھے اپنے ہاں طلب کیا ، اتنے رات گئے بلاوے کی وجہ سے میں پریشان ہو گیا اور دل میں سوچا کہ شاید میں زندہ واپس نہ آ سکوں اسی لیے میں نے اپنے افراد خانہ کو وصیتیں کیں اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَا جِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۶) پڑھتے ہوئے اس کی جانب روانہ ہوا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا:-

ابو حفص ! اس ناگمانی بلا کی وجہ سے شاید تم خوف زدہ ہوئے ہو گے ؟

میں نے کہا: بالکل صحیح بات ہے۔

سند بن شاکب نے کہا: تمہیں یہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔

میں نے کہا: اگر ایسی ہی بات ہے تو ایک غلام کو میرے گھر روانہ کرو تا کہ وہ میرے اہل خانہ کو میری خیریت سے آگاہ کر دے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: ابو حفص! جانتے ہو میں نے تمہیں اس وقت کیوں بلایا ہے؟

میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو اس نے کہا:-

بھلا تم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کو جانتے ہو؟

میں نے کہا: ہاں! میں انہیں کافی عرصہ سے جانتا ہوں اور کافی عرصہ سے ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

پھر اس نے کہا: تم مجھے ایسے لوگ بتا سکتے ہو جن کی گواہی قابل قبول شمار ہوتی ہو۔ میں نے بہت سے لوگوں کے نام بتائے۔

اس نے ان تمام لوگوں کو بلا لیا۔ پھر تمام لوگوں سے کہا:-

آپ مجھے ایسے افراد بتائیں جو کہ موسیٰ بن جعفر (ع) کے شامسا ہوں۔
لوگوں نے بہت سے افراد کے نام گوائے۔

سندی نے ان سب کو جمع کرایا اور اسی تگ و دو میں صبح ہو گئی، ہم نے نماز پڑھی، سندى بن شاہک کا ایک غلام ایک رجسٹر لے کر آیا جس میں اس نے ہم سب کے نام مع ولدیت و رہائش تحریر کیے اور پھر وہ رجسٹر لے کر سندى کے ہاں چلا گیا۔

کچھ دیر بعد سندى بن شاہک باہر آیا اور مجھے اشارہ کر کے کہا:-

ابو حفص! اٹھو، آؤ پللیں۔

اس وقت ہم پچاس سے کچھ زیادہ افراد تھے، ہم سب اٹھے اور وہ ہمیں زندان کے ایک کمرے میں لے گیا اور ایک مردہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا:-
ابو حفص! اس کے منہ سے کپڑا ہٹاؤ۔

جب میں نے کپڑا ہٹایا تو وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا لاشہ تھا، میں یہ

منظر رکھ کر رو دیا اور **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** کی آیت تلاوت کی۔

پھر اس نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ فردا فردا جائیں اور امام علیہ السلام کے لاشہ کو غور سے دیکھیں۔

جب سب نے ان کا لاشہ دیکھ لیا تو سندی نے کہا:-

تم سب گواہی دیتے ہو کہ یہ موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کا لاشہ ہے؟

ہم نے کہا: ”جی ہاں! ہم اس بات کے گواہ ہیں“

پھر اس نے غلام سے کہا: میت کی شرم گاہ پر کپڑا ڈال دو اور باقی جسم ان حاضرین کو دکھاؤ۔

غلام نے ایسا ہی کیا۔

سندی نے کہا: کیا تمہیں میت کے جسم پر تشدد کے آثار کہیں نظر آتے ہیں؟

ہم نے کہا: نہیں!

پھر سندی نے کہا: تم لوگ اسے غسل و کفن دو۔

ہم نے انہیں غسل و کفن دیا اور ان کی میت کو جنازہ گاہ لایا گیا، جہاں

سندی بن شاہک نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور ہم انہیں دفن کر کے پھر واپس آئے۔

عمر بن واقد کہا کرتے تھے:-

مجھ سے زیادہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا جاننے والا کوئی نہیں، اس کے

باوجود مجھے حیرت ہے کہ لوگ انہیں زندہ کیسے مانتے ہیں جب کہ میں نے انہیں

اپنے ہاتھوں سے دفن کیا ہے۔ (۱)

(۱)۔ یہ روایت اس عقیدہ کے منافی ہے کہ معصوم کو غسل معصوم ہی دے سکتا ہے۔ لہذا اس پر خوب غور و فکر کریں۔

۴۔ (حذف اسناد) عتاب بن اسید کہتے ہیں ، اہل مدینہ کے مشائخ بیان کرتے ہیں :-

ہارون کی حکومت کے پندرہویں برس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون کے حکم سے سند بن شاہک نے زہر دے کر شہید کیا، آپ علیہ السلام کی شہادت شہر بغداد کے باب کوفہ کے قریب اس زندان میں ہوئی جسے ”دار مسیب“ کہا جاتا ہے، آپؑ نے پانچ رجب ۱۸۳ھ بروز جمعہ شہادت پائی اور اس وقت آپؑ کی عمر چون (۵۴) برس کی تھی، آپؑ کا مزار بغداد کے مغرب میں باب التین میں مقابر قریش میں واقع ہے۔

۵۔ (حذف اسناد) عبد اللہ صیرفی نے اپنے والد سے روایت کی، اس نے کہا :-
جب سند بن شاہک کے ہاتھوں سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تو آپؑ کے جنازہ کو ایک چارپائی پر رکھا گیا اور منادی نے ندا کی۔
لوگو ! یہ روافض کا امام ہے اسے پہچانو ۔

اور جب آپؑ کا جنازہ پولیس ہیڈ کوارٹر پر پہنچا تو چار افراد نے اعلان کیا۔
جو شخص خبیث ابن خبیث (نعوذ باللہ و نستغفرہ) کو دیکھنا چاہے وہ آکر اس لاش کو دیکھے ۔

اسی اثنا اور شور و غوغا کو سن کر سلیمان بن ابی جعفر جعفری اپنے محل سے اتر اور دریا کے کنارے آئے اور دشمنان آل محمد کی ہفوات کو سنا تو اس نے اپنے غلاموں اور ملازمین سے پوچھا یہ اعلان کس کے متعلق ہے ؟
انہوں نے بتایا۔

سندی بن شاہک یہ اعلان امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق کر رہا ہے۔
سلیمان نے حکم دیا :-

جب جنازہ پل سے مغربی جانب آئے تو کسی کو یہ اعلان نہ کرنے دیا جائے ،

ان کے ہاتھوں سے امام کا جنازہ لے لو اور انہیں مار مار کر بھگا دو اور ان کی سرکاری سیاہ وردی پھاڑ ڈالو۔

چنانچہ جیسے ہی جنازہ پل پر سے گزرا تو سلیمان کے ملازمین نے ان پر ہلہ بول دیا اور انہیں خوب مار پیٹ کر وہاں سے بھگا دیا اور لاش کو اپنی تحویل میں لے لیا، پھر منادی نے ندا دی۔
 ”جو شخص طیب بن طیب کو دیکھنا چاہتا ہو وہ آکر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دیکھے۔“

یہ اعلان ہوتے ہی مخلوق خدا جنازہ پر اٹھ آئی اور سلیمان کے حکم سے حضرت کو غسل و حنوط دیا گیا اور سلیمان نے اپنے لیے حیرہ کا بنا ہوا کفن تیار کرایا ہوا تھا جس کی قیمت اڑھائی ہزار دینار تھی، اس نے وہ کفن امام علیہ السلام کو پہنایا اور خود گریبان چاک کر کے ننگے پاؤں جنازہ کے ساتھ روانہ ہوا اور مقابر قریش میں حضرت کو دفن کیا۔

واقع نگاروں نے اس واقعہ کی اطلاع ہارون کو بھیجی تو ہارون نے سلیمان بن ابی جعفر کو تحریر کیا۔

چچا جان! آپ نے صلہ رحمی کا ثبوت دے کر اچھا اقدام کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا کرے گا، خدا کی قسم! سندی بن شاکب نے جو کچھ کیا ہے اس میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

۶۔ (حذف اسناد) سلیمان بن جعفر بصری نے عمر بن واقد سے روایت کی اس نے کہا:-

امام موسیٰ کاظمؑ کے فضائل و مناقب کی وجہ سے ہارون کا سینہ تنگ ہو گیا اور رات کے وقت شیعہ ان سے ملاقات کرتے تھے، اس وجہ سے ہارون نے سوچا کہ میں کس طرح سے اپنی حکومت اور جان کو محفوظ رکھ سکتا ہوں، چنانچہ اس نے حضرت کو

زہر دینے کا منصوبہ بنایا اور کھجوریں طلب کیں اور زہر کو سوئی کی نوک پر لگایا اور کھجور کے بیس دانے زہر آلود کیے ، جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ دانے زہریلے ہو چکے ہیں تو اس نے وہ دانے ایک تھالی میں رکھے اور نوکر سے کہا :-

”یہ تھالی موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو یہ بہت عمدہ کھجور ہے ، امیر المومنین نے خود بھی یہ کھائی ہے اور باقی کھجوریں انہوں نے آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو ہمارے حق کا واسطہ ، آپ یہ کھجوریں ضرور کھائیں اور ایک دانہ بھی واپس نہ کریں اور کسی اور کو بھی اس میں شریک نہ کریں۔“

نوکر تھالی لے کر امام علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں ہارون کا حکم سنایا ۔
امام علیہ السلام نے نوکر سے کہا :-
مجھے خلال کے لیے کوئی تیلی لا دو۔
نوکر نے تیلی پیش کی۔

اسی اثناء میں ہارون کی ایک چہیتی کتیا جس کے گلے میں سونے کی زنجیر پڑی ہوئی تھی ، وہ بھی امام علیہ السلام کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ نے کھجوریں کھانی شروع کیں اور ہر کھجور کے بعد آپ دانتوں میں خلال کرتے اور کھجوروں کے ریزے نکال کر تھوک دیتے ، ہارون کی کتیا نے اس لعاب دہن کو آکر چٹا ، جس کی وجہ سے وہ فوراً تڑپنے لگی اور موقع پر ہلاک ہو گئی۔
امام علیہ السلام نے تمام کھجوریں کھائیں۔

نوکر خالی پلیٹ لے کر ہارون کے پاس گیا تو اس نے پوچھا :-
کیا موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) نے تمام کھجوریں کھالیں ہیں ؟
نوکر نے اثبات میں جواب دیا۔

ہارون نے پوچھا: کھجوریں کھانے کے بعد ان کی طبیعت میں تجھے کوئی فرق

محسوس ہوا ؟

نوکر نے کہا: میں نے ان کی طبیعت میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔

اتنے میں کسی نے باردن کو کتیا کی موت کی اطلاع دی۔

بارون کو کتیا کے مرنے کا شدید صدمہ ہوا اور اسی نوکر کو بلا کر کہا:۔

مجھے سچ حالات بتاؤ ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔

نوکر نے کہا: میں کھجوروں کی تھالی لے کر ان کے پاس گیا اور میں نے انہیں آپ

کا سلام اور پیغام پہنچایا، انہوں نے خلال کے لیے ایک تیلی مجھ سے طلب کی جو میں

نے فراہم کر دی، اسی اثنا میں یہ کتیا بھی وہاں آپہنچی، انہوں نے کھجوریں کھائیں اور

خلال کے ساتھ مسوڑھوں میں پھنے ہوئے ذرات باہر پھینکے، کتیا نے آکر وہ چاٹ

لیے جس کی وجہ سے یہ کتیا ہلاک ہو گئی۔

یہ سن کر بارون کہنے لگا: ہمیں موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) سے کیا فائدہ

پہنچا، ہم نے اسے بہترین کھجوریں کھانے کو دیں اس نے ہماری کتیا کو مار ڈالا اور

ہمارے زہر کو ضائع کر دیا، معلوم ہوتا ہے اس پر ہمارا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو رہا۔

شہادت سے تین روز پہلے امام علیہ السلام نے مسیب کو بلایا، وہ آپ کا نگران

تھا۔

جب مسیب آیا تو آپ نے فرمایا:۔

میں آج رات اپنے ناناً جان کے شہر جاؤں گا تاکہ اپنے بیٹے علی (رضا)

کو ان کا عمدہ حوالہ کروں اور اسے اپنا وصی اور جانشین مقرر کروں۔

مسیب کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا:۔

مولا! میں مجبور ہوں، میں یہ دروازے کیسے کھول سکتا ہوں جب کہ میرے

علاوہ اور بھی بہت سے چوکیدار یہاں پہرہ دے رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

میتب ! تو کیا اللہ تعالیٰ اور ہمارے متعلق تمہارا یقین کمزور ہو گیا ہے ؟
میں نے عرض کیا : نہیں ! آپ اللہ سے دعا مانگیں مجھے اس یقین پر ثبات و
قائم رکھے ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا : خدا یا ! اسے یقین پر قائم رکھ۔
پھر آپؑ نے فرمایا : میں وہ دعا پڑھوں گا جو سلیمان بن داؤد علیہما السلام
کے بارے میں آصف نے پڑھی تھی اور جس کی برکت سے تخت بقیس کو چشم زدن میں
حاضر کر دیا تھا ، اور اسی دعا کی وجہ سے اللہ مجھے اور میرے بیٹے علی کو بھی ملا دے
گا۔

مسیب کہتے ہیں : میں نے حضرت کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا ، اس کے بعد
آپؑ مجھے مصلیٰ پر نظر نہیں آئے ، میں حیرت و استعجاب سے وہاں کھڑا رہا ، پھر میں
نے دیکھا کہ آپ اسی جگہ واپس آئے اور طوق و زنجیر پہننے لگے۔

معرفت آل محمدؑ کی نعمت کے حصول پر میں سجدہ شکر بجا لایا۔

پھر آپؑ نے فرمایا : میتب ! سر بلند کرو اور جان لو کہ میں تیسرے دن اس
دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر میں رونے لگا۔

حضرتؑ نے فرمایا : میتب ! مت رو ، میرے بعد میرا بیٹا علی تیرا امام اور
مولا ہے ، اس کی ولایت سے متمسک رہنا اور جب تک تو اس سے متمسک رہے گا ،
گمراہ ہونے سے محفوظ رہے گا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

پھر تیسری شب امامؑ نے مجھے بلا کر فرمایا :۔

” تجھے معلوم ہے میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں ، جب میں تجھ
سے پانی طلب کر کے پیوں گا تو ، تو دیکھے گا کہ میرا شکم پھول جائے گا اور میرا

رنگ پہلے پیلا پھر سرخ اور آخر میں سبز ہو جائے گا تو طاعون (ہارون) کو میری وفات کی اطلاع کر دینا لیکن اس سلسلہ میں تم خصوصی احتیاط یہ کرنا کہ میری وفات سے پہلے کسی کو اطلاع نہ دینا۔“

میں امام کے فرمان کا منتظر رہا ، آخر کار آپ نے مجھ سے پانی طلب کیا اور پانی پینے کے بعد فرمایا :-

”میتب ! یہ نجس ہندی بن شاہک گمان کرتا ہے کہ وہ مجھے غسل دے گا اور مجھے دفن کرے گا ، ایسا کبھی نہیں ہو گا ، جب میری لاش تم لے کر مقابر قریش پہنچو تو مجھے وہاں دفن کر دینا ، اور میری قبر کو چار انگلیوں سے زیادہ بلند مت کرنا اور تبرک کے لیے میری قبر کی مٹی نہ اٹھانا کیونکہ میرے دادا حسین علیہ السلام کی تربت کے علاوہ تمام قسم کی تربت حرام ہے ، اللہ نے خاک کربلا کو ہمارے شیعوں اور دوستوں کے لیے شفا بنایا ہے۔“

اچانک میں نے آپ کے جسم کے تریب ایک شخص کو دیکھا جو آپ کی شبیہ تھا جب کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو بہت پہلے بچپن میں دیکھا تھا ، اس لیے پہچان نہ سکا اور چاہا کہ ان سے پوچھوں کہ وہ کون ہیں تو اسی وقت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھے صدا دے کر فرمایا :-

”میتب ! کیا میں نے اس سے پہلے تجھے منع نہیں کیا تھا ؟“

پھر میں صبر کے ساتھ سب کچھ دیکھتا رہا ، پھر وہ جوان رخصت ہوا ، پھر میں ہارون کے پاس گیا اور اسے امام علیہ السلام کی موت کی خبر دی۔

جب غسل و کفن کا وقت آیا تو ہندی بن شاہک اپنے دوستوں سمیت غسل و کفن کے لیے آیا ، میں نے اسی نوجوان کو دیکھا وہ ان کی مدد کر رہا تھا اور ہندی اور اس کے دوست یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ امام نو غسل دے رہے ہیں جب کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ امام علیہ السلام کے بدن تک پہنچ ہی نہیں

رہے تھے، بس وہی نوجوان امام علیہ السلام کو غسل دے رہا تھا اور اسی نے ہی آپ کو حنوط لگایا پھر جب وہ غسل و حنوط سے فارغ ہوا تو اس نے مجھ سے کہا:-

”میتب! جس چیز کے متعلق چاہو شک کر لینا لیکن میرے متعلق کبھی شک نہ کرنا، میں ہی تیرا امام اور مولا اور اللہ کی طرف سے اپنے والد کے بعد تجھ پر جت ہوں۔ اے میتب! میری مثال صدیق یوسف علیہ السلام کی سی ہے، جسے بھائیوں نے نہیں پہچانا تھا جب کہ وہ (یوسف) بھائیوں کو پہچانتے تھے۔“

پھر امام علیہ السلام کے جنازہ کو مقابر قریش میں دفن کیا گیا اور ان کے حکم کے مطابق ان کی قبر کو چار انگشت باہر کیا گیا، اس کے بعد لوگوں نے ان کی قبر کو بلند کیا اور مزار تعمیر کی۔

۷۔ (بخاری اسناد) سلیمان بن حفص مروزی نے کہا:-

ہارون الرشید نے ۱۷۹ھ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کیا اور ۱۸۳ھ ہجری، پچیس رجب کو سینتالیس (۱) سال کی عمر میں زندان ہارون میں ان کی وفات ہوئی اور مقابر قریش میں دفن ہوئے، آپ کی مدت امامت پینتیس سال اور چند ماہ ہے اور آپ کی والدہ ام ولد تھیں جنہیں حمیدہ کہا جاتا تھا اور اسحاق اور محمد آپ کے سگے بھائی تھے آپ نے اپنے فرزند علی رضا علیہ السلام کی امامت پر نص فرمائی۔

۸۔ (بخاری اسناد) محمد بن صدقہ غنیری نے کہا:-

اب الابرارہیم موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) کی وفات ہوئی تو ہارون نے طالبین اور ان عباس کے شیوخ اور دیگر حکام اور معززین کو جمع کیا اور کہا:-

یہ موسیٰ بن جعفر علیہما السلام ہے، یہ اپنی طبعی موت مرے ہیں اور میرے اور ان کے درمیان جو اختلاف تھے ان کے لیے میں خدا سے استغفار کرتا ہوں،

نوٹ:- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر کے متعلق روایات کتب کو مغایہ ہوا، کیونکہ آپ والد کی وفات کے وقت اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کے تھے اور والد کے بعد آپ پینتیس برس اور چند ماہ زندہ رہے اس لحاظ سے آپ کی عمر چون برس قرار پاتی ہے اور شیخ مفید اور شیعہ ائمہ نے بھی آپ کی عمر چون برس تحریر کی ہے۔

تم لوگ جا کر ان کے جنازہ کو دیکھو۔

بارون کے ستر پیروکار گئے انہیں کسی قسم کے زخم اور تشدد کے نشان نظر نہ آئے البتہ ان کے پاؤں پر مہندی کے نشان تھے ، سلیمان بن جعفر نے انہیں غسل دلایا اور انہیں کفن دیا اور پاپیادہ ان کے جنازہ میں شامل ہوا۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں ہم نے یہ روایات اسی لیے درج کی ہیں تاکہ فرقہ واقفہ کے باطل نظریات کی تردید ہو سکے ، امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کی تردید کے لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ امام کو غسل امام ہی دیتا ہے۔

اس کے لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہی ہے کہ امام کو غسل دینا امام کا حق ہے ، اور اگر کوئی ظالم امام کو اس کے حق سے روک دے تو نئے امام کی امامت باطل نہیں ہوگی۔

ثانیاً : ایک سابقہ روایت میں ہمارے قارئین یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام علی رضا علیہ السلام نے ہی غسل دیا تھا ، اور امام کے لیے زمینی فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

۹۔ (حذف اسناد) علی بن رباط کہتے ہیں :-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے ہاں ایک شخص رہتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آپ کے والد کی وفات نہیں ہوئی ، وہ زندہ جاوید ہیں اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

سبحان اللہ ! کیسی عجیب بات ہے ، رسول خدا کی وفات تو ہوئی لیکن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی وفات نہیں ہوئی۔

ہاں ہاں ! خدا کی قسم ، وہ وفات پا چکے ہیں ان کا مال تقسیم ہو چکا ہے اور

ان کی کنیزوں نے نئے نکاح کر لیے ہیں۔

۱۰۔ (مخفف اسناد) حمد بن عبد اللہ الفروی نے اپنے والد سے روایت کی ہے ، انہوں نے کہا :-

میں ایک دن فضل بن ربیع کو ملنے گیا تو وہ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے ۔

اس نے مجھ سے کہا : قریب آؤ ۔

میں قریب ہوا اور جب بالکل اس کے ساتھ ہوا تو اس نے کہا :-
سامنے گھر کی طرف دیکھو ۔

میں نے اس کے اشارہ کردہ گھر کی جانب دیکھا ۔

فضل نے کہا : تجھے کچھ صحن میں دکھائی دیتا ہے ؟

میں نے کہا : ایک کپڑا پڑا ہوا ہے۔

اس نے کہا : اچھی طرح غور کر کے دیکھو۔

جب میں نے خوب غور کر کے دیکھا تو کہا :-

یہ ایک شخص معلوم ہوتا ہے جو حالت سجدہ میں ہے۔

اس نے کہا : اس سجدہ کرنے والے کو جانتے ہو ؟

میں نے کہا : نہیں !

اس نے کہا : یہ تیرا آقا ہے۔

میں نے کہا : میرا کون سا آقا ہے ؟

اس نے کہا : تم تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہو ۔

میں نے کہا : ہر گز نہیں ، میں تجاہل سے کام نہیں لے رہا ، میں اپنے کسی آقا سے واقف نہیں ہوں۔

اس وقت فضل نے کہا : انہیں پہچان ، یہ ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

ہیں۔

میں دن رات ان کی نگرانی کرتا رہتا ہوں اور انہوں نے اپنے اوقات کو اس طرح سے ترتیب دیا ہے کہ نماز فجر کے بعد کچھ دیر تعقیبات میں مصروف رہتے ہیں اور طلوع آفتاب تک تعقیبات چلا لیتے ہیں، پھر وہ سجدہ کرتے ہیں، سورج کے زوال تک وہ سجدہ میں رہتے ہیں اور جب غلام انہیں زوال کی خبر دیتا ہے تو وہ کسی تجدید وضو کے بغیر نماز ظہر ادا کرتے ہیں، اس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سجدہ میں نیند نہیں کرتے اور پھر تعقیبات و اوراد میں مصروف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ نماز عصر پڑھتے ہیں۔

نماز عصر کے بعد وہ سجدہ کرتے ہیں اور غروب آفتاب سے پہلے وہ سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے، جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو کسی وضو کی تجدید کے بغیر نماز مغرب و عشاء پڑھتے ہیں۔

پھر وہ کھانا تناول فرماتے ہیں، اس کے بعد تجدید وضو کر کے پھر سجدہ کرتے ہیں، پھر سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں اور ہلکی سی نیند کرتے ہیں پھر کھڑے ہو کر تجدید وضو کرتے ہیں اور پھر رات کا تمام حصہ عبادت اور نماز شب میں بسر کرتے ہیں اور جب غلام انہیں طلوع فجر کی اطلاع دیتا ہے تو وہ نماز فجر ادا کرتے ہیں، جب سے وہ آئے ہیں ان کا یہی نظام الاوقات ہے۔

میں (راوی) نے فضل سے کہا:-

چونکہ امام موسیٰ کاظمؑ تمہاری تحویل میں ہیں، ان سے بدسلوکی کر کے زوال نعمت کے اسباب فراہم نہ کرنا۔

اور تم غولی جانتے ہو کہ اس خاندان کے افراد کے ساتھ جس نے بھی بدسلوکی کی ہے، خدا نے اس سے اپنی نعمتیں چھین لی ہیں۔

فضل نے کہا: اہل اقتدار کی طرف سے مجھے کئی مرتبہ ان کے قتل کا حکم ملا

ہے لیکن میں نے ان کی بات پر عمل نہیں کیا اور میں نے انہیں کمرہ دیا ہے کہ اگرچہ مجھے خود بھی کیوں نہ قتل ہونا پڑے پھر بھی میں امام موسیٰ کاظمؑ کو ہرگز قتل نہیں کروں گا۔

پھر امام علیہ السلام کو فضل بن ربیع کی نگرانی سے نکال کر فضل بن یحییٰ برکلی کی تحویل میں دے دیا گیا اور حضرت کئی دن اس کے ہاں قید رہے اور اس دوران تین دن رات تک فضل بن ربیع آپ کے لیے کھانا بھیجتا رہا، چوتھی رات فضل بن یحییٰ برکلی کی طرف سے آپ کے لیے کھانا بھیجا گیا۔

امام علیہ السلام نے آسمان کی جانب ہاتھ بلند کیے اور کہا:-

”پروردگار! تو جانتا ہے اگر اس سے پہلے میں اس قسم کا کھانا کھاتا تو یقیناً میں اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کو دعوت دینے والا سمجھا جاتا (لیکن آج مجھے مجبور کر کے یہ غذا کھلائی جارہی ہے!)۔“

پھر آپ نے وہ کھانا کھایا اور کھانا کھاتے ہی بیمار ہو گئے۔

طیب لایا گیا۔

تو آپ نے اس کے سامنے اپنی ہتھیلی میں پیدا ہونے والا وہ رنگ دکھایا جو زہر کے اکٹھا ہونے سے پیدا ہو چکا تھا۔

طیب واپس آیا تو اس نے کہا:-

”جو کچھ تم نے قیدوں کے ساتھ سلوک کیا ہے، وہ اسے تم سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔“

پھر حضرت کی وفات ہو گئی۔

باب 9

امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد ہارون نے ایک ہی شب میں جن سادات کو قتل کرایا

۱۔ (حذف اسناد) عبداللہ بزاز نسیا پوری کا بیان ہے کہ میرا حمید بن قحطبہ طائی طوسی کے ساتھ کچھ لین دین تھا۔

چنانچہ میں ماہ رمضان میں اس سے ملنے کے لیے گیا، جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس کے غلاموں نے میری آمد کی اطلاع کی، اس نے مجھے بلا تاخیر ملاقات کے لیے بلایا۔

میں نے داخل ہو کر اسے سلام کیا اور بیٹھ گیا، اسی اثنا میں نوکر اس کے سامنے طشت اور لوٹا لے کر آیا، اس نے ہاتھ دھوئے اور پھر اس نے مجھے ہاتھ دھونے کا حکم دیا، میں نے بھی ہاتھ دھوئے، پھر دستر خوان چھ گیا۔

مجھے یہ یاد نہ رہا کہ ماہ رمضان ہے اور میں حالت روزہ میں ہوں چنانچہ میں نے بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر دو تیس لقمے کھائے، جیسے ہی مجھے یاد آیا کہ میں حالت روزہ میں ہوں تو میں نے اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا۔

حمید نے کہا:-

کھانا کیوں نہیں کھاتے ؟

میں نے کہا:-

میں روزہ سے ہوں اور بھول کر چند لقمے کھا لیے البتہ آپ کے پاس کوئی عذر شرعی موجود ہو گا جس کی وجہ سے آپ نے روزہ نہیں رکھا۔

اس نے کہا:-

مجھے کوئی بیماری نہیں جس کی وجہ سے مجھے روزہ معاف ہو، میں بالکل تندرست و صحت مند ہوں، پھر وہ رونے لگا۔

جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو میں نے اس سے پوچھا۔
امیر! آپ کیوں روتے ہیں؟
اس نے کہا:-

میں اپنی بد بختی پر روتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک رات جب کہ ہارون الرشید طوس میں تھا، اس نے مجھے بلایا جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا اس کے سامنے ایک شمع جل رہی تھی اور ایک سبز قسم کی بے نیام تلوار رکھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک خادم کھڑا ہوا تھا۔

جب میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سر اٹھا کر میری جانب دیکھا اور کہا:-

تم اپنے امیر کی اطاعت کس حد تک کر سکتے ہو؟
میں نے کہا:-

میں جان و مال اطاعت امیر کے لیے قربان کر سکتا ہوں۔

اس نے کچھ دیر سر جھکایا پھر مجھے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

میں اپنے گھر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ کچھ دیر کے بعد پھر ہارون کا قاصد آگیا اور مجھے کہا کہ تجھے خلیفہ یاد کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے دل میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ پڑھا اور میں نے سوچ لیا کہ ہونہو خلیفہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، اور شاید پہلی مرتبہ اسے شرم محسوس ہوئی، اس مرتبہ وہ کوئی رحم نہیں کرے گا۔

بہر نوع میں کانپتا ہوا پھر اس کے سامنے گیا تو اس نے کہا:-

تم اپنے امیر کی اطاعت کس حد تک کر سکتے ہو ؟
میں نے کہا :-

میں اطاعت امیر کے لیے اپنی جان ، اولاد اور مال قربان کر سکتا ہوں ۔
یہ سن کر وہ تھوڑا سا مسکرایا اور مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔
اب کی بار میں اپنے گھر پہنچا تو کچھ دیر بعد پھر خلیفہ کے قاصد نے
دروازے پر دستک دی اور کہا :-
تجھے خلیفہ یاد کر رہے ہیں ۔

جب میں تیسری مرتبہ اس کے سامنے گیا تو اسے اسی حال میں پایا اور اس
نے مجھ سے وہی پرانا سوال دہراتے ہوئے پوچھا ۔
تم امیر کی اطاعت کس حد تک کر سکتے ہو ؟
میں نے کہا :-

میں امیر کی اطاعت کے لیے جان ، اولاد ، مال اور ایمان قربان کرنے پر آمادہ
ہوں۔

میرا جواب سن کر وہ ہنسنے لگا اور مجھے کہا :-
یہ تلوار اٹھا اور اس غلام کے ساتھ جا اور جو کچھ تجھے یہ حکم دے اس کی
تعمیل کر۔

چنانچہ غلام مجھے لے کر ایک جگہ پہنچا جہاں تین بند کمرے تھے اور صحن
میں ایک کنواں تھا۔

غلام نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا ، اس میں بیس افراد قید تھے جن میں
بچے ، چچیاں اور بوڑھے افراد شامل تھے۔

غلام نے دروازہ کھول کر مجھے کہا :-

امیر المومنین کا حکم ہے کہ ان سب کو قتل کر دے۔

چنانچہ غلام ان میں سے ایک ایک قیدی کو لاتا گیا اور میں بے دریغ قتل کرتا چلا گیا، پھر میں نے ان کے لاشے کنویں میں ڈال دیئے۔

پھر اس کے بعد اس نے دوسرا کمرہ کھولا، اس میں بھی بیس افراد قید تھے غلام ایک ایک قیدی کو لاتا گیا اور میں قتل کرتا رہا اور میں نے ان کے بے جان لاشے بھی اسی کنویں میں پھینک دیئے۔

آخر میں غلام نے تیسرا کمرہ کھولا، اس میں بھی بیس افراد قید تھے، غلام ایک ایک قیدی کو لاتا گیا اور میں قتل کرتا گیا اور جب ان میں سے انیس افراد کو قتل کر چکا تو آخر میں ایک بوڑھا قیدی میرے سامنے لایا گیا، اس قیدی نے کہا:-

اے بد بخت! قیامت کے روز تو ہمارے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے قتل کے متعلق کیا جواب دے گا۔

تو نے غلی و زہرا کی اولاد میں سے ساٹھ افراد کو ناحق قتل کیا ہے، اس دن تو کیا جواب دے گا؟

اس وقت میرا ہاتھ کانپنے لگا اور میرے جسم پر لرزہ طاری ہوا، غلام نے مجھے سختی کے ساتھ جھڑکا اور کہا کہ امیر المومنین نے تجھے ان سب کے قتل کا حکم دیا ہے، چنانچہ میں نے اس بوڑھے قیدی کو بھی آخر میں قتل کر دیا، اور اس کا لاشہ بھی اسی کنویں میں ڈال دیا۔

اب جب کہ تم میرا ظلم سن چکے ہو تو مجھے بتاؤ مجھے نماز روزہ سے کیا فائدہ ہو گا، میں اولاد رسول میں سے ساٹھ افراد کا قاتل ہوں، مجھے اپنے دوزخی ہونے کا مکمل یقین ہے، اسی لیے نماز روزہ کا تکلف کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟

منصور دوانقی کا ظلم

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں کہ ذریت رسول کے ساتھ منصور نے بھی اسی طرح کا سلوک روا رکھا تھا، اس کے ظلم کی داستانیں بہت طویل ہیں جن میں سے ایک داستان ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

۲۔ ہم سے احمد بن محمد بن حسین نے بیان کیا، اس نے ابو منصور مطرز سے روایت کی، اس نے کہا میں نے حاکم ابو احمد محمد بن محمد بن اسحاق انماطی نیشاپوری سے سنا، اس نے اسناد متصل سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

جب منصور دوانقی نے بغداد شہر قائم کیا تو سادات کو تلاش کرتا، اسے جہاں بھی سید ملتے انہیں مکانات کی دیواروں میں چنا دیتا۔

ایک دن ایک خوبصورت بچہ جس کا تعلق امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی نسل سے تھا پکڑ کر لایا گیا اور منصور نے اس کے متعلق یہ حکم دیا کہ اسے بھی دیوار میں چنوا دیا جائے۔

مکان دھڑا دھڑ بن رہے تھے، اس مظلوم بچے کو پکڑ کر ایک معمار کے پاس لایا گیا اور اسے کہا گیا کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ اسے دیوار میں چن دیا جائے۔ تعمیل حکم کے لیے حکومت کے کارندے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

معمار نے معصوم بچے کو دیکھا تو اس کا دل لرز اٹھا، بہر حال اس نے دیوار میں ادھر ادھر اینٹیں لگائیں اور اس کے درمیانی حصہ کو خالی رکھ کر معصوم بچے کو لٹا دیا اور اوپر اینٹیں چن دیں اور اس نے اینٹوں کے درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ رکھ دیا جس میں سے ہوا کی آمد و رفت جاری رہ سکے۔

اس کے بعد حکومت کے کارندے اپنے گھروں کو چلے گئے اور رات کی تاریکی میں وہی معمار دیوار کے قریب آیا اور آہستہ آہستہ اینٹیں ہٹائیں اور بچے کو دیوار میں

سے برآمد کیا اور اس سے کہا :-

اب آپ کا گھر چلے جانا مناسب نہیں ہے، آپ اللہ کی وسیع زمین پر کہیں دور دراز علاقے میں چلے جائیں اور اپنی جان چائیں، اگر حکومت کے کارندوں نے آپ کو کہیں دیکھ لیا تو آپ کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دیں گے، میں نے رسول خداؐ کی خوشنودی کے لیے آپ کو اس دیوار سے نکالا ہے۔

پھر معمار نے بچے کے سر کے بال مونڈ دیئے اور کہا :-

اب آپ کہیں چلے جائیں اور کبھی بھی غلطی کر کے اپنی ماں کے پاس مت جائیں۔

معصوم بچے نے کہا :-

ٹھیک ہے میں کہیں چلا جاؤں گا، تم نشانی کے طور پر میرے بال میری بیوہ ماں کے پاس لے جانا اور اسے تسلی دینا، پھر بچے نے معمار کو اپنے گھر کا پتہ بتایا۔

معمار کہتا ہے کہ میں ایک رات بچے کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا تو ایک مکان سے مجھے ایک خاتون کے رونے کی دھیمیں دھیمی آواز آئی، میں سمجھ گیا کہ یہ مکان اس بچے کا ہے اور اس کی ماں اپنے بیٹے کو یاد کر کے رو رہی ہے۔

میں نے اس دروازہ پر آہستہ سے دستک دی غنی بی نے دروازہ کھولا میں نے اسے اس کے بیٹے کی تمام داستان غم سنائی اور اس کے بال ماں کے حوالے کر کے واپس آ گیا۔

معمار کہتا ہے :-

مجھے پھر پتہ نہیں چلا کہ وہ معصوم بچہ اس کے بعد کہاں گیا اور اس کا کیا

ہنا۔

فرقہ واقفہ کیونکر معرض وجود میں آیا ؟

۱۔ (حذف اسناد) ربیع بن عبد الرحمن کہتے تھے :-

امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام انتہائی صاحب فراست تھے ، آپ اپنی فراست ایمانی سے ان لوگوں کو بخوبی جانتے تھے جو آپ کی موت کا انکار کرنے والے تھے اور آپ کے جانشین امام حق کے منکر بننے والے تھے ، اس کے باوجود آپ اپنا غصہ ضبط کرتے تھے اور ان کے سامنے کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے تھے ، اسی لیے آپ کا لقب کاظم رکھا گیا۔

۲۔ (حذف اسناد) یونس بن عبد الرحمن کہتے ہیں :-

جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو اس وقت جتنے بھی آپ کے امین تھے ان سب کے پاس خمس کی ایک بڑی رقم موجود تھی۔ چنانچہ اسی مال خمس کو کھانے اور چھپانے کے لیے انہوں نے یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی اور آپ زندہ جاوید ہیں۔ چنانچہ زیاد بن مروان قتدی کے پاس ستر ہزار دینار تھے اور علی بن حمزہ ثمالی (بطائنی ثمالی) کے پاس تیس ہزار دینار تھے۔

جب میں نے ان کی تزویراتی گفتگو سنی اور اس کے ساتھ اللہ نے مجھے حق کی ہدایت فرمائی اور میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کو تسلیم کیا اور میں نے اس کا پرچار شروع کیا تو ان دونوں نے مجھے کہا:-

تو یہ کیا کر رہا ہے ؟

اگر تجھے دولت کی ضرورت ہے تو ہم تجھے مالا مال بنانے کو تیار ہیں، تم علی رضا (علیہ السلام) کی امامت کا پرچار چھوڑ دو۔

میں نے ان دونوں کی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے کہا:-

ہم نے امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت کی -
انہوں نے فرمایا:-

”جب بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس سے نور ایمان سلب کر لیا جائے گا۔“
میں نے ان دونوں سے کہا:-

میں امر خداوندی کے لیے کسی بھی قیمت پر جہاد چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں ،
اس لیے ان دونوں نے مجھ سے دشمنی رکھی اور میری مخالفت کی (۱)۔

۳۔ (حذف اسناد) احمد بن حماد کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک امین کا نام عثمان بن عیسیٰ روایت تھا اور اس نے مصر میں رہائش رکھی ہوئی تھی ، اس کے پاس بہت سی دولت اور چھ کنیزیں تھیں ، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد اس سے مذکورہ چیزوں کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب میں تحریر کیا۔

میں یہ چیزیں آپ کے سپرد کیونکر کروں جب کہ آپ کے والد کی وفات ہی نہیں ہوئی ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے اسے تحریر فرمایا:-

میرے والد کی وفات ہو چکی ہے ہم ان کی میراث بھی تقسیم کر چکے ہیں اور ان کی موت کی خبریں صحیح ہیں ۔

لیکن اس بدعت نے جواب میں لکھا۔

اگر آپ کے والد کی وفات نہیں ہوئی اور وہ زندہ ہیں تو آپ کو ان چیزوں

۱۔ بعض نسخوں کے حاشیہ پر مرقوم ہے کہ یونس بن عبد الرحمن اس روایت میں مفقود ہے اور علی بن ابی حمزہ ثمالی کے لیے یہ تفسیر کرنی پڑی۔ مشکل ہے کہ وہ فرقہ فقیہ سے تعلق رکھتے تھے جب کہ وہ علماء رجاں کے ہاں جلیل القدر شیعہ راوی مانتے جاتے ہیں اور یہ خیال ہے کہ بعض علماء نے اسی وجہ سے یونس کی توثیق کرنے سے احتراز کیا ہے۔

کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے ، اگر وہ بالفرض وفات بھی پا گئے ہوں تو بھی میں مذکورہ اشیاء آپ کے حوالے نہیں کروں گا کیونکہ آپ کے والد نے مجھے اس طرح کا حکم نہیں دیا تھا ۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں :-

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مال و دولت جمع کرنے والے انسان ہرگز نہیں تھے ، حکومت وقت سے آپ کی شدید مخالفت تھی ، اسی لیے آپ امین افراد کے پاس مال و دولت رکھا دیتے تھے تاکہ بوقت ضرورت مستحقین میں تقسیم کی جاسکے۔ علاوہ ازیں مذکورہ دولت آپ کے پاس بغرض تقسیم نہیں بھیجی گئی بلکہ آپ کے عقیدت مند افراد نے آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ روانہ کی تھی ۔

عقیدہ توحید کے متعلق امام علی رضا کے فرامین

۱۔ (حذف اسناد) یا سر خادم سے روایت ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔
آپ نے فرمایا:-

من شبه الله تعالى ، بخلقه فهو مشرك ، ومن نسب اليه ما نهي عنه فهو كافر ۔

”جس نے اللہ کی شبیہ اس کی مخلوق سے دی وہ مشرک ہے اور جس نے اللہ کی طرف اس چیز کی نسبت دی جس سے اس نے منع کیا ، وہ کافر ہے“
۲۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم حسنی نے ابراہیم بن ابی محمود سے روایت کی ، اس نے کہا:-

امام علی رضا علیہ السلام نے قرآن مجید کی اس آیت۔
وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ اِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (القیامۃ: ۲۲-۲۳)
”اس دن چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-
یعنی مشرقہ ينتظر ثواب ربها ۔

”یعنی روشن ہوں گے اور اپنے رب کے ثواب کے منتظر ہوں گے“
۳۔ (حذف اسناد) ابو الصلت الہروی عبدالسلام بن صالح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا۔

مولا! آپ اس روایت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کے متعلق لوگ بیان

کرتے ہیں۔

ان المؤمنین یزورون ربهم فی منازلهم فی الجنة ۔

”مؤمنین اپنے منازل جنت میں اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔“
یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا:-

ایہ الصلت ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
جملہ مخلوقات اور جملہ انبیاء و مرسلین و ملائکہ پر فضیلت دی ہے اور ان کی اطاعت
اور بیعت کو اپنی اطاعت اور بیعت قرار دیا جیسا کہ اس نے خود فرمایا:-

1- مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔ (النساء۔ ۸۰)

”جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

2- إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۔ (الفتح۔ ۱۰)

”بے شک جو لوگ آپؐ کی بیعت کر رہے تھے، وہ اللہ کی بیعت کر
رہے تھے۔“

تو جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی اطاعت و بیعت کو اپنی
اطاعت و بیعت قرار دیا ہے، اسی طرح سے اللہ نے آنحضرتؐ کی زیارت کو بھی
اپنی زیارت قرار دیا ہے۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

من زارنی فی حیاتی او بعد موتی فقد زار اللہ ۔

”جس نے میری زندگی یا میری موت کے بعد میری زیارت کی تو اس
نے اللہ کی زیارت کی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت میں بلند ترین درجہ ہو گا اور
اہل ایمان اپنے منازل جنت سے ان کا دیدار کریں گے، آپؐ کے دیدار کو ہی اللہ
کے دیدار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابوالصلت کہتے ہیں پھر میں نے آپ سے پوچھا کہ لوگ روایت کرتے ہیں۔

ان ثواب لا اله الا الله النظر الى وجه الله -

”بے شک لا اله الا الله کا ثواب چہرہ خداوندی کا دیدار ہے۔“

آخر اس حدیث کا کیا مفہوم ہے ؟

اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا:-

ابوالصلت ! جو شخص اللہ کی وصف دیگر چہروں کی طرح سے چہرہ کے ساتھ

کرے تو اس نے کفر کیا۔

یہ رکھیں! اللہ کے چہرے سے مراد اللہ کے انبیاء و رسل اور حج میں

کیونکہ انہی ذوات عالیہ کی وجہ سے اللہ اور اس کے دین و معرفت کی توجیہ ہوتی

ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ وَيَنْفَى وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(الرحمن-۲۷، ۲۸)

”جو بھی زمین پر رہتا ہے فنا ہونے والا ہے اور تیرے پروردگار کا جلال

واکرام والا چہرہ باقی رہے گا۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (التقص-۸۸)

”سوائے اس کے چہرے کے باقی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔“

تو مومنین کے لیے قیامت کے دن اپنے درجات میں رہ کر انبیاء و رسل اور

حج الہی کا دیدار کرنا عظیم ثواب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من ابغض اهل بيتي و عترتي لم يرني و لم اره يوم

القيامة

”جس نے میرے اہل بیتؑ و عترت سے بغض رکھا، قیامت کے دن نہ وہ مجھے دیکھے گا اور نہ ہی میں اسے دیکھوں گا۔“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے :-

ان فیکم من لا یرانی بعد ان یفارقنی ۔

”تمہارے اندر ایسے اشخاص بھی ہیں جو مجھ سے جدا ہونے کے بعد مجھے پھر نہیں دیکھ سکیں گے۔“

ابوالصلت ! اللہ تعالیٰ کی توصیف مکان سے نہیں کی جاسکتی اور آنکھیں اور اوہام اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔

ابوالصلت کہتے ہیں، پھر میں نے حضرتؑ سے پوچھا۔

فرزند رسولؐ ! یہ بتائیں کیا جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں اور کیا اس وقت بھی موجود ہیں ؟

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا :-

جی ہاں ! شب معراج رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں داخل ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کو بھی دیکھا تھا۔

میں (ابوالصلت) نے عرض کی :-

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کا فیصلہ کیا ہوا ہے لیکن ابھی تک انہیں پیدا نہیں فرمایا، اس کے متعلق آپؐ کیا فرماتے ہیں ؟

حضرتؑ نے فرمایا :-

ن لوگوں کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی ہمارا ان سے کوئی واسطہ ہے، جو شخص جنت و دوزخ کے پیدا ہونے کا انکار کرتا ہے وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہماری تکذیب کرتا ہے، اس کا ہماری ولایت سے کوئی واسطہ نہیں اور وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا
وَبَيْنَ حَمِيمٍ اِنٍ - (الرحمن - ۴۳، ۴۴)

”یہی وہ جہنم ہے جس کا مجرمین انکار کر رہے تھے اب اس کے اور اس کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے پھریں گے۔
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

جب مجھے معراج کرائی گئی تو جبریلؑ نے میرے ہاتھ کو سے پکڑا اور مجھے جنت میں لے گئے اور اس نے مجھے جنت کی تازہ کھجور کھلائی تو وہ میرے صلب میں نطفہ کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور جب میں زمین پر اترا تو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مباشرت کی جس کی وجہ سے فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حمل قرار پایا، فاطمہ انسانی شکل میں حور ہے اور میں جب بھی خوشبوئے جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو اپنی دختر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

۴۔ (بخاری اسناد) ریان بن صلت نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

مَا اَمِنَ بِي مِنْ فِسرٍ بِرَأْيِهِ كَلَامِي وَمَا عَرَفَنِي مِنْ شَبْهَنِي
بِخَلْقِي وَمَا عَلَيَّ دِينِي مِنْ اسْتَعْمَالِ الْقِيَاسِ فِي دِينِي -

”وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے اپنی رائے سے میرے کلام کی تفسیر کی اور جس نے میری مخلوق کے ساتھ میری تشبیہ دی، اس نے مجھے پہچانا ہی نہیں اور جس نے میرے دین میں قیاس کو استعمال کیا اس کا میرے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

۵۔ (بخاری اسناد) محمد بن خالد نے ہمارے بعض اصحاب سے روایت کی ہے

کہ امام علی رضا علیہ السلام اپنے خاندان کے ایک شخص کی قبر کی طرف سے گزرے تو آپ اس قبر کے قریب بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ اس قبر پر رکھ کر کہا۔

اللہی بدت قدرتك و لم تبد و اھية فجهلوك و قدروك
والتقدير علی غیر ما به و صفوك و انی بری، یا اللہی من الذین
بالتشبیہ طلبوك و لیس كمثلك شیء اللہی ولن یدركوك و ظاہر
ما بهم من نعمك دلیلهم علیك لو عرفوك و فی خلقك یا اللہی
مندوحة ان یتنا ولوك بل سووك بخلقك فمن ثم لم یعرفوك
و اتخذوا! بعض ایاك رباً فبذلك و صفوك فتعالیت ربی عما
به المشبهون نعتوك۔

”میرے پروردگار! تیری قدرت و اختیار ظاہر ہو چکی ہے اور کوئی کمزوری
تیری جانب سے ظاہر نہیں ہوئی کہ لوگ تجھ سے جاہل رہے اور تیرے لیے
اندازے مقرر کرے اور لوگوں نے غلط اندازوں سے تیری توصیف کی ہے۔
خدا یا! میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جنہوں نے تشبیہ کے ذریعہ سے
تیری جستجو کی ہے جب کہ کوئی چیز تیری مثال نہیں رکھتی۔

پروردگار! یہ لوگ تجھے ہر گز نہیں پاسکیں گے اور ان پر جو تیری نعمات
ہیں وہی بظاہر تیرے لیے ان کی رہنما ہیں، اگر تجھے پانے کے لیے انہیں تیری
معرفت کی طلب ہوتی تو تیری مخلوق کے لیے کشادگی اور گنجائش موجود تھی بلکہ
ان لوگوں نے تجھے تیری مخلوق کے برابر ٹھہرایا اسی لیے وہ تیری معرفت حاصل
نہ کر سکے اور تیری بعض آیات کو رب قرار دے کر تیری وصف بھی انہی کے
ساتھ کی۔

میرے پروردگار! تو اس چیز سے بلند و برتر ہے جس کے ساتھ تشبیہ دینے
والوں نے تیری وصف بیان کی ہے۔“

۶۔ (حذف اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر نے روایت کی ہے کہ ”وراء النهر“ سے کچھ لوگ امام علی رضاعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا :- ہم آپ سے تین مسائل دریافت کریں گے ، اگر آپ نے ہمیں ان کے جواب دیئے تو ہم جان لیں گے کہ آپ عالم ہیں۔

حضرت نے فرمایا :-

پوچھئے جو پوچھنا ہو ۔

انہوں نے کہا :-

آپ ہمیں اللہ کے متعلق بتائیں ۔

1۔ کہاں تھا ؟

2۔ کیسے تھا ؟

3۔ اور اس کا سہارا کس چیز پر تھا ؟

اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا :-

1۔ اللہ نے جگہ اور کہاں کو خود مقرر کیا ، وہ ”کہاں“ سے پاک ہے۔

2۔ اللہ نے خود کیفیات کو پیدا کیا اس پر کیفیت طاری نہیں ہوتی۔

3۔ اس کا اعتماد اور سہارا خود اس کی قدرت پر تھا ۔

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا :-

”نم گواہی دیتے ہیں کہ آپ عالم ہیں“۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں کہ قدرت پر اعتماد اور سہارا کا مقصد یہ ہے

کہ اس کا اپنی ذات پر تکیہ اور سہارا تھا ، کیونکہ قدرت کا تعلق ذات حق کی صفات

سے ہے۔ (۱)

۱۔ اللہ تعالیٰ قائم بذاتہ ہے اور امام علی مقام کا یہ فرمان برکتیں عطا ہے جیسا کہ ”يَذِ اللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ“ (فتح - ۱۰) کی آیت میں ہے واضح رہے کہ مذکورہ احادیث میں مسائل الہیات کے دقائق مضمر ہیں اور ہر جملہ کے کئی دقیق معانی ہیں جنہیں ”راسخون فی الحکمت“ ہی بجز کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

۷۔ (بخلف اسناد) محمد بن عرفہ (عروہ) کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا۔

اللہ نے اشیاء کو قدرت سے بنایا یا بغیر قدرت کے بنایا ؟

اس کے جواب میں امام عالی مقام نے فرمایا :-

”یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اللہ نے اشیاء کو قدرت کے ذریعہ سے خلق کیا کیونکہ جب تم یہ کہو گے کہ اللہ نے اشیاء کو قدرت کے ذریعہ سے خلق کیا ہے تو اس کا مفہوم یہ قرار پائے گا کہ تو نے اللہ کے علاوہ قدرت کو بھی تسلیم کیا ہے اور تم نے قدرت کو تخلیق اشیاء کا آلہ قرار دیا ہے اور یہ شرک ہے اور جب تم یہ کہتے ہو کہ اللہ نے قدرت کے بغیر اشیاء کو خلق کیا تو اس کا مفہوم یہ بتا ہے کہ تم دراصل یہ کہہ رہے ہو کہ اللہ نے اپنے ذاتی اقتدار اور قدرت سے اشیاء کو پیدا کیا ہے، اللہ نہ تو ضعیف ہے اور نہ ہی عاجز ہے اور نہ ہی اپنے ماسوا کا محتاج ہے، اللہ قادر لذاتہ ہے اور قدرت (زائدہ) کی وجہ سے قادر نہیں ہے۔“

۸۔ (بخلف اسناد) حسین بن بشار نے امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا۔

کیا اشیاء کی تخلیق سے پہلے اللہ کو تمام اشیاء کے آغاز و انجام کا علم تھا ؟

اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا :-

”اللہ اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے ان کا عالم تھا۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الباقیہ - ۲۹)

”ہم تمہارے اعمال کو برابر لکھوا رہے تھے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے ازل، بار کے لیے فرمایا :-

وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَادُ يُبُونَ (الانعام - ۲۸)

”اور اگر یہ پلٹا بھی دیئے جائیں تو وہی کریں گے جس سے یہ روکے گئے

ہیں اور یہ سب جھوٹے ہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹنے کی اجازت بھی دے دی جائے تو بھی وہ منہیات کے مرتکب ہوں گے۔
علاوہ ازیں جب فرشتوں نے تخلیق آدم کے متعلق اعتراض کیا تھا کہ یہ زمین پہ فساد کریں گے اور خون بہائیں گے اور ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ-۳۰)

”جو کچھ میں جانتا ہوں تم اسے نہیں جانتے۔“

اللہ کا علم اشیاء کی تخلیق سے پہلے ہے، ہمارا رب بلندی و عظمت کا مالک ہے اور وہ برکت والا ہے، اس نے اشیاء پیدا کیں جب کہ ان کا علم اس کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ اور ہمارا رب ازل سے ہی جاننے والا اور سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

۹۔ (مخفف اسناد) ماہ شعبان ۳۵۲ھ میں عبدالواحد بن محمد بن عبدوس عطار نیشاپوری نے ہمیں نیشاپور میں حدیث سنائی اور اس نے کہا کہ میں نے علی بن محمد بن قتیبہ نیشاپوری سے اور اس نے فضل بن شاذان سے روایت کی۔ انہوں نے کہا:-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا، آپ اپنی ایک دعا میں یہ الفاظ کہہ رہے تھے۔

سبحان من خلق الخلق بقدرته و اتقن ما خلق بحكمته
و وضع كل شیء منہ موضعه بعلمه، سبحان من يعلم خائنة
الاعین وما تخفی الصدور و لیس كمثله شیء و هو السميع البصیر

”پاک ہے وہ جس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور جو کچھ اس

نے پیدا کیا اسے اپنی حکمت سے مضبوط بنایا اور اپنے علم کے مطابق ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھا، پاک ہے وہ جو خیانت کرنے والی نگاہوں کو جانتا ہے اور جو کچھ سینے اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں، انہیں جانتا ہے، اور کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

صفات عین ذات ہیں

۱۰۔ (حذف اسناد) حسین بن خالد کا بیان ہے میں نے امام علی رضا علیہ

السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

اللہ ازل سے ہی علیم، قادر، حی، قدیم، سمیع اور بصیر ہے۔

میں نے عرض کیا:-

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے عالم اور قدرت کی وجہ سے قادر اور حیات کی وجہ سے حی اور قدم کی وجہ سے قدیم اور قوت سماعت کی وجہ سے سمیع اور قوت بصارت کی وجہ سے بصیر رہا ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”جو شخص اس نظریہ کا قائل ہو اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو تو اس

نے اللہ کے ساتھ کئی معبود اور بنا ڈالے اور اس کا ہماری ولایت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:-

”اللہ ازل سے ہی علیم، قادر، حی، قدیم، سمیع، اور بصیر لذاتہ رہا ہے۔

اور جو کچھ مشرکین اور تشبیہ دینے والے کہتے ہیں، اللہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔“

مخلوق و خالق کے ارادے کا فرق

۱۱۔ (حذف اسناد) صفوان بن یحییٰ نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا۔

خالق اور مخلوق کے ارادے کا کیا فرق ہے ؟

آپ نے فرمایا :-

”مخلوق کا ارادہ کسی امر کے سرانجام دینے کے متعلق خیال کرنا ہوتا ہے اور اسی ارادہ کے ثمر کے طور پر فعل واقع ہوتا ہے ، جب کہ اللہ کا ارادے کسی کام کو سرانجام دینا ہوتا ہے ، کیونکہ اللہ کسی طرح کے سوچ و چار کا محتاج نہیں ہے ، اور یہ صفات اس سے منفی ہے ، اللہ کے ارادہ سے مراد فعل ہی ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا ، اللہ ”کن“ کہتا ہے تو وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے اور واضح رہے کہ ”کن“ کا اطلاق بھی لفظ اور زبان اور سوچ و چار اور کیفیت کا محتاج نہیں ہوتا اور جیسا کہ اللہ کسی کیفیت کا پابند نہیں ہے ، اسی طرح سے لفظ ”کن“ بھی کسی کیفیت کا پابند نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ

کا مفہوم

۱۲۔ (حذف اسناد) حسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ

السلام سے پوچھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ

”اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔“

اس حدیث کا مفہوم کیا ہے ؟

یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

”خدا ان لوگوں کو تباہ کرے ، انہوں نے حدیث کے پہلے حصے کو حذف کر دیا اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایسے دو انسانوں کی طرف سے ہوا جو ایک دوسرے کو سب و شتم کر رہے تھے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو ان میں سے ایک شخص دوسرے کو کہہ رہا تھا۔

خدا تیرے چہرے کو رسوا کرے اور جس کا چہرہ تیرے جیسا ہو خدا اسے بھی رسوا کرے۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا :-

”بندہ خدا ! اپنے بھائی کے لیے یہ الفاظ مت کہو کیونکہ اللہ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا۔“

ید قدرت کا مفہوم

۱۳۔ (حذف اسناد) محمد بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ

السلام سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا ۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ ۔ (ص۔ ۷۵)

”کس چیز نے تجھے روکا کہ تو اس کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں

سے پیدا کیا۔“

اس مقام پر ہاتھ سے کیا مراد ہے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

میرے ہاتھوں سے مراد میری قوت و قدرت ہے (یعنی قوت و قدرت

کو لفظ ہا تھ سے تعبیر کیا گیا ہے۔)

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں :-

میں نے بعض مشائخ شیعہ سے سنا ہے کہ ائمہ کرام علیہما السلام جب اس آیت کو پڑھتے تو یوں پڑھا کرتے۔

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ -

پھر یہاں وقف کرتے تھے اور پھر

بَيِّنَتِي اسْتَكْبَرْتُ أَمْ كُنْتُ مِنَ الْعَالِينَ پڑھتے تھے ۔

اس صورت میں آیت مجیدہ کا ترجمہ یہ ہو گا۔

”جسے میں نے بنایا ہے اس کے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ، اور میری نعمت و احسان سے تو نے قوت حاصل کی ہے پھر بھی تو نے تکبر کیا ہے یا یہ کہ تو بلند پایہ افراد میں سے ہے ؟“

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ عرب ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔

بسیفی تقاقلنی و برمحي تطاعننی۔

”تو میری تلوار لے کر ہی مجھ سے جنگ کر رہا ہے اور میرا نیزہ لے کر ہی مجھے نشانہ بنا رہا ہے۔“

ساقِ (پنڈلی) خداوندی کا مفہوم

۱۴۔ (مخفف اسناد) حسن بن سعید کہتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام نے اس آیت مجیدہ۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ - (القلم-۴۲)

”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انہیں سجدہ کے لیے بلایا جائے گا۔“ کے متعلق فرمایا :-

ساق سے مراد نور کا حجاب ہے جو ہٹا دیا جائے گا تو مؤمن سجدے میں گر جائیں گے اور منافقین کی پشت اکڑ جائے گی، اس لیے وہ سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

مسجد کوفہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام کا خطبہ

۱۵۔ (حذف اسناد) یثیم بن عبداللہ الرمائی نے امام علی رضا علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی انہوں نے فرمایا :-

امیر المؤمنین علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں لوگوں کو خطبہ دیا۔

”تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو کسی چیز سے نہیں بنا اور نہ ہی اس نے کائنات کو پہلے سے موجود کسی چیز سے بنایا، وہ اشیاء کو حادث بنا کر اپنی ازلیت کی گواہی دلانے والا ہے اور اشیاء کو عاجزی کا نشان لگا کر اپنی قدرت کو ظاہر کرنے والا ہے اور اس نے اشیاء کو فنا پذیر بنا کر اپنے دوام کی گواہی دلائی۔

کوئی مکان اس سے خالی نہیں ہے کہ اس کی ظرفیت کا ادراک کیا جاسکے اور اس کی کوئی مثال نہیں کہ اس کی کیفیت کی وصف بیان کی جاسکے اور وہ کسی چیز سے غائب نہیں ہے کہ اس حیثیت کو جانا جاسکے۔

وہ مخلوقات سے صفات میں جدا ہے اور ادراک کی سرحدوں سے ماوراء ہے اور اپنی کبریائی و عظمت کی وجہ سے حالات تصرف سے خارج ہے۔

تیز ترین اذہان کے لیے اس کی حد بندی کرنا حرام ہے، اور گہری فکر و سوچ کے لیے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے اور تیز ترین نگاہوں کے لیے اس کی تصویر بنانا غیر ممکن ہے۔

اس کی عظمت کی وجہ سے کوئی مکان اس کا محتوی نہیں اور اس کے جلال

کی وجہ سے اندازے اس کے ادراک سے قاصر ہیں اور عقول کی اس کی کبریائی تک رسائی نہیں ہے اور اوہام اس کی کنہ معلوم نہیں کر سکتے ، افہام اس کی حقیقت میں ڈوب نہیں سکتے اور اذہان اس کی تمثیل سے قاصر اور بلند ترین عقول اس کے احاطہ سے مایوس ہیں اور علوم کے سمندر اس کی جانب اشارہ کرنے سے خشک ہو چکے ہیں اور منکرین اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بلندی سے ذلیل ہو کر لوٹتے ہیں اور اس کے وصف قدرت سے قاصر ہیں۔

وہ واحد ہے لیکن باعتبار عدد نہیں وہ دائم ہے لیکن زمانہ کے لحاظ سے نہیں ، وہ جنس نہیں کہ دوسری اجناس اس جیسی ہو سکیں اور وہ کوئی مثال نہیں ہے کہ کوئی مثالیں اس کی مشابہت کر سکیں۔

وہ اشیاء کی مانند نہیں کہ اس پہ صفات واقع ہوں ، اس کے ادراک کی سربفلک موجوں میں عقول بھٹک گئے اور اس کی ازلیت کے احاطہ ذکر سے اوہام حیرت زدہ رہ گئے اور اس کے وصف قدرت سے افہام عاجز آ گئے اور اس کے افلاک سلطنت کی لہروں میں اذہان غرق ہو گئے۔

وہ نعمات کے ذریعہ سے مقتدر ہے اور کبریائی کی وجہ سے بے مثال ہے ، وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اسے وقت بوسیدہ نہیں کرتا اور زمانہ اسے کہنہ نہیں کر سکتا ، اور کوئی وصف اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نرسکش گردنیں اس کے سامنے فروتنی اختیار کر چکی ہیں اور اطراف کے بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں جیسے مضبوط اسباب اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔

وہ جملہ اجناس سے اپنی ربوبیت کی گواہی دلانے والا اور ان کی عاجزی سے اپنی قدرت کو ظاہر کرنے والا اور ان کے حدوث سے اپنی قدامت کا پتہ دینے والا اور انہیں زوال پذیر بنا کر اپنی بقا کی گواہی دلانے والا ہے۔

اشیائے کائنات کے ہاں اس کے ادراک کا کوئی چارہ کار نہیں اور اللہ کے

احاطہ سے کوئی مخلوق نکل نہیں سکتی اور اللہ کی گنتی سے اپنے آپ کو حجاب میں نہیں رکھ سکتی اور اللہ کی قدرت کو اپنے سے ہٹا نہیں سکتی۔

صفت کا مستحکم ہونا اس کے وجود کی نشانی کے لحاظ سے کافی ہے اور اپنی مصنوعات کو طبع کا مرکب بنا کر اس نے اپنی دلالت ظاہر کر دی ہے اور مخلوق کا حدوث اس کے قدیم ہونے کے لیے کافی ہے۔

اس کی جانب کوئی حد منسوب نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی بیان کی جانے والی ضرب المثل نہیں ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ ضرب الامثال اور صفات مخلوقہ سے بہت بلند و برتر ہے۔

اور میں اس کی ربوبیت پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے منکر کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں، جو کہ بہترین مقام پر رہائش پذیر ہیں اور وہ کریم اصلاہ اور طاہر ارحام سے پیدا ہوئے، آپ کا تعلق افضل ترین معدن اور افضل ترین اگنے کے مقام سے ہے، آپ کا واسطہ بلند ترین خاندان سے ہے اور آپ اس شجر سے تعلق رکھتے ہیں جس میں سے اللہ نے اپنے انبیاء کا سلسلہ جاری کیا اور اپنے اُمناء کا انتخاب کیا۔

آپ کی شاخ طیب اور عمود معتدل، جس کی شاخیں بلند و بالا اور جس کی ٹہنیاں تروتازہ، جس کا ثمر پختہ ہے۔

یہ شجر کرم و سخاوت کی سر زمین پر کاشت ہوا اور حرم میں اگا اور اس کی شاخیں اور ثمر اسی سر زمین حرم میں پیدا ہوئیں اور یہ درخت بلند ہوا اور ناقابل تسخیر بنا، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں روح امین، نور مبین اور روشن کتاب کے ذریعہ سے عزت عطا فرمائی اور اس کے لیے براق کو مسخر کیا اور ملائکہ نے آپ سے مصافحہ کیا اور شیاطین آپ سے خوف زدہ ہوئے اور آپ ہی کے ذریعہ سے

اضام اور معبودان باطل کا قلع قمع ہوا۔

آپؐ کی سنت عین ہدایت اور آپؐ کی سیرت عدل اور آپؐ کا فیصلہ حق پر مبنی ہے، آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کو جو حکم دیا، آپؐ نے اس کی مکمل تبلیغ فرمائی اور جو کچھ اللہ نے ان کے ذمہ لگایا انہوں نے اس کی تبلیغ کی یہاں تک کہ آپؐ کی دعوت کے نتیجے میں توحید کا بول بالا ہوا اور مخلوق میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کا چرچا ہوا، وحدانیت خالص شکل میں نمودار ہوئی اور ربوبیت صاف و شفاف ہو کر سامنے آئی۔

اللہ نے توحید کے ذریعہ سے اپنی حجت کو ظاہر کیا اور اسلام کے ذریعہ سے اس کے مقام کو بلندی دی اور اللہ نے اپنے نبیؐ کے لیے بلند ترین درجہ اور مقام وسیلہ اور رضا کا انتخاب کیا۔

آپؐ اور آپؐ کے پاک خاندان پر درود ہو۔“

ترک، ختم اور طبع کا مفہوم

۱۶۔ (محذوف اسناد) سید عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی نے ابراہیم بن اعلیٰ

محمود سے روایت کی، انہوں نے کہا:-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے قرآن مجید کی آیت

تَرَكْهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَاْ يُبْصِرُوْنَ - (البقرہ - ۱۷)

”خدا نے انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا، انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔“

کے لفظ ”ترک“ کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:-

”لفظ ”ترک“ جب مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی اور،

پھر جب یہی لفظ اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی وہ نہیں ہوتے جو

مخلوق کے لیے ہوتے ہیں، کیونکہ اس معنی کے لیے اس لفظ کا اللہ کے لیے اطلاق

نہیں ہوتا ، اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ کفر و ضلالت سے باز نہیں آنا چاہتے تو اللہ نے ان سے اپنا لطف و کرم علیحدہ کر لیا ، اور انہیں ان کے پسندیدہ فعل کفر و ضلالت کے لیے باقی رہنے دیا۔

راوی کہتے ہیں پھر میں نے آپ سے قرآن مجید کی اس آیت

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ۔ (البقرہ۔۷)

”اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی۔“

کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:-

”اس آیت مجیدہ میں لفظ ”ختم“ کا معنی یہ ہیں کہ اللہ نے کفار کے کفر

کی وجہ سے جو سزا دی ہے وہ ایک طرح کی مہر سے مشابہت رکھتی ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا۔ (النساء۔۱۵۵)

”بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے ، پس ان

میں سے قلیل افراد ہی ایمان لائیں گے۔“

راوی کہتے ہیں پھر میں نے آپ سے پوچھا۔

کیا اللہ اپنے بندوں کو نافرمانی پر مجبور کرتا ہے ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”اللہ انہیں مہلت و اختیار دیتا ہے تاکہ توبہ کر لیں۔“

راوی کہتے ہیں پھر میں نے آپ سے پوچھا۔

کیا اللہ اپنے بندوں کو ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دیتا ہے ؟

آپ نے فرمایا:-

بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

”اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

میرے والد ماجد نے اپنے والد ماجد امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی انہوں نے فرمایا :-

”جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ اپنے بندوں کو نافرمانی پر مجبور کرتا ہے یا انہیں ان کی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف دیتا ہے تو ایسے شخص کا ذبحہ مت کھاؤ اور اس کی گواہی قبول نہ کرو اور اس کی اقتداء میں نماز مت پڑھو اور اسے زکوٰۃ میں سے کچھ بھی نہ دو۔“

جبر و تفویض کی نفی

۱۷۔ (حذف اسناد) رید (یزید) بن عمیر بن معاویہ شامی کہتے ہیں کہ میں ”مرو“ کے مقام پر امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں عرض کی۔

ہم تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث پہنچی ہے۔ انہوں نے فرمایا :-

لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ بَلْ أَمْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ -

”نہ تو جبر درست ہے اور نہ ہی تفویض صحیح ہے بلکہ دو امور کے درمیان امر ہے۔“

اس فرمان کا مقصد و مفہوم کیا ہے ؟

یہ سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ ہم سے افعال صادر کرا کے ہمیں ان پر عذاب دے گا تو اس نے جبر کا نظریہ اپنایا۔

اور جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خلق و رزق کے معاملات

ہادیان علیہم السلام کے سپرد کیئے ہیں تو اس نے تفویض کا نظریہ اپنایا۔
یاد رکھیں! جبر کا عقیدہ رکھنے والا کافر اور تفویض کا عقیدہ رکھنے والے
مشرک ہے۔“

راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ صحیح معاملہ ان دو معاملوں کے درمیان
ہے، کا کیا مقصد ہے؟
آپؐ نے فرمایا:-

”جس چیز کے بجا لانے کا بندوں کو حکم دیا گیا اس کے لیے راستہ موجود ہے
اور جس چیز سے انہیں روکا گیا، اس سے رکنے کی بھی ان میں صلاحیت موجود
ہے۔“

پھر میں (راوی) نے آپؐ سے پوچھا۔

تو کیا اوامر و نواہی کے لیے اللہ کی مشیت و ارادہ بھی ہے؟
حضرتؑ نے فرمایا:-

”طاعات کے لیے خدا کا ارادہ و مشیت ان کا حکم دینا اور ان کی بجا آوری
پر راضی ہونا اور مدد فراہم کرنا ہے۔

معاصی کے لیے خدا کا ارادہ و مشیت، ان سے روکنا اور ان پر ناراض
ہونا اور اہل معاصی کو رسوا کرنا ہے۔“

میں (راوی) نے پوچھا:-

اوامر و نواہی کے متعلق اللہ کی قضا بھی ہے؟

آپؐ نے فرمایا:-

”بندے نیکی یا برائی جو بھی فعل کرتے ہیں اس میں اللہ کی قضا شامل ہوتی ہے۔“

میں (راوی) نے پوچھا:-

اس قضا کا کیا مفہوم ہے؟

آپ نے فرمایا:-

”اپنے افعال کی بدولت جس جزایا سزا کے مستحق ہوں ان کی جزا اور سزا کا فیصلہ کرنا قضا کھلاتا ہے۔“

لفظ نسیان کا مفہوم

۱۸۔ (حذف اسناد) عبدالعزیز بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق پوچھا۔

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ - (التوبة-۶۷)

”انہوں نے اللہ کو بھلایا پس اللہ نے ان کو بھلا دیا۔“

تو کیا اللہ پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے ؟

آپ نے فرمایا :-

”سو (نسیان) اللہ پر طاری نہیں ہوتا ، سو (نسیان) مخلوق پر طاری ہوتا ہے ، کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا - (مریم-۶۳)

”اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔“

پہلی آیت میں نسیان کا لفظ بطور جزا استعمال ہوا ہے ، مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا اور یوم آخرت کو فراموش کیا ہے ، اللہ ان سے ان کے اپنے نفوس کو بھی فراموش کرا دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مفہوم کو اس آیت مجیدہ میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ - (الحشر-۱۹)

”اور تم ان لوگوں کی طرح سے مت بنو جنہوں نے اللہ کو فراموش کیا

تو اللہ نے ان سے ان کے نفوس کو فراموش کرا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

فَالْيَوْمَ نُنْساَهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا - (الاعراف - ۵۱)

”پس آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی

ملاقات کو بھلا دیا تھا۔“

اس آیت میں بھلانے کا مقصد چھوڑ دینا، ترک کر دینا ہے۔

مفہوم آیت یہ ہے۔

جس طرح سے ان لوگوں نے یوم آخرت کی تیاری کو چھوڑ دیا تھا، اسی طرح

سے ہم بھی انہیں چھوڑ دیں گے، یعنی ان سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں :-

حدیث کے جملے ”فترکہم“ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو اس

ثواب سے محروم رکھیں گے۔ یوم آخرت کے امیدواروں کو عطا کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان -

وَتَرْكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَاْ يُبْصِرُوْنَ - (البقرہ - ۱۷)

کا مفہوم یہ ہے کہ ”اللہ انہیں اندھیروں میں ڈال دیتا ہے“ یعنی ان کی

سزا میں جلد بازی نہیں کرتا اور انہیں مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے تاکہ وہ توبہ

کر سکیں۔

خدا سے محبوب ہونے اور خدا کے آنے کا مفہوم

۱۹۔ (محذوف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت

کی کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ حُجُّوْا - (الطغفین - ۱۵)

”یاد رکھو! انہیں روز قیامت پروردگار سے محبوب کر دیا جائے گا۔“

اس آیت کا مفہوم کیا ہے ؟

آپؐ نے فرمایا:-

”اللہ کی وصف کسی مکان سے نہیں کی جاسکتی کہ اللہ اس میں بیٹھ جائے

اور وہ مکان اللہ کے لیے حجاب ثابت ہو اور کفار محبوب بن جائیں۔

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے روز ثواب پروردگار سے

محبوب کر دیا جائے گا۔“

میں (راوی) نے پھر پوچھا:-

قرآن مجید کی اس آیت کا کیا مفہوم ہے ؟

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر- ۲۲)

”اور آپؐ کا پروردگار اور فرشتے صف در صف آجائیں گے۔“

اس آیت میں اللہ کے آنے کا کیا مفہوم ہے ؟

حضرتؒ نے فرمایا:-

”خدا کی توصیف آنے، جانے جیسے الفاظ سے نہیں کی جاسکتی، اللہ تعالیٰ

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے بلند و بالا ہے، اسی لیے اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔

آپؐ کا پروردگار کا حکم اور فرشتے صف در صف آجائیں گے۔“

پھر میں (راوی) نے آپؐ سے پوچھا:-

قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم بیان فرمائیں۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ

وَالْمَلَائِكَةُ

(البقرة- ۲۱۰)

”کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ابر کے سایہ کے پیچھے

اللہ اور ملائکہ آجائیں۔“

اس آیت کے متعلق آپؐ نے فرمایا :-

”اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ان کافروں کو اس بات کا انتظار ہے کہ خدا ابر کے سایہ میں فرشتوں کو بھیجے گا ؟“

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے پوچھا کی ان آیات کا مفہوم بیان فرمائیں۔

سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ - (التوبہ- ۷۹)

”خدا ان کا مذاق اڑائے گا۔“

اور

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ - (البقرہ- ۱۵)

”اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔“

اور

مَكْرُؤًا وَمَكَرَ اللَّهُ - (آل عمران- ۵۴)

”انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا۔“

اور

يُخَا دِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَا دِعُهُمْ - (النساء- ۱۴۲)

”وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں جب کہ اللہ انہیں دھوکا دینے والا ہے۔“

ان آیات کے متعلق آپؐ نے فرمایا :-

اللہ کسی سے مسخرہ پن نہیں کرتا اور کسی کا ٹھٹھہ نہیں اڑاتا اور وہ نہ

تو مکر کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو دھوکا دیتا ہے ، ان تمام آیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ انہیں ان کے مسخرہ پن ، استہزاء ، مکاری اور دھوکہ دہی کا بدلہ دے گا۔

۲۰۔ (حذف اسناد) حسن بن علی خزاز نے امام علی رضا علیہ السلام سے

روایت کی۔

آپ نے فرمایا:-

”قیامت کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور الہی کو تھامے ہوئے ہوں گے اور ہمارے شیعہ ہمارے نور کو تھامے ہوئے ہوں گے۔“

۲۱۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم بن عبداللہ الحسنی رضی اللہ عنہ نے ابراہیم بن ابی محمود سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔

لوگ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ ہر شب جمعہ کو آسمان دنیا پر اترتا ہے۔“

اس حدیث کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

امام عالی مقام نے فرمایا:-

”خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو الفاظ کو ان کے مقام سے جدا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا:-

ان الله ينزل ملكا الى السماء الدنيا كل ليلة في الثلث

الاحير ، وليلة الجمعة في اول الليل فينا مره فينادى --- الخ

”اللہ تعالیٰ ہر رات کی آخری تہائی میں ایک فرشتہ کو آسمان دنیا پر نازل کرتا ہے اور شب جمعہ اسے رات کے ابتدائی حصہ میں نازل کرتا ہے اور وہ حکم خدا سے یہ ندا دیتا ہے۔“

”ایا کوئی توبہ کرنے والا ہے جس کی میں توبہ قبول کروں؟“

”ایا کوئی استغفار کرنے والا ہے جس کی میں مغفرت کروں؟“

”اے طالبِ خیر! آگے بڑھ اور اے طالبِ شر! باز آجا۔“
 چنانچہ وہ فرشتہ طلوعِ فجر تک یہی ندا کرتا رہتا ہے اور جب فجر طلوع
 ہوتی ہے تو وہ اپنے مقام پر چلا جاتا ہے۔
 یہ حدیث میرے والد ماجد نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے میرے
 سامنے بیان فرمائی۔“

۲۲۔ (حذف اسناد) داؤد بن سلیمان القراء نے امام علی رضا علیہ السلام سے
 روایت کی اور آپ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم سے روایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-
 ”موسیٰ علیہ السلام نے دورانِ مناجات اللہ تعالیٰ سے عرض کی -
 پروردگار! مجھے بتا، کیا تو بعید ہے تو میں تجھے ندا دوں، یا قریب ہے تو
 تجھ سے سرگوشی کروں؟

اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی :-
 موسیٰ! میں اپنے ذلر کرنے والے کا ہم نشین ہوتا ہوں۔“
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی :-
 ”خدا یا! بعض اوقات میں، میں ایسی حالت میں ہوتا ہوں کہ اس حالت
 کو تیرے ذکر کے لیے مناسب خیال نہیں کرتا۔“
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-
 موسیٰ! مجھے ہر حالت میں یاد کیا کرو۔“

صفاتِ توحیدِ بلحاظِ معنی منفرد ہیں

۲۳۔ (حذف اسناد) فتح بن یزید جرجانی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا

علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے پایا:-

”اللہ لطیف، خبیر، سمیع، بصیر، واحد، احد اور صمد ہے۔ وہ نہ تو کسی کا باپ ہے اور نہ خود کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

وہ اشیاء کو پیدا کرنے والا اور اجسام کو جسمانیات کا لہادہ اوڑھانے والا اور صورتوں کا مصور ہے۔

اور جیسا کہ خدا نا شناس لوگوں کا عقیدہ ہے اگر خدا ایسا ہی ہوتا تو پھر خالق و مخلوق اور صانع و مصنوع میں کوئی فرق نہ ہوتا، اس نے کائنات کی تمام اشیاء کو جدا گانہ رنگ ڈھنگ دے کر ممتاز کیا ہے، کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور وہ خود کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے۔“

راوی کہتا ہے میں نے عرض کی:-

مولا! اللہ واحد ہے اور اکیلے انسان کو بھی ہم واحد کہتے ہیں تو کیا وحدانیت میں دونوں یکساں قرار نہ پائیں گے؟

امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا:-

”فتح! تو نے امر محال کا قصد کیا ہے، خدا تجھے دین حق پر ثابت قدم رکھے۔

بات یہ ہے کہ الفاظ کی وحدانیت جدا ہے اور لمحاظ معنی وحدانیت جدا ہے، اور شرک اس وقت لازم آتا ہے جب معنی بھی ایک مراد لیے جائیں۔

جب کسی انسان کے لیے لفظ ”واحد“ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک فرد ہے، دو نہیں ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ہم جس انسان کو لفظ واحد سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی حقیقی معنی میں واحد نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے اعضاء مختلف ہوتے ہیں اور اجزاء کی ہیئت اور رنگت بھی جدا جدا ہوتی ہے کیونکہ خون جدا چیز ہے اور گوشت جدا چیز ہے، اعصاب جدا ہیں اور رگیں جدا ہیں، ہال جدا اور جلد جدا ہے،

اس کی سیاہی علیحدہ اور سفیدی علیحدہ ہے ، لہذا ایک انسان بہت سی چیزوں کا مرکب بننے کے بعد واحد کہلایا جب کہ اللہ مرکب نہیں ہے وہ واحد ہے اور ہر لحاظ سے یکتا ہے، اس کی وحدانیت میں ترکیب کار فرما نہیں اور اس میں اختلاف و تفاوت اور کمی پیشی نہیں پائی جاتی۔

یہ تشریح سن کر میں (راوی) نے کہا:-

آپؐ نے میری مشکل آسان کی اللہ آپؐ کی مشکلات آسان فرمائے ، اور اس کے ساتھ آپؐ لفظ ”لطیف و خبیر“ کی بھی توضیح فرمائیں اور لطیف کے حوالہ سے میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ اللہ کا لطف و کرم اور ہے اور مخلوق کا ایک دوسرے پر لطف و کرم اور ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔

میری درخواست پر آپؐ نے فرمایا:-

”خدا لطیف ہے ، اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ باریک بین ہے اور باریک سے باریک چیز کا ادراک کرتا ہے اور ہر چیز کا وجود اور اس کے وجود کی ضروریات سے باخبر ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ اپنی صفت میں لطیف ہے یعنی اس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ، خواہ وہ جسم میں بڑی ہے یا چھوٹی ، اس نے سب کو زندہ رہنے کا سلیقہ بھی بتایا اور ہر چیز کو نسل بڑھانے اور اپنا تحفظ کرنے کے طریقے بھی بتائے ، اس لیے اس کائنات کی چھوٹی بڑی چیزیں دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہ خدا لطیف ہے۔ اور وہ اپنی مخلوق کے لیے کسی طرح کے اوزاروں اور وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ (ہذا هو المفہوم لانص العبارة فافہم جيدا)

اللہ کا پہلا صفاتی نام

۲۴۔ (حذف اسناد) محمد بن سنان سے مروی ہے، اس نے کہا کہ میں نے

امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا:-

کیا اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تخلیق سے قبل بھی اپنے آپ کو جانتا تھا ؟
آپ نے فرمایا :-

”جی ہاں !“

میں (راوی) نے کہا :-

تو کیا وہ اپنے آپ کو بھی دیکھتا اور اپنی باتیں سنتا تھا ؟
آپ نے فرمایا :-

”اللہ کو اس کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ اس سے اس کا نفس کسی چیز کا متقاضی نہ تھا اور اس نے اپنے نام اس لیے نہیں رکھے کہ وہ اپنے آپ کو ان ناموں سے پکارے ، اس نے یہ نام مخلوق کی سہولت کے لیے بیان کیے ہیں تاکہ مخلوق کو دعا کا سلیقہ آ سکے اور ذات حق نے اپنے لیے سب سے پہلے جس نام کا انتخاب کیا وہ نام ”العلیٰ العظیم“ ہے ، کیونکہ اللہ تمام اشیاء سے بلند و برتر ہے اور یہ نام اس کا اول اسماء ہے۔“

۲۵۔ (محذوف اسناد) اسی اسناد سے مروی ہے ، محمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے ”اسم“ کے متعلق پوچھا کہ اسم کیا ہے ؟
آپ نے فرمایا :-
”اسم موصوف کی صفت ہے۔“

ابجد کا مفہوم

۲۶۔ (محذوف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی ، انہوں نے کہا کہ امام علی رضا علیہ السلام فرمایا :-

”اللہ نے سب سے پہلے حروف ابجد کی کتابت کی انسانوں کو اس کی تعلیم دی جیسا کہ اگر کسی شخص کے سر پر کوئی شخص

یہ کہے کہ اس چوٹ کی وجہ سے میں صحیح گفتگو نہیں کر سکتا تو مضروب کو یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ حروف ابجد ادا کرے اور ان حروف میں سے وہ جتنے حروف ادا نہ کر سکتا ہو تو انہی حروف کو مد نظر رکھ کر اسی مقدار میں دیت ادا کی جائے گی۔“ میرے والد نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا :-

’الف‘ سے ”اَللّٰهُ“ (اللہ کی نعمت) مراد ہیں۔

’ب‘ سے ”بِجۃ اللّٰہ“ (اللہ کی شان) مراد ہے۔

’ت‘ سے ”تَمَامُ الْاَمْرِ الْقَائِمُ اِلٰ مُحَمَّدٍ“

(قائم آل محمد (ع) کے لیے امر مکمل ہو گا)۔

’ث‘ سے ”ثَوَابُ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰی اَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ“

(مومنین کو نیک اعمال کا بدلہ دیا جائے گا) مراد ہے۔

’ج‘ سے ”جَمَالُ الْهِی“ مراد ہے۔

’ح‘ سے ”حِلْمُ اللّٰہِ عَنِ الْمَذْنِبِیْنَ“

(گناہ گاروں سے اللہ کا حلم) مراد ہے۔

’خ‘ سے ”خَمُولُ ذِکْرِ اَهْلِ الْمَعَاصِی“

(گناہ کا تذکرہ گنہگار ہو جائے) مراد ہے۔

’ذ‘ سے مراد ”دین خداوندی“ ہے۔

’ز‘ کا اشارہ اللہ کے ”ذوالجلال“ ہونے کی جانب ہے۔

’ر‘ کا اشارہ اللہ کے ”رؤف ورحیم“ ہونے کی طرف ہے۔

’ز‘ سے قیامت کا ”زلزلہ“ مراد ہے۔

’س‘ سے ”سَنَاءُ اللّٰہِ“ (خدا کی شان و جب) مراد ہے۔

’ش‘ سے مراد ”شاء اللہ ما شاء“ (خدا جو بھی چاہتا ہے اپنے ارادہ سے چاہتا ہے) ہے۔

’ص‘ سے خدا کا ”صادق الوعد“ ہونا مقصود ہے۔

’ض‘ سے ”ضل من خالف محمدًا و آل محمد“

(جس نے محمد و آل محمد کی مخالفت کی وہ گمراہ ہوا) مراد ہے۔

’ط‘ سے ”طوبی للمؤمنین“ (مؤمنین کے لیے خوشخبری ہو) مراد ہے۔

’ظ‘ سے ”ظن المؤمنین باللہ خیرا“ (مومنوں کا اللہ سے نیک گمان) مراد ہے۔

’ع‘ سے ”علم الہی“ کی طرف اشارہ ہے۔

’غ‘ سے اللہ کے ”غنی“ ہونے کی جانب اشارہ ہے۔

’ف‘ سے ”فوج من افواج النار“ مقصود ہے۔

’ق‘ سے ”قرآن علی اللہ جمعہ“ (قرآن کا جمع کرنا خدا کے ذمہ ہے) مراد ہے۔

’ک‘ سے اللہ کے ”کافی“ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

’ل‘ سے ”لغو الکافرین فی افتراءہم علی اللہ الکذب“

(کافر خدا پر جھوٹ تراشتے ہیں وہ سب لغو کر دیا جائے گا) مراد ہے۔

’م‘ سے ”ملك اللہ یوم لا مالک غیرہ“ (اللہ اس دن مالک

ہوگا جس دن کوئی دوسرا مالک نہ ہو گا) مراد ہے۔

اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا :

لَمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ - (المؤمن - ۱۶)

”آج کس کی حکومت ہے؟“

پھر انبیاء و رسل اور حج الہی کے ارواح کہیں گے :-

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (المؤمن - ۱۶)

”خدا کے واحد و قہار کی بادشاہی ہے۔“

اس دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے :-

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ

سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (المؤمن - ۱۷)

”آج ہر نفس کو اس کے اعمال کو بدلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہ ہو گا،

بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

’ن‘ سے ”نوال اللہ للمؤمنین و نکال اللہ للکافرین“

(مؤمنین پر اللہ کا انعام اور کافروں پر اللہ کا عذاب) مراد ہے۔

’و‘ سے ”ویل لمن عصی اللہ“ (اللہ کی نافرمانی کرنے والے

کے لیے ہلاکت ہو) مراد ہے۔

’ہ‘ سے ”هان علی اللہ من عصاه“ (نافرمانی کرنے والا اللہ

کے ہاں رسوا ہو گا) مراد ہے۔

”لا ی“ میں ’لا‘ سے کلمہ توحید یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مراد

ہے، جو شخص اس کلمہ کو اخلاص کے ساتھ ادا کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

’ی‘ سے ”ید اللہ فوق خلقه“ (اللہ کا ہاتھ مخلوقات پر ہے)

مراد ہے اللہ ہی رزق وسیع کرنے والا اور کچھ جو لوگ شرک کرتے ہیں، اللہ

اس سے بلند و برتر ہے۔

پھر امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :-

قرآن مجید انہی حروف میں نازل ہوا جو کہ عربوں میں متداول تھے، اس

کے باوجود اعجاز قرآن یہ ہے کہ اللہ نے اس کے متعلق چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:-
قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّآتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظٰهِرًا -

(بنی اسرائیل - ۸۸)

”آپ کہہ دیں اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو کر قرآن کی مثال لانا چاہیں تو بھی وہ اس کی مثال نہ لاسکیں گے ، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے پشت پناہ کیوں نہ ہوں۔“

۲۷۔ (حذف اسناد) حمدان بن سلیمان بن نیشا پوری کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی :-

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلّٰهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَزًّا -
 (الانعام - ۱۲۵)

”پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے ، اس کے سینہ کو تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے۔۔۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”جس شخص کو ایمان کی وجہ سے اللہ جنت اور آخرت کے دار کرامت کی ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تسلیم اور بھروسہ اور اپنے وعدہ ثواب پر تسکین عطا کر دیتا ہے اور وہ الہی وعدوں پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

اور جس کے کفر کی وجہ سے اسے اپنی جنت اور دار کرامت سے دور رکھنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے کہ کفر و اضطراب قلب کی وجہ سے وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ آسمان کی جانب چڑھ رہا ہے، اس طرح سے اللہ بے ایمان افراد پر کفر کی ناپاکی ڈال دیتا ہے۔“

امام علی رضا علیہ السلام کی ایک زندیق سے گفتگو

۲۸۔ (بخلاف اسناد) محمد بن عبد اللہ خراسانی خادم امام علی رضا علیہ السلام کہتے ہیں کہ ایک زندیق (دہریہ) جناب امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں آیا جب کہ آپ کے پاس بہت سے آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔
آپ نے اس سے فرمایا:-

”اے شخص! جو کچھ تم لوگ کہتے ہو اگر وہی ٹھیک ہوا (یعنی کوئی عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہے) تو کیا ہم دونوں (میں اور تم) برابر نہ رہیں گے؟
اور جو نماز، روزے، زکوٰۃ اور اقرار توحید ہم کرتے ہیں ان سے ہمیں نقصان نہ پہنچے گا۔ (زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ یہ نماز، روزے ایک فعل عبث قرار پائیں گے مگر چونکہ کوئی پرستش کرنے والا نہ ہو گا لہذا ہمیں اس کی بھی کچھ پرواہ نہ ہوگی کہ عبث کیا کیا اور فائدہ کیا حاصل کیا) اس لحاظ سے ہم اور تم دونوں برابر ہی رہیں گے۔“

یہ سن کر وہ زندیق چپ ہو رہا۔

پھر آپ نے فرمایا:-

”اگر وہ ہوا جو ہم لوگ کہتے ہیں اور وہی ٹھیک بھی ہے جو ہم کہتے ہیں تو کیا تم تباہ و برباد نہ ہو جاؤ گے اور ہم بچ نہ جائیں گے؟“

(کیونکہ تم نے تو اس کے وجود کو مانا ہی نہیں تھا، اس لیے تم نے نہ تو اس کا اقرار کیا اور نہ اس کی عبادت کی اور اب معلوم ہوا کہ وہ موجود ہے تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حشر ہو گا۔ اب رہے ہم، تو ہم نے تو اس کی عبادت بھی کی تھی، اس کی توحید و قدرت کا اقرار بھی کرتے تھے، اس صورت میں ہمارے ساتھ تو وہ ضرور نیک برتاؤ کرے گا، لہذا تم تباہ و برباد نہ ہو جاؤ گے اور ہم

نجات پا جائیں گے۔)

یہ سن کر زندگی کہنے لگا۔

خدا آپ کا بھلا کرے ، آپ مجھے یہ بتائیے کہ آخر وہ کیونکر ہے اور کہاں

ہے ؟

آپ نے فرمایا:-

”تجھ پر افسوس ہے ! ارے جو تو نے خیال کیا ہے وہ غلط ہے ، اسی نے تو جگہ اور مکان بنائے ہیں وہ تو اس وقت بھی تھا جب کہ کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ اسی نے تو کیفیتوں کو پیدا کیا ہے ، وہ تو اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی کیفیت موجود نہ تھی (پھر اس میں کیفیت کیونکر ہوگی اور اس کی جگہ کہاں ہوگی) وہ کسی کیفیت یا کسی مکان کے ذریعے سے نہیں پہچانا جاتا اور نہ کسی حاسے سے ، اور نہ اس کا قیاس کسی چیز پر ہو سکتا ہے۔“

اس نے کہا:-

پھر تو وہ کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ جو کسی حاسہ سے محسوس ہی نہیں ہو سکتا ہو تو اس کا وجود ہی کب ہو سکتا ہے ؟

آپ نے فرمایا:-

”افسوس ! جب تمہارے حواس اس سے عاجز ہوئے تو تم اس کی خدائی اور اس کے وجود کا انکار کرنے لگے اور جب ہمارے حواس اس کے اور اک سے عاجز ہوئے تو ہمیں اس بات کا یقین ہوا کہ وہی ہمارا رب ہے اور وہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام چیزوں سے جدا ہے۔“

اس نے کہا:-

اچھا یہ بتائیں کہ وہ کب تھا یعنی کب سے موجود ہے ؟

آپ نے فرمایا:-

”تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کب نہ تھا تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کب سے ہے۔“

اس نے کہا:-

اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے؟

آپ نے فرمایا:-

”جب میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو ایسا پایا کہ مجھ کو اس میں کچھ کمی زیادتی طول و عرض میں نظر نہ آئی اور نہ میں اس جسم میں سے تکالیف کو دور کر سکتا ہوں اور نہ بطور خود کوئی فائدہ مند چیز اس تک لا سکتا ہوں، اس سے میں نے جانا کہ اس عمارت جسم کا کوئی معمار بھی ہے، اسی لیے میں نے اس کا اقرار بھی کیا اور اس کے وجود کو تسلیم کر لیا۔

علاوہ ازیں اس کی قدرت سے افلاک کی گردش اور بادلوں کی پیدائش، ہواؤں کا چلنا، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی حرکت جیسی عجیب آیات دیکھتا ہوں تو ان سب کو دیکھ کر مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مقدر اور پیدا کرنے والا ہے۔“

اس (زندیق) نے کہا:-

تو وہ چھپا ہوا کیوں بیٹھا ہے؟

آپ نے فرمایا:-

”مخلوقات پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے (یعنی آدمی اس کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے دل کی آنکھیں گناہوں کی وجہ سے اندھی ہو چکی ہیں ورنہ جو لوگ صاحبان ایمان و تقویٰ ہیں تو ان کی دلی آنکھیں نور الہی کے جلوہ کا ہر وقت مشاہدہ کرتی ہیں) رہا وہ خود تو اس پر کوئی چیز بھی رات اور دن کی گھڑیوں میں پوشیدہ نہیں ہے۔“

اس نے کہا۔
 آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آنکھیں اسے کیوں نہیں دیکھ سکتیں ؟
 آپ نے فرمایا۔
 ”وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ سکے یا کوئی خیال اس کو
 محیط کر سکے یا کوئی عقل اس کو سمجھ سکے۔“
 اس نے کہا۔

اچھا تو آپ اس کی تعریف (اس کے اجزائے اصلیہ) مجھ سے بیان کریں۔
 آپ نے فرمایا۔
 ”اس کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔“

(”حد“ سے مراد یہاں حد منطقی ہے جس کو اہل منطق جنس و فصل
 سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لیے ایک جنس قریب ہوتی ہے
 اور ایک فصل قریب ہوتی ہے اور وہی اس کے اجزائے اصلیہ ہوتے ہیں ، ان
 سے مرکب شدہ چیز کا نام ”حد“ ہے اور جس کی حد بیان کی جائے اسے محدود
 اور نوع حقیقی کہا جاتا ہے۔)

اس نے کہا۔

یہ کیوں ؟

آپ نے فرمایا۔

”یہ اس لیے کہ ہر محدود کی ایک انتہا ہوتی ہے اور جب وہ محل تحدید ہوا
 تو اس میں احتمال زیادتی ہو گا اور جب احتمال زیادتی ہو تو پھر احتمال کمی بھی ہو گا۔
 (حالانکہ اس کی ذات میں کمی اور زیادتی کا احتمال ناممکن ہے) لہذا نہ وہ محدود ہے ،
 نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور نہ اس کے اجزا علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔“

وہم و خیال میں آتا ہے)۔

اس نے کہا:-

آپ لوگ جو اس کو لطیف ، سمیع ، بصیر ، علیم اور حکیم کہتے ہیں ، اس کے کیا معنی ہیں ؟

کیا بغیر کان کے بھی کوئی سمیع ہو سکتا ہے ، کیا بغیر آنکھ کے بھی کوئی بصیر ہو سکتا ہے ، کیا بغیر ہاتھوں سے کام لینے بھی کوئی لطیف ہو سکتا ہے ، اور کیا بغیر صراحی کے بھی کوئی حکیم ہو سکتا ہے ؟؟؟؟
آپ نے فرمایا :-

” ہم انسانوں میں جس کو لطیف کہا جاتا ہے ، وہ کاریگری کے مطابق ہوتا ہے ، کیا تم نے نہیں دیکھا جو کوئی لطیف چیز بنانا ہے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے “

مَا الطَّفَ فُلَانًا

” فلاں شخص نے کیا اچھی کاریگری کی “

جب آدمیوں کو ان کی وجہ سے لطیف کہتے ہیں تو خالق جلیل کو لطیف کیوں نہ کہیں ، اس لیے کہ اس نے تمام نہایت ہی جلیل و لطیف خلقت پیدا کی ہے ، حیوانات کے اندر ان کی روحوں کو ترکیب دیا اور ہر قسم کے جاندار الگ الگ باہم صورتوں میں فرق رکھنے والے پیدا کئے ، ان میں ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوتا اس سے معوم ہوتا ہے کہ لطیف و خیر خالق نے ہر ایک کی صورت ترکیبی میں باریکی صرف کی ہے۔

(اس وجہ سے اس کو لطیف کہتے ہیں گو اس نے ہاتھوں سے نہیں بنایا بلکہ محض اپنے حکم سے پیدا کیا ہے)

پھر ہم نے درختوں اور اس کے پکڑنے والے کو بھی سمیع و بصیر کہا

تو اس وقت ہم نے کہا کہ ہمارا خالق لطیف ہے مگر وہ اس معنی سے لطیف نہیں ہے جو مخلوقات کو ان کی صفت میں باریکی کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔
 ”اور ہم کہتے ہیں کہ وہ سمیع ہے کیونکہ اس پر اس کی مخلوقات کی کوئی آواز خواہ وہ تھوڑی، اثری سے اٹھ رہی ہو یا عرش سے بلند ہو رہی ہو، مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

آواز دینے والی خواہ چیونٹی ہو یا اس سے بڑی چیز، خشکی میں ہو یا دریا میں، وہ سب کی آوازیں سنتا ہے، اور اس پر زبانیں اور لغات مشتبہ نہیں ہوتیں۔
 جب ہم نے اس کی قدرت کا یہ نظارہ دیکھا تو ہم نے بے ساختہ کہا:-
 ”وہ سمیع ہے، وہ سنتا ہے مگر کانوں سے نہیں۔“

”اور ہم کہتے ہیں وہ بصیر ہے، یعنی وہ دیکھنے والا ہے، مگر حاسہ چشم سے نہیں وہ اتنا بڑا بصیر ہے کہ وہ سیاہ چیونٹی کے نشان کو بھی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر دیکھ لیتا ہے، اور وہ اس کے منافع اور مضار کو بھی جانتا ہے اور اس کے اثر جفت اور اس کے بچے اور نسل کو بھی جانتا ہے۔“

جب ہم نے اس کی یہ شان ملاحظہ کی تو ہم نے کہا:-
 ”وہ بصیر ہے مگر اس طرح سے نہیں جیسے اس کی مخلوقات کسی چیز کو دیکھتی ہے۔“

راوی کہتے ہیں:-

وہ شخص (زندیق) وہاں سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ مسلمان ہو گیا۔

توحید کی کم از کم معرفت

۲۹۔ (حذف اسناد) فتح بن یزید جرجانی نے امام علی رضا علیہ السلام سے

پوچھا:-

توحید کی کم از کم معرفت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:-

”کم از کم معرفت کی حد یہ ہے کہ انسان اقرار کرے کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کی کوئی مثال اور شبیہ نہیں ہے اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا اور کوئی چیز اس جیسی نہیں ہے۔“

۳۰۔ (حذف اسناد) زیاد بن عبدالعزیز بن متدی کہتے ہیں:-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے توحید کے متعلق پوچھا:-

آپ نے فرمایا:-

جس نے سورۃ الاخلاص (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) کو پڑھا اور اس پر ایمان

لیا تو اس نے توحید کی پہچان حاصل کر لی پھر آپ نے سورۃ الاخلاص کے خاتمہ پر تین بار کدالک اللہ ربی کے جملے ارشاد فرمائے:-

کیا خدا کو لفظ ”شے“ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

۳۱۔ (حذف اسناد) محمد بن علی خراسانی خادم امام علی رضا علیہ السلام بیان

کرتے ہیں کہ ایک زندیق نے حضرت سے پوچھا:-

کیا خدا کے لیے لفظ ”شے“ کا اطلاق درست ہے؟

آپ نے فرمایا:-

تعبیر کیا ہے چنانچہ اس کا ارشاد گرامی ہے۔

قُلْ أَمَّا شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ۔

(البقرہ-۱۹)

”آپؐ کہہ دیں گواہی کے اعتبار سے کون سی چیز سب سے بڑی ہے ،

آپؐ کہہ دیں اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔“

لہذا اللہ ”شے“ ہے لیکن کوئی شے اس کے مشابہ نہیں ہے۔“

حدوثِ عالم کی دلیل

۳۲۔ (محذوف اسناد) حسین بن خالد نے روایت کی ہے کہ ایک شخص امام

علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:-

حدوثِ عالم کی کیا دلیل ہے؟

آپؑ نے فرمایا:-

”اس کی دلیل یہ ہے کہ تو پہلے موجود نہ تھا، پھر تو معرضِ وجود میں آیا اور

تجھے یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ تو نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا اور نہ ہی تجھے

جیسے کسی شخص نے تجھے پیدا کیا ہے۔“

اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

۳۳۔ (محذوف اسناد) تمیم قرشی نے اپنے باپ سے ، اس نے احمد بن علی انصاری

سے، اس نے ابو الصلت ہرون سے روایت کی ہے کہ مامون نے ابوالحسن علی بن

موسیٰ الرضا علیہ السلام سے خداوند تعالیٰ کے اس قول کی تشریح پوچھی :-

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ

عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ہود-۶)

”وہی وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔“

آپ نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ نے عرش اور پانی اور فرشتوں کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا تھا، فرشتے اپنے تئیں دیکھ کر اور عرش اور پانی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھتے تھے، پھر پروردگار عالم نے اپنے عرش کو پانی پر قائم کیا تا کہ اس سے اپنی قدرت فرشتوں پر ظاہر کرے اور مزید یہ کہ فرشتوں کو علم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

پھر اس نے عرش کو اپنی قدرت سے بلند کیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل فرمایا اور اسے ساتویں آسمان کے اوپر قرار دیا، پھر چھ روز میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا در اُن حالیہ وہ عرش پر غالب تھا اور اس بات پر قادر تھا کہ آسمانوں کو چشم زدن میں پیدا کرے (معلوم ہوا جو لوگ ”استوی علی العرش“ کے معنی خدا کے بیٹھنے کے لیتے ہیں، وہ غلط ہے، بلکہ ”استوی“ کے معنی غلبہ اور قدر کے ہیں)۔

لیکن اس نے چھ روز میں اس لیے پیدا کیا کہ فرشتوں پر رفتہ رفتہ ظاہر کرے کہ وہ کیونکر کسی چیز کو خلق کرتا ہے تا کہ اس طرح کے حدوث سے وہ خداوند تعالیٰ کے وجود کو ”مرۃ بعد اخری“ آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ سمجھ سکیں۔ اُس نے اس لیے تو پیدا نہیں کیا کہ اسے اس بات کی کچھ غرض تھی کیونکہ وہ عرش سے غنی ہے۔

(اس کو بیٹھنے کی تو ضرورت ہی نہیں جس کے لیے اس نے تخت بنایا ہو)۔

اور وہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے، اس کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں

ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا، پروردگار عالم اپنی مخلوقات کی صفات سے بہت بالا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کس لیے پیدا کیا ہے؟

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (ہود - ۷)

” تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا تاکہ انہیں اپنی عبادت و اطاعت کی تکلیف شرعی سے آزمائے، یہ آزمائش بغرض امتحان و تجربہ نہیں ہے (کیونکہ امتحان و تجربہ کی ضرورت اسے ہوتی ہے جسے پہلے علم نہ ہو) اللہ ہمیشہ سے ہی صاحب علم ہے۔

مامون نے کہا :-

ابو الحسن ! آپ نے میری مشکل آسان کی، اللہ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔

جبر و اختیار کا مفہوم

پھر مامون نے پوچھا :-

فرزند رسول ! آپ اس آیت کا مفہوم واضح فرمائیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُنْكِرُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوَمِّنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ - (يونس - ۹۹، ۱۰۰)

” اور اگر خدا چاہتا تو روئے زمین پر رہنے والے سب ایمان لے آتے تو

کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ سب مومن بن جائیں، اور کسی نفس کے امکان میں نہیں ہے کہ بغیر اجازت و توفیق پروردگار کے ایمان لے آئے۔“

اس آیت کے متعلق آپ نے فرمایا:-

میرے والد نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

”لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:-
یا رسول اللہ! آپ جن لوگوں پر حکومت کرتے ہیں، اگر آپ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں تو ہماری تعداد میں اضافہ ہو جائے گا اور ہم اپنے دشمن پر برتری حاصل کر لیں گے۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

میں بدعت ایجاد کر کے اپنے خدا کے حضور پیش ہونے کو پسند نہیں کرتا اور میں اپنی جانب سے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ الْمُنَّ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا۔ (یونس - ۹۹)

”اور اگر خدا چاہتا تو روئے زمین پر رہنے والے سب ایمان لے آتے۔“
یعنی اگر خدا مجبور کر کے ایمان کا مطالبہ کرتا تو دنیا میں کوئی بھی بے ایمان باقی نہ رہتا، جب کہ تمام لوگ احتضار کے وقت ایمان لے آتے ہیں مگر ان کا وہ ایمان فائدہ مند نہیں ہوتا۔

اسی طرح سے اگر اللہ دار دنیا میں ہی سب کچھ دکھا کر ایمان کا مطالبہ کرتا اور لوگ مومن بھی بن جاتے تو ان کا ایمان کسی قسم کی تعریف و توصیف کے قابل نہ ہوتا، اس کے برعکس اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے حالت اختیار میں ایمان لائیں تاکہ قرب خدا وندی اور کرامت آخرت اور جنت الخلد کے مستحق بن سکیں۔
اس لیے اللہ نے فرمایا:-

أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ (یونس - ۹۹)

”تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ سب مومن بن جائیں۔“

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ - (یونس - ۱۰۰)

”اور کسی نفس کے امکان میں نہیں ہے کہ بغیر اجازت و توفیق پروردگار کے

ایمان لے آئے۔“

یہاں ”إِذْنِ“ سے مراد نفس کو ایمان لانے کا حکم دینا ہے۔ کیونکہ ہر نفس جب مکلف ہوتا ہے تو اسے ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے، اگر کوئی نفس مکلف ہی نہ ہو تو اس سے نہ تو ایمان کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

یہ مفہوم سن کر مامون نے کہا :-

فرزند رسول! آپ نے میری مشکل آسان کی، اللہ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔

اللہ نے منکرین ولایت کو اندھوں سے تشبیہ دی

مامون نے پھر کہا :-

ابو الحسن! بھلا اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا

يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا - (الحج - ۱۰۱)

”وہ کافر جن کی نگاہیں ہمارے ذکر کی طرف سے پردہ میں تھیں اور وہ

کچھ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔“

اس آیت کے متعلق حضرت نے فرمایا :-

”واضح ہو کہ آنکھوں پر کوئی پٹی اور پردہ بھی ہو تو وہ سننے سے روک نہیں

سکتا کیونکہ سننے کا تعلق کانوں سے ہوتا ہے آنکھوں سے نہیں ہوتا اور ”ذکر“

دیکھنے کی نہیں سننے ، کی چیز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکررین ولایت علی کی تشبیہ اندھوں سے دی ہے اور وہ ولایت علی کے متعلق رسول خدا کا کوئی فرمان سننا گراں سمجھتے تھے ، اس لیے وہ کچھ سننے کی استطاعت سے محروم ہو چکے تھے۔

مامون نے کہا:-

ابوالحسن ! آپ نے میری مشکل آسان کی ، اللہ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔

۳۴۔ (حذف اسناد) حمدان بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا

علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں پوچھا :-

بندوں کے افعال مخلوق ہیں یا غیر مخلوق ہیں ؟

امام علیہ السلام نے جواب میں تحریر فرمایا :-

”علم الہی میں بندوں کے افعال ان کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے سے

مقدر ہو چکے ہیں۔“

۳۵۔ (حذف اسناد) حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے

روایت کی، آپ نے اپنے آباؤ طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ

السلام سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”جس کا ایمان میرے حوض پر نہ ہو تو خدا اسے میرے حوض پر وارد نہ

کرے اور جو میری شفاعت پر ایمان نہ رکھتا ہو تو خدا اسے میری شفاعت نصیب

نہ کرے۔“

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”میری شفاعت میری امت کے گناہان کبیرہ کرنے والے افراد کے لیے

ہے ، نیکو کاروں کے لیے تو کوئی عذاب سرے سے نہیں ہے۔“

حسین بن خالد (راوی حدیث) کہتے ہیں :-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے ؟

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ - (النبا ۲۸)

”اور فرشتے کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اس کو پسند

فرمائے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”مقصود آیت یہ ہے کہ فرشتے صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس کا

دین اللہ کو پسند ہوگا۔“

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں :-

مومن وہ ہے جسے نیکی کر کے خوش محسوس ہو اور برائی کر کے دکھ

محسوس ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”جسے نیکی کر کے خوشی اور برائی کر کے دکھ محسوس ہو تو وہ مومن ہے۔“

اور جب اسے برائی پر دکھ ہو گا تو اس پر اسے ندامت ہو گی اور ندامت

درحقیقت توبہ ہے اور توبہ کرنے والا شفاعت و مغفرت کا حقدار ہوتا ہے ، جسے

برائی پر کوئی ندامت محسوس نہ ہو تو وہ مومن نہیں ہے اور جو مومن ہی نہ ہو وہ

شفاعت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کا دین اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

زمین کے بستر اور آسمان کی چھت کا مفہوم

۳۶۔ محمد بن قاسم مفسر نے کہا کہ میں نے یہ حدیث یوسف بن محمد

بن زیاد اور علی بن محمد بن یحیٰ سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے امام

حسن عسکری علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امام

علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی۔

آپ نے قرآن مجید کی اس آیت

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَاَنْزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔۔۔ الخ (البقرة-۲۲)
”اس پروردگار نے تمہارے لیے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ بنایا
ہے، پھر اس نے آسمان سے پانی برسا کر تمہاری روزی کے لیے زمین سے پھل نکالے
ہیں۔“

کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-

اللہ فرما رہا ہے کہ اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت زمین کو طابع کے
مطابق اور تمہارے اجسام کے موافق بنایا، زمین کے فرش کو زیادہ گرم نہیں بنایا
ورنہ تم جل جاتے اور زیادہ سرد نہیں بنایا ورنہ تم منجمد ہو کر رہ جاتے اور فرش
زمین کو زیادہ خوشبو دار نہیں بنایا ورنہ تمہارے سروں میں درد پیدا ہوتا اور فرش
زمین کو بدبودار نہیں بنایا ورنہ تم ہلاک ہو جاتے اور پانی کی طرح سے فرش زمین
کو نرم نہیں رکھا ورنہ تم اس میں ڈوب جاتے اور بہت زیادہ سخت نہیں بنایا ورنہ
تم مکانات تعمیر نہ کر سکتے اور مردوں کے لیے قبریں نہ کھود سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو ٹھوس بنایا جس سے تم فائدہ حاصل کر سکتے ہو اور
تمہارے اجسام اور تمہارے مکانات اس پر قرار پکڑ سکتے ہیں اور تمہاری قبریں اس
میں بن سکتی ہیں، اس کے علاوہ بھی تمہارے لیے بہت سے فائدے ہیں، اسی
لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ (البقرة-۲۲)

”اس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَالسَّمَاءَ بِنَاءً۔ (البقرة-۲۲)

”آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا۔“

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور تمہارے منافع کے لیے اس میں سورج ، چاند اور ستاروں کو گردش دی۔
پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ - (البقرة-۲۲)

”اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی اور بارش کو بلندی سے برسایا تاکہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلند و بالا ٹیلوں اور بلند و پست زمین پر یکساں پہنچ سکے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بارش کو یکساں نہیں رکھا ، کبھی باریک قطروں کی شکل میں نازل فرمائی اور کبھی موسلا دھار صورت میں بارش برسائی تاکہ تمہاری زمینیں اس کو برداشت کر سکیں اور اگر وہ بارش کو ایک ہی مرتبہ نازل کر دیتا تو تمہارے مکانات اور زراعت اور درخت اور ہر طرح کے پھل تباہ و برباد ہو جاتے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فَاُخْرِجْ بِهِ مِنْ اَلثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ - (البقرة-۲۲)

”بارش کے ذریعہ سے اللہ نے تمہارے لیے پھلوں کی روزی فراہم کی۔“
یعنی زمین سے تمہارے لیے روزی برآمد ہوتی ہے۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب علم و عقل سے مطالبہ کیا۔

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا ۖ - (البقرة-۲۲)

”پس تم کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ۔“

یعنی تم ایسے بتوں کو اللہ کا شریک و سہم مت بناؤ جو نہ تو عقل رکھتے ہیں اور نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

”اور تم جانتے ہو۔“

تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے یہ بت ان نعمات میں سے کسی نعمت کے فیضان پر قدرت نہیں رکھتے۔

معصیت (نافرمانی) کس کی جانب سے ہے؟

۳۷۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی نے امام علی نقی سے ، انہوں نے امام محمد تقی سے ، انہوں نے امام علی رضا علیہم السلام سے روایت کی۔ ایک مرتبہ ابو حنیفہ ، امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے باہر نکل رہے تھے کہ ان کی ملاقات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

”نوجوان ! یہ بتائیں کہ معصیت کس کی طرف سے ہے ؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:-

”یہ تین میں سے ایک سے سرزد ہوگی۔“

1۔ یا تو معصیت اللہ کی طرف سے ہوگی ، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں

ہے اور اس صورت میں اللہ کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بندہ کو معصیت کا ر سمجھ کر عذاب دے کیونکہ کریم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے ضعیف بندے کو ناکردہ گناہ کی سزا دے۔

2۔ یا یہ کہ معصیت اللہ اور بندے دونوں کی جانب سے ہوگی اور اس صورت

میں بھی خدا کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بندے کو عذاب دے کیونکہ ایک طاقتور شریک کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے کمزور ساتھی کو عذاب دے۔

3۔ یا یہ کہ معصیت بندے کی طرف سے ہوگی اور حقیقت میں ایسا ہی

ہے ، پس اگر اللہ بندے کو اس صورت میں عذاب دے تو وہ عذاب اس کے گناہ

کی وجہ سے ہو گا اور اگر معاف کر دے تو یہ اس کی فیاضی اور اس کا کرم ہو گا۔

قضا و قدر کا مفہوم

۳۸۔ (حذف اسناد سہ گانہ) عکرمہ بن عباس کہتے ہیں :-

جب امیر المومنین علیہ السلام جنگ صفین سے واپس آئے تو جنگ میں شریک ایک عراقی نے آپ سے پوچھا :-

کیا ہمارا اہل شام سے لڑنے کے لیے جانا قضا و قدر سے تھا ؟
آپ نے فرمایا :-

”جی ہاں ! تم جس ٹیلے پر چڑھے اور جس وادی میں تم اترے تمہارا چڑھنا اور اترنا سب اللہ کی قضا و قدر سے تھا۔“

یہ سن کر سائل نے کہا :-

پھر میں اپنی اس تکلیف و زحمت کو اللہ کی جانب سے سمجھتا ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”خدا تم پر رحم کرے شاید تم نے حتمی و لازمی قضا و قدر سمجھ لیا ہے (کہ جس کے انجام دینے پر ہم مجبور ہیں) اگر ایسا ہوتا تو پھر نہ ثواب کا کوئی سوال پیدا ہوتا اور نہ عذاب کا اور امر و نہی باطل قرار پاتے اور نہ وعدے کے کچھ معنی رہتے نہ وعید کے اور گناہ گار قابل ملامت نہ ہوتا اور نیکو کار لائق تعریف نہ ہوتا ، اور اچھائی کرنے والا ، برائی کرنے والے کی بہ نسبت ملامت کے زیادہ لائق قرار پاتا اور برائی کرنے والا ، اچھائی کرنے والے کی بہ نسبت زیادہ قابل تعریف ہوتا، اور یہ بت پرست اور رحمان کے دشمنوں اور اس امت کے قدریہ اور مجوسی افراد کا نظریہ ہے۔“

اے شیخ ! اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خود مختار بنا کر مامور کیا ہے اور (عذاب

(سے) ڈراتے ہوئے نہی کی ہے۔

اس نے سہل و آسان تکلیف دی ہے اور دشواریوں سے بچائے رکھا ہے وہ تھوڑے کیے پر زیادہ اجر دیتا ہے۔

اس کی نافرمانی اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ مغلوب ہو گیا ہے اور نہ اس کی اطاعت اس لیے کی جاتی ہے کہ اس نے مجبور کر رکھا ہے۔

اس نے پیغمبروں کو بطور تفریح نہیں بھیجا اور بندوں کے لیے کتابیں بے فائدہ نہیں اتاری ہیں اور نہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کو بے کار پیدا کیا ہے۔

یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا ، تو افسوس ہے ان پر جنہوں نے کفر اختیار کیا آتشِ جہنم کے عذاب سے ۔

اس روایت کا تتمہ یہ ہے۔

پھر اس شخص نے کہا:-

وہ کون سی قضا و قدر تھی جس کی وجہ سے ہمیں جانا پڑا ؟

حضرت نے فرمایا:-

”قضا کے معنی حکم باری تعالیٰ کے ہیں جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّاَّ إِلَٰهَ ۖ (بنی اسرائیل ۲۳)

”اور تمہارے پروردگار نے تو حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت

نہ کرنا۔“

یہاں پر ”قضیٰ“ بمعنی ”امر“ ہے۔

(ماخوذ از ترجمہ نبج البلاغہ مفتی جعفر حسین مرحوم)

حضرت کا یہ جواب سن کر وہ شخص اٹھا اور کہنے لگا :-

انت الامام الذی نرجو بطاعته
 یوم النجاة من الرحمن غفرانا
 اوضحت من دیننا ما کان ملتبسا
 جزاک ربک عنا فیہ احسانا
 فلیس معذرة فی فعل فاحشة
 قد کنت راکبها فسقا و عصیانا
 لا لا و لا قائلنا ناهیہ اوقعہ
 فیہا عبدت اذاً یا قوم شیطانا
 و لا احب و لا شاء الفسوق ولا
 قتل الولیٰ له ظلماً و عدوانا
 انیٰ یحب و قد صحت عزیمتہ
 ذوالعرش اعلن ذاک اللہ اعلانا

”آپ ہی ایسے امام ہیں جن کی اطاعت کی وجہ سے قیامت کے دن ہم مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔

آپ نے ہمارے دین کے وہ مسائل واضح کیے جو پہلے پردہ میں تھے ، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔

برائی کے ارتکاب کرنے میں کسی کے پاس کوئی عذر نہیں ہے ، اس سے پہلے میں فسق و نافرمانی کرتے ہوئے معصیت کا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔

کسی کہنے والے کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ برائی سے روکنے والے اللہ نے ہی اسے برائی میں دھکیل دیا ہے ، اگر میں ایسا نظریہ رکھوں تو پھر میں نے شیطان کی اطاعت کی ہے۔

اللہ کسی طرح کے فسق و فجور کو پسند نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہے کہ ظلم و تعدی سے اس کے ولی کو قتل کیا جائے۔

وہ معصیت کو کیسے پسند کر سکتا ہے کیونکہ عرش کے مالک نے اپنے ارادہ کا اعلان کر دیا ہے۔“

محمد بن حافض نے صرف پہلے دو بیت نقل کیے ہیں۔

۳۹۔ (حذف اسناد) احمد بن عبد اللہ جو نباری شیبانی نے امام علی رضا علیہ السلام سے اور آپ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے فرمایا:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”اللہ نے آدم کی تخلیق سے دو ہزار برس قبل تقدیر کا فیصلہ کر دیا ہے اور تدابیر مقرر کر دی ہیں۔“

۴۰۔ (حذف اسناد) داؤد بن سلیمان الفراء کہتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام

نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔

ایک یہودی نے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا:-

آپ یہ بتائیں۔

1۔ کون سی چیز اللہ کے لیے نہیں ہے؟

2۔ کون سی چیز اللہ کی جانب سے نہیں؟

3۔ کس چیز کو اللہ نہیں جانتا؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:-

1۔ جو چیز اللہ کے لیے نہیں، تو اللہ کے لیے شریک نہیں ہے۔

2۔ جو چیز اللہ کی طرف سے نہیں، تو اللہ کی طرف سے ظلم نہیں ہے۔

3۔ جس چیز کا علم اللہ کو نہیں، تو اللہ کو تو علم کا علم نہیں۔

کہ ” عزیز “ اللہ کے فرزند ہیں ، اللہ کو اپنے کسی بیٹے کا علم نہیں ہے۔
حضرت کا یہ جواب سن کر یہودی بے ساختہ پکار اٹھا۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

۴۱۔ (بخاری اسناد) احمد بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام سے کسی نے حالت طواف میں پوچھا :-

تخی کون ہے ؟

آپ نے فرمایا :-

” تیرے کلام کے دو مفہوم ممکن ہیں۔

1۔ اگر تیرا سوال مخلوق کے متعلق ہے تو تخی وہ ہے جو فرائض الہی کو بجالائے اور غفلت وہ ہے جو فرائض سے بخل کرے۔

2۔ اگر تیرا سوال خالق کے متعلق ہے تو پھر اللہ ہی تخی ہے ، خواہ وہ عطا کرے یا بندش کرے ، کیونکہ اگر وہ اپنے کسی بندہ کو عطا کرتا ہے تو بندہ کا استحقاق نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنا فضل کسی سے روک لے تو اس نعمت میں بندے کا حصہ نہیں ہوتا۔“

۴۲۔ (بخاری اسناد) حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ، آنحضرتؐ نے فرمایا :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِيْ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقُدْرِيْ فَلَيْتَمَسَّ الْهَامُ

غیری۔

” جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری تقدیر پر ایمان نہ رکھے تو اسے چاہئے کہ میرے علاوہ کوئی اور معبود تلاش کرے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

فی کل قضاء اللہ خیر للمؤمنین

”اللہ کی ہر قضا میں اہل ایمان کے لیے بہتری ہے۔“

۴۳۔ (حذف اسناد) ابراہیم بن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے

امام علی رضاعلیہ السلام سے پوچھا:-

کیا اللہ اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:-

”وہ اس سے کہیں بڑھ کر عادل ہے۔“

پھر اس شخص نے پوچھا:-

کیا بندے اپنے ہر ارادے کو پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:-

”وہ اس سے کہیں زیادہ عاجز ہیں۔“

۴۴۔ (حذف اسناد) ابو احمد غازی روایت کرتے ہیں کہ امام علی رضاعلیہ السلام

نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا:-

میں نے اپنے والد امیر المومنین علیہ السلام سے سنا۔

انہوں نے فرمایا:-

اعمال تین طرح کے ہیں۔

1۔ فرائض 2۔ فضائل 3۔ معاصی

1۔ فرائض اللہ کے امر اور اس کی رضا اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر،

مشیت اور علم سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

2۔ فضائل، اللہ کے امر کی بجائے اللہ کی رضا، قضا، تقدیر، مشیت،

اور علم سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

3۔ معاصی کا تعلق امر پروردگار سے نہیں ہوتا البتہ اس کا تعلق قدر الہی

اور علم پروردگار سے ہوتا ہے ، پھر اللہ اس پر سزا بھی دے گا۔

جبر و تشبیہ کی تردید اور غلاۃ کی پُر زور مذمت

۴۵۔ (حدیف اسناد) حسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ

السلام کی خدمت میں عرض کیا:-

فرزند رسول! لوگ ہمیں تشبیہ و جبر کا قائل کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ

ہے کہ آپ کے آباء کرام سے اس کے لیے بہت سی روایات مروی ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

ابن خالد! یہ بتاؤ کہ جبر و تشبیہ کی روایات میرے آباء سے زیادہ مروی

ہیں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مروی ہیں۔

میں نے عرض کیا:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس موضوع کی زیادہ روایات

مروی ہیں۔

حضرت علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

پھر تو ان لوگوں کو یہ کہنا چاہیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جبر و تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔

میں نے عرض کیا:-

لوگ کہتے ہیں کہ یہ روایات موضوع ہیں ، آنحضرتؐ نے دراصل یہ

باتیں نہیں فرمائی تھیں ، جھوٹے لوگوں نے اس قسم کی روایات وضع کر لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ میرے آباء کرام کے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھیں کہ انہوں نے یہ باتیں نہیں کی تھیں ، دروغ گو راویوں نے اپنی طرف سے یہ روایات وضع کر لی ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا:-

”جو شخص جبر و تشبیہ کا قائل ہو وہ کافر مشرک ہے اور ہم دنیا اور آخرت میں اس سے بیزار ہیں۔

ان خالد ! تشبیہ و جبر کی روایات ہمارے نام پر غالیوں نے وضع کی ہیں جنہوں نے اللہ کی عظمت کو حقیر جانا ہے۔

جو ان غلاۃ سے محبت کرے ، اس نے ہم سے بغض رکھا ، اور جس نے ان سے بغض رکھا ، اس نے ہم سے محبت کی اور جس نے ان سے دوستی رکھی ، اس نے ہم سے دشمنی کی ، اور جس نے ان سے دشمنی رکھی ، اس نے ہم سے دوستی رکھی۔ جس نے ان سے تعلق جوڑا ، اس نے ہم سے تعلق توڑا اور جس نے ان سے تعلق توڑا ، اس نے ہم سے تعلق جوڑا۔

جس نے ان سے جفا کی اس نے ہم سے بھلائی کی اور جس نے ان سے بھلائی کی ، اس نے ہم سے جفا کی ، جس نے ان کی عزت کی ، اس نے ہماری توہین کی ، اور جس نے ان کی توہین کی اس نے ہماری عزت کی ، جس نے ان کی بات قبول کی ، اس نے ہماری بات ٹھکرائی اور جس نے ان کی بات ٹھکرائی ، اس نے ہماری بات قبول کی ، جس نے ان پر احسان کیا ، اس نے ہم سے برائی کی ، جس نے ان سے برائی کی ، اس نے ہم پر احسان کیا ، جس نے ان کی تصدیق کی ، اس نے ہمیں جھٹلایا ، اور جس نے انہیں جھٹلایا اس نے ہماری تصدیق کی ، جس نے انہیں کچھ عطا کیا ، اس نے ہمیں محروم رکھا ، اور جس نے انہیں محروم رکھا ،

اس نے ہمیں عطا کیا۔

ابن خالد ! جو بھی ہمارا شیعہ ہو ، اسے چاہئے کہ وہ غالیوں کو اپنا سر پرست اور مددگار مت بنائے۔“

۴۶۔ (محذف اسناد) حسن بن علی الوشا کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا :-

کیا اللہ نے معاملہ بندوں کے سپرد کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا :-

”اللہ اس سے زیادہ غالب ہے۔“

میں نے عرض کیا :-

کیا اللہ نے بندوں کو معاصی (نافرمانی) پر مجبور کیا ؟

آپ نے فرمایا :-

”اللہ اس سے کہیں زیادہ عادل و حکیم ہے۔“

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

”فرزند آدم ! تیری بہ نسبت تیری بھلائوں کا زیادہ حقدار میں ہوں اور

تو اپنی برائیوں کا خود ذمہ دار ہے ، میں نہیں ہوں ، کیونکہ تو میری ہی عطا کردہ قوت سے میری ہی نافرمانی کر رہا ہے۔“

جبریہ کے لیے فرمان

۴۷۔ (محذف اسناد) عبدالسلام بن صالح ہروی کہتے ہیں کہ میں نے امام

علی رضا علیہ السلام سے سنا۔

آپ نے فرمایا :-

” جو شخص جبر کا عقیدہ رکھتا ہو ، اسے مال زکوٰۃ میں سے کچھ بھی نہ دو اور اس کی گواہی قبول نہ کرو ، اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔“

جبر و تفویض کے لیے قولِ فیصل

۴۸۔ (حذف اسناد) سلیمان بن جعفر الجعفری (حمیری) کہتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام کی محفل میں جبر و تفویض کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:-
کیا میں تمہیں اس کے متعلق ایک بنیادی نکتہ نہ سمجھاؤں جس میں اختلاف نہ ہو سکے اور اگر اس نکتہ کی موجودگی میں کوئی تم سے مباحثہ کرے تو تم اس کو مغلوب کر سکو ؟

ہم نے عرض کیا :-

اگر آپ ایسا کریں گے تو بہتر ہو گا۔

آپ نے فرمایا :-

” اللہ اپنی اطاعت مجبور کر کے نہیں کراتا اور اللہ کی معصیت کی بنیاد خدا کا مغلوب ہونا نہیں ہے ، اللہ نے بندوں کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا ، جس چیز کا اللہ نے انہیں مالک بنایا ہے ، اس چیز کا حقیقی مالک وہ خود ہے اور جس چیز پر لوگوں کو قدرت دی ہے ، اس پر حقیقی قادر وہ خود ہے ، اگر بندے اس کی اطاعت کریں تو وہ بندوں کو اپنی اطاعت سے روکنے والا نہیں ہے اور اگر اللہ مہربانی کرتے ہوئے اپنے بندوں کو گناہوں سے روکنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے ، اور اگر وہ بندوں کو گناہوں میں حائل نہ ہو تو بندے گناہ کرتے ہیں ، اللہ خود بندوں کو گناہوں میں داخل نہیں کرتا۔“

پھر آپ نے فرمایا :-

جو شخص اس بنیادی نکتہ کے حدود کو اچھی طرح سے یاد کرے گا تو وہ اپنے مخالف کو مغلوب کرے گا۔

۴۹۔ (حذف اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں نے

امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی :-

ہمارے کچھ ساتھی جبر کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کچھ ساتھی استطاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں (اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں ؟)

آپ نے فرمایا :-

قم دوات لو اور لکھو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

”اِنَّ اٰدَمَ ! مِیْرِ مِثِیْتُ کِی وَجِہ سے تو چاہتا ہے اور مِیْرِ عَطَا کردہ قوت سے ہی تو میرے ’فرائض‘ ادا کرتا ہے اور مِیْرِ نِعْمَت کی وجہ سے ہی تو مِیْرِ نافرمانی کرتا ہے ، میں نے تجھے سننے والا ، دیکھنے والا ، اور قوت رکھنے والا بنایا ہے۔“

اور تجھے جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تیری ہی جانب سے ہوتی ہے اور تیری نیکیوں کا میں تجھ سے زیادہ حقدار ہوں اور تو اپنی برائیوں کا خود ذمہ دار ہے اور جو کچھ میں کرتا ہوں میں اس کا جوابدہ نہیں ہوں اور جو کچھ تم کرو گے تم اس کے جوابدہ ہو۔“

پھر آپ نے فرمایا :-

جو کچھ تو چاہتا ہے وہ میں نے تجھے لکھوا دیا۔

خالق و مخلوق کے اسماء میں معنوی فرق

۵۰۔ (حذف اسناد) حمین بن خالد کہتے ہیں :-

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”جان لو ! اللہ تمہیں اچھائی کی تعلیم دے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اور ”قدیم“ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو عاقل کو درس دیتی ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اس کے ساتھ بھی کوئی چیز نہ تھی اور اس صفت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز اللہ سے پہلے نہ تھی اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں تھی اور کوئی چیز اس کے ساتھ باقی نہیں رہے گی، اور اس صفت قدیم پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ان لوگوں کا یہ قول باطل ہو جائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ کوئی چیز تھی۔

اور ان کے قول کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی چیز اللہ کے ساتھ مان لی جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ اس چیز کا خالق نہیں ہے، کیونکہ اللہ ایسی چیز کا خالق کیسے بن سکتا ہے جو اس کے ساتھ موجود ہو؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ سے پہلے کوئی چیز موجود تھی تو اولیت کا شرف اس چیز کو حاصل ہو گا نہ کہ اللہ کو، اور پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ خالق نہیں ہے بلکہ وہ چیز خالق ہے جو اس سے پہلے موجود تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دعا کا سلیقہ سکھانے کے لیے اپنے کچھ اسماء بیان کیئے، چنانچہ اللہ جل شانہ نے اپنے آپ کو سمیع، بصیر، قادر، قادر، قاهر، حی، قیوم، ظاہر، باطن، لطیف، خبیر، قوی، عزیز، حکیم، اور علیم اور اس طرح کے دوسرے ناموں سے موسوم کیا۔

غلاۃ کی غلط فہمی

پھر جب تکذیب کرنے والے غلاۃ نے ہم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی چیز اللہ کی مثال نہیں ہے اور کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے تو انہوں نے کہا:-
جب آپ یہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز اس کی شبیہ و شیل نہیں ہے تو پھر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ حضرات اللہ کے اما حسنیٰ میں کیسے شریک ہوئے اور آپ نے اپنے آپ کو تمام اسمائے حسنیٰ سے کیونکر موسوم کیا ہے ؟
اور یہی بات اس چیز کی دلیل ہے کہ آپ تمام حالات میں اس کی مثال ہیں یا کم از کم بعض اشیاء میں آپ اس جیسے ہیں کیونکہ آپ بھی اسمائے حسنیٰ سے موسوم ہیں۔

غلاۃ کے اس نظریہ کا ابطال

غلاۃ کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض افراد کو اپنے اسمائے حسنیٰ سے موسوم کر کے انہیں محترم بنایا ہے مگر معافی جدا جدا ہیں کیونکہ اکثر اوقات ایک ہی اسم دو الگ الگ معانی کو ظاہر کرتا ہے۔
اس کی مثال یوں سمجھیں جس طرح سے کسی انسان کو بھی کلب (کتا) ،
حمار (گدھا) ، ثور (بیل) ، سکرة (شکر) ، علقمہ (ایلو) اور اسد (شیر) کہا جاتا ہے ،
لیکن ان اسماء کا اطلاق بطور مجاز ہوتا ہے اور الفاظ اپنے حقیقی اور وضعی معانی میں استعمال نہیں کیئے جاتے ، کیونکہ انسان شیر اور کتا نہیں ہوتا۔

اللہ کے عالم اور مخلوق کے عالم ہونے کا فرق

اللہ کا اسم ”عالم“ ہے لیکن اس کا علم حادث نہیں ہے اور اس کا علم تجربات و مشاہدات پر مبنی نہیں ہے اور اس سے اس کا علم جدا نہیں ہے۔ اس کے برعکس پڑھے لکھے افراد کو بھی ”عالم“ کہا جاتا ہے، مگر ان کا علم حادث ہوتا ہے اور وہ اس علم سے پہلے جاہل ہوتے ہیں اور بعض اوقات انہیں ضعیفی اور نسیان طاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کا علم، جمل میں بدل جاتا ہے۔

اس کے خالق کو بھی ”عالم“ کہا جاتا ہے اور مخلوق کو بھی ”عالم“ کہا جاتا ہے، لفظ بظاہر ایک ہے جب کہ معانی میں بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ”سمیع“ (سننے والا) ہے اور اللہ کی مخلوق میں بھی حسن سماعت موجود ہے جس کی وجہ سے انہیں بھی ”سمیع“ کہا جاتا ہے، لیکن اللہ سننے کے لیے کان کا محتاج نہیں ہے، وہ بغیر کانوں کے سنتا ہے جب کہ اس کی مخلوق سننے کے لیے کانوں کی محتاج ہے اور مخلوق اور خالق کے سننے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مخلوق مدہم ترین آواز سننے سے قاصر ہے لیکن رب العالمین خفی سے خفی تر آوازوں کو سنتا ہے۔

اس کے باوجود اللہ کو بھی ”سمیع“ کہا جاتا ہے اور مخلوق کو بھی ”سمیع“ کہا جاتا ہے، لفظ ایک ہے معانی جدا جدا ہیں۔

اللہ کا ایک اسم ”بصیر“ (دیکھنے والا) ہے، اور مخلوق کو بھی ”بصیر“ کہا جاتا ہے، جب کہ ہمارے دیکھنے اور خدا کے دیکھنے میں بڑا فرق ہے، ہم دیکھنے کے لیے آنکھوں کے محتاج ہیں جب کہ اللہ حاسد چشم کا محتاج نہیں ہے، علاوہ ازیں ہم ہزاروں چیزیں دیکھتے ہیں لیکن انہیں پہچانتے نہیں ہیں جب کہ اللہ

ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر شے کو پہچانتا ہے ، اللہ اور مخلوق کے لیے اسم ”بصیر“ ایک ہے اور معنی جدا جدا ہیں۔

انسانوں کے لیے بھی لفظ ”قائم“ استعمال کیا جاتا ہے اور یہی لفظ ”قائم“ اللہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور معانی میں بڑا فرق ہے۔

انسان کو اس وقت ”قائم“ کہا جاتا ہے جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا ہو جب کہ اللہ کے لیے پاؤں ہی نہیں ہے ، غرض یہ کہ خالق اور مخلوق کے لیے ایک لفظ ”قائم“ استعمال ہوتا ہے ، مگر لفظ کے اشتراک کے باوجود معانی جدا جدا ہیں۔

اللہ ”لطیف“ ہے لیکن لفظ ”لطیف“ میں قلت ، دبلہ پن اور چھوٹا ہونے کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

اللہ کے ”لطیف“ ہونے کے معانی یہ ہیں کہ وہ باریک بین ہے اور وہم تک اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور اس کے ”لطیف“ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو کسی حد منطقی میں محدود نہیں کیا جاسکتا اور کسی وصف کے ساتھ اس کی حد بندی نہیں کی جاسکتی ۔

اور اس کے برعکس انسانوں پر بھی لفظ ”لطیف“ کا اطلاق ہوتا ہے جس کے معنی چھوٹا پن اور قلت کے ہوتے ہیں۔

(لہذا خالق و مخلوق کے لیے لفظ ”لطیف“ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس کے مفہوم میں فرق ہوتا ہے۔)

اللہ کے لیے لفظ ”خبیر“ کا اطلاق ہوتا ہے اور مخلوق کے لیے بھی یہ لفظ ”خبیر“ دیا جاتا ہے جب اس لفظ کا اطلاق اللہ کے لیے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا باخبر ہے کہ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن اس کا باخبر ہونا کسی تجربہ کا مرہون نہیں ہے ،

اگر اس کا علم تجربہ کا محتاج ہوتا تو وہ جاہل کہلاتا اور اللہ ازل سے ہی ہر چیز سے باخبر ہے اور مخلوق میں سے ”خبیر“ اسے کما جاتا ہے جو اپنے تجربہ کی وجہ سے علم پیدا کرے۔

الغرض نام ایک ہے لیکن مفہوم جدا جدا ہے۔
 اللہ کا ایک اسم ”ظاہر“ ہے تو اس کے ”ظاہر“ ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ وہ اشیاء کی چوٹی پر سوار ہو کر بیٹھا ہے، لفظ ”ظاہر“ اللہ کی قدرت کو واضح کرتا ہے یعنی وہ تمام اشیاء پر غالب و قادر ہے، جیسا کہ عربی زبان کا مقولہ ہے۔

ظہوت علی اعدائی

”میں اپنے دشمنوں پر غالب آیا۔“

علاوہ ازیں ذات احدیت کے لیے لفظ ”ظاہر“ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے ظاہر کرتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ تمام اشیاء کا تدبیر کنندہ ہے۔ اور اللہ سے زیادہ کس کا امر ظاہر و واضح ہو سکتا ہے ؟

کیونکہ آپ جہاں جائیں گے آپ کو اللہ کی صنعت نظر آئے گی اور خود تمہارے وجود میں بھی اللہ نے اتنی نشانیاں رکھی ہیں کہ تمہیں دوسری نشانیوں کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اور اس کے برعکس جب کسی انسان پر لفظ ”ظاہر“ کا اطلاق کیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہر بہ ظاہر دکھائی دینے والا ہے اور اپنی حدود کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تو اگرچہ لفظ ایک ہے، لیکن اس کے مفہوم جدا جدا ہیں۔

اللہ کا ایک اسم ”باطن“ ہے لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ وہ

کسی چیز کے اندر میں چھپا ہوا ہے ، اس کے ”باطن“ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ تمام اشیاء کی اندرونی کیفیات کا علم رکھتا ہے ، ان کی محافظت اور تدبیر کرتا ہے اور اس لفظ کا مادۂ اشتقاق ”أَبْطَنْتُہ“ ہے جس کے معنی ہیں کہ میں نے اس کے اندرونی راز کو معلوم کیا۔

اور یہی لفظ ”باطن“ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جب یہ لفظ مخلوق کے لیے بھی مستعمل ہو تو اس کے معنی چھپے ہوئے اور کسی چیز کے اندر بیٹھے ہوئے فرد کے ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ”باطن“ اگرچہ خالق و مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے ، لیکن معانی میں فرق ہوتا ہے۔

اللہ ”قابر“ ہے لیکن اس کے ”قابر“ ہونے کا مفہوم بندوں کے ”قابر“ ہونے کے مفہوم سے بالکل جدا ہے کیونکہ مخلوق کسی پر غلبہ حاصل کرتا ہے تو اسے مکر و فریب و حیلہ گری کا سہارا لینا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آج کا مقمور (مغلوب) کل کا ”قابر“ (غالب) بھی بن سکتا ہے اور قابر ، مقمور میں بدل سکتا ہے ، جب کہ اللہ کے ”قابر“ (غالب) ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر ہمیشہ کے لیے اقتدار رکھتا ہے اور تمام موجودات لفظ ”کُنْ“ سے منصہ شہود پر آنے کے لیے تیار ہیں اور ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے اور کوئی چیز پلک جھپکنے کی دیر کے لیے بھی اس کے احاطہ اقتدار سے باہر نہیں نکل سکتی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ خالق و مخلوق کے لیے اگرچہ ایک ہی نام استعمال ہوا لیکن دونوں کے مفاہیم میں بہت بڑا فرق ہے۔

اگرچہ ہم تمام ناموں کا باہمی فرق تو بیان نہیں کر سکے لیکن ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں کنایت ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی اور توفیق کے لیے

تمہارا، ہمارا مددگار ہو۔

توحید کے متعلق امام علی رضاؑ کا خطبہ (۱)

۵۱۔ (حذف اسناد) محمد بن یحییٰ بن عمر بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ جب مامون نے امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنانا چاہا تو اس نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر بنی ہاشم نے ان پر حسد کیا اور مامون سے کہنے لگے؟ آپ ایک جاہل شخص (نعوذ باللہ) کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتے ہیں جسے امور خلافت کے متعلق کچھ بھی آگاہی نہیں ہے، آپ اسے یہاں بلائیں اور اس کی جماعت کا خود ہی مشاہدہ کر لیں۔

چنانچہ امام علی رضا علیہ السلام کو بلایا گیا اور بنی ہاشم نے ان سے کہا: ابوالحسن! آپ منبر پر بیٹھیں اور ہمیں توحید کے متعلق خطبہ دیں۔ یہ سن کر آپ منبر پر تشریف لائے اور کچھ میر خاموش ہو کر بیٹھے رہے پھر آپ نے منبر پر اپنے کپڑوں کو جھڑا اور منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضور اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ پر درود بھیجا۔ پھر آپ نے فرمایا:-

اللہ کی پہلی عبادت اس کی معرفت ہے، اور معرفت الہی کی بنیاد اس کی توحید ہے، اور اللہ کی توحید کا نظام اس سے صفات کی نفی ہے کیونکہ عقول کی گواہی یہ ہے کہ ہر صفت و موصوف مخلوق ہیں اور ہر موصوف اسی بات کا شاہد ہے کہ اس

۱۔ اصل نقلی اور بعض جدید مطبوعہ نسخوں میں اس خطبے کے لیے متعدد باب قائم کیا گیا ہے، لیکن ہم نے قدیم مطبوعہ اور بہت سے ہمیں نسخوں کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے تیسرے دو باب میں شامل کیا ہے، اصل نسخوں میں اس خطبہ کی سرش اس الفاظ میں ختم ہوئی ہے۔

ما جاء عن الرضا عليه السلام في التوحيد عند المأمون

”وہاں، مامون میں توحید کے متعلق امام علی رضاؑ کا خطبہ“

کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ خالق نہ صفت ہے اور نہ ہی موصوف ہے۔ اور صفت و موصوف دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اور ساتھی ہونا اس بات کا شاہد اور متقاضی ہے کہ وہ حادث ہے اور حدوث کی گواہی یہ ہے کہ وہ ازلی نہیں اور وہ حدوث سے پاک نہیں ہے۔

جس نے تشبیہ سے اللہ کو پہچانا تو دراصل اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں اور جس نے اس کی کلمہ معلوم کرنی چاہی تو اس نے اسے واحد ہی تسلیم نہیں کیا اور جس نے اس کی تمثیل دی تو اسے اس کی حقیقت کا اور اک ہی نہیں ہوا اور جس نے اس کی غایت بیان کی، اس نے اللہ کی تصدیق ہی نہیں کی، اور جس نے اس کی طرف اشارہ کیا، اس نے ذات احدیت کا قصد ہی نہیں کیا اور ذات احدیت اس کا مقصود ہی نہیں جس نے اس کی تشبیہ دی۔ اور جس نے اللہ کے اجزاء بنائے تو وہ اس کے آگے جھکا ہی نہیں، اور جس نے اس کا وہم کیا اس نے اللہ کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

بر بھلائی اسی کی وجہ سے بنی ہے اور ہر قائم کی علت وہی ہے، اللہ کی صنعت سے اس کا استدلال کیا جاتا ہے اور عقول سے اس کی معرفت کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، اور فطرت سے اس کی حجت کا اثبات کیا جاتا ہے۔

اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے اور ان کے درمیان حجاب رکھا، پھر ان کا تضاد و تباہی اور اختلاف مکان اور ان کی ابتدا مخلوق کے لیے اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی ابتدا ہی نہیں ہے، کیونکہ ابتدائی چیز دوسری چیز کی ابتدا سے عاجز ہوتی ہے، اور مخلوق کو اعتناء و جوارح دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اعتناء اور جوارح نہیں ہیں اور اعتناء و جوارح اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہیں مادہ کی ضرورت ہے اور اس کے اسماء تعمیر کے لیے ہیں اور اس کے افعال تفہیم کے لیے ہیں، اس کی ذات حقیقت سے اور اس کی کلمہ اس کے اور مخلوق

کے مابین تفریق ہے ۔

اور اس کی طرف سے مخلوقات کا اختلاف اس کے ماسوا کی حد بندی ہے ، جس نے اللہ کی وصف کرنی چاہی وہ اللہ سے جاہل رہا اور جس نے اسے مشتمل جانا ، اس نے اس کی سرکشی کی ، جس نے اس کی کلمہ معلوم کرنا چاہی وہ اس کو حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

جس نے اس کے متعلق ”کَيْفَ“ (کیسا) کہا تو اس نے اس کی تشبیہ دی اور جس نے اس کے لیے ”لِمَا“ (کیوں) کہا تو اس نے اسے علتوں کا پابند کیا ، اور جس نے اس کے لیے ”مَتَى“ (کب) کہا تو اس نے اسے وقت کا پابند سمجھا ، اور جس نے اس کے لیے ”فِيهَا“ (کس میں ہے) کہا تو اس نے اسے کسی چیز کے ضمن میں فرض کر لیا۔

جس نے اس کے لیے ”إِلَى مَا“ (کب تک) کہا تو وہ اس کے انجام کو معلوم کرنے کا خواہش مند ہوا ، جس نے اس کے لیے ”حَتَّى مَا“ (یہاں تک) کہا تو اس نے اس کی غایت بیان کی تو اس نے گویا اسے سر پر بلند کرنا چاہا اور جس نے اسے سر پر بلند کرنا چاہا تو اس نے دوئی پیدا کی اور جس نے دوئی پیدا کی تو اس نے صفات مانے اور جس نے صفات مانے اس نے ذاتِ خداوندی میں شک کیا ۔

محقق کے تغیر سے اس میں تغیر پیدا نہیں ہوتا ، جیسا کہ محدود کی حد بندیوں کی وجہ سے اس کی حد بندی نہیں ہو سکتی ۔

وہ ”ایک“ ہے لیکن عدد کے اعتبار سے نہیں ، وہ ”ظاہر“ ہے لیکن کسی چیز کے مٹنے کے اعتبار سے نہیں ، وہ ”تجلی“ کرنے والا ہے لیکن رؤیت کو آزادی دے کر نہیں ، وہ ”باطن“ ہے لیکن زائل ہو کر نہیں ، وہ ”علیحدہ“ ہے لیکن ساخت کے اعتبار سے نہیں ، وہ ”قریب“ ہے لیکن نزدیک ہو کر نہیں ، وہ ”لطیف“

ہے مگر جسمانیات کے لحاظ سے نہیں ، وہ ”موجود“ ہے ، لیکن عدم کے بعد نہیں ، وہ ”فاعل“ ہے لیکن اضطراب کی وجہ سے نہیں ، وہ ”اندازہ“ کرنے والا ہے لیکن فکر کی جالانی سے نہیں ، وہ ”مدر“ ہے لیکن حرکت سے نہیں ، وہ ”ارادہ“ کرنے والا ہے لیکن اشتیاق نفس کی وجہ سے نہیں ، وہ ”مدرک“ ہے لیکن حاسہ سے نہیں ، وہ ”سننے“ والا ہے مگر آلہ سے نہیں ، وہ ”دیکھنے“ والا ہے مگر جوارح کے ساتھ نہیں اوقات اس کے مصاحب نہیں اور اماکن اسے مقتضی نہیں ، اسے اونگھ نہیں آتی اور صفات اسے محدود نہیں کر سکتے اور آلات اسے مقید نہیں کر سکتے۔

اس کا ہونا اوقات سے سابق اور اس کا وجود ، عدم سے پہلے ہے۔ ابتدا اس کی ازل ہے ، نشان قائم کرنے کی وجہ سے معلوم ہوا کہ وہ خود بے نشان ہے اور ”جوہر“ کی جوہریت ثبوت ہے کہ وہ ”جوہر“ میں مقید نہیں ہے۔ اشیاء کے باہمی تضاد سے پتہ چلا اس کا کوئی متضاد نہیں ہے۔

چیزوں کے ایک دوسرے کا ساتھی بننے سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اس نے نور کو ظلمت کا متضاد اور وضاحت کو اشکال اور خفگی کو تری اور سردی کو گرمی کا متضاد بنایا۔

مختلف المزاج اشیاء کی تالیف اپنے مؤلف اور قریبی اشیاء کی ایک دوسرے سے دوری اپنے جدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (الذاریات: ۴۹)

”اور ہم نے ہر چیز سے دو جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ اس نے قبل و بعد میں فرق پیدا کیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے لیے نہ تو قبل ہے اور نہ بعد ہے ، اشیاء کی طبیعت و مزاج اس بات کا شاہد

ہے کہ طبیعت و مزاج کا خالق اس سے منزہ ہے۔

اشیاء کا تقوت اس بات کا شاہد ہے کہ تقوت کے خالق میں کوئی تقوت نہیں پایا جاتا، اشیاء کو وقت کا پابند بنانا اس بات کا شاہد ہے کہ وہ وقت کا پابند نہیں ہے، بعض چیزوں کو بعض چیزوں سے محبوب رکھ کر اس نے اپنے متعلق اس بات کا یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ اس کے درمیان اور اس کی مخلوقات کے درمیان کوئی حجاب کامل نہیں ہے۔

جب کوئی مردوب نہ تھا وہ اس وقت بھی رب تھا، اور جب کوئی عابد نہ تھا وہ اس وقت بھی معبود تھا، جب کوئی معلوم نہ تھا وہ اس وقت بھی عالم تھا، وہ اس وقت بھی خالق تھا جب مخلوق نہ تھی، اور اس کے لیے ”سمع“ کی ”اوّل“ موجود تھی جب کہ کوئی مسموع نہ تھا، ایسا ہرگز نہیں کہ تخلیق کی وجہ سے وہ خالق بنا ہو اور مخلوق کو بنانے کی وجہ سے ”بارئ“ کہلایا ہو۔

اس کی کیفیت بیان ہو تو کیسے جسے لفظ ”مُذَّ“ غائب نہ کر سکتا ہو اور لفظ ”قَدْ“ جسے قریب نہ کر سکتا ہو اور لفظ ”لَعَلَّ“ جس کے لیے حجاب نہ ہو اور لفظ ”مَثَلِی“ جسے وقت میں مقید نہ کر سکتا ہو اور لفظ ”حَبِیْبِ“ کا جس پر اطلاق نہ ہوتا ہو، اور لفظ ”مَعَ“ جسے قریب نہ کر سکتا ہو۔

اشیاء اپنی ذات کی ہی حد بندی کر سکتی ہیں اور آئہ اپنے ہم جیسے آلات کی طرف ہی اشارہ کر سکتا ہے، اشیاء میں ان کے افعال مضمر ہوئے ہیں اور ”مُذَّ“ قدامت نے ان اشیاء کو روک رکھا ہے اور ازلٰی ”قَدْ“ نے ان کا احاطہ کیا ہوا ہے، اگر الفاظ جدا ہو کر اپنے جدا کرنے والے اور مختلف ہو کر اپنے اختلاف پیدا کرنے والے پر دلالت نہ کرتے تو ان کے بنانے والا عقول کے لیے جلوہ ہی نہ کرتا، اور اسی تجلی کی وجہ سے مخلوق سے پوشیدہ ہے، اور ابہام بھی اس جلوہ کو ہی اپنا حکم بناتے ہیں جب کہ ابہام بہتے اس کے غیر کا اثبات ہوتا رہے اور اسی سے

ہی دلیل لائی جاتی ہے اور اس سے اقرار کی پہچان ہوتی ہے، اور عقول کے ذریعہ سے اللہ کی تصدیق کا اقرار کیا جاتا ہے اور اقرار سے ہی اس پر ایمان لانے کی تکمیل ہوتی ہے اور دین داری معرفت کے بعد ہی ممکن ہے اور اخلاص کے بغیر معرفت ممکن نہیں ہے اور عقیدہ تشبیہ کی موجودگی میں اخلاص کے کوئی معانی نہیں ہیں اور تشبیہ کے اثبات صفات کی موجودگی میں نفی بے سود ہے، جو کچھ مخلوق میں پایا جاتا ہے وہ اس کے خالق میں نہیں پایا جاتا اور جو صفات مخلوق کے لیے ممکن ہیں وہ صانع کے لیے ناممکن ہیں، اس پر حرکت و سکون وارد نہیں ہوتے اور وہ اس پر طاری ہوں تو کیسے جنہیں اس نے خود جاری کیا ہے یا اس میں لوئیں تو کیسے جس کی ابتدا خود اس کی طرف سے ہوئی ہو؟

اس صورت میں اس کی ذات میں تفاوت آجائے گا اور اس کی حقیقت اجزاء میں بدل جائے گی اور پھر اس میں ازل کا مفہوم باقی نہ رہے گا اور خالق و مخلوق یکساں قرار پائیں گے، اگر اس کے لیے ”پیچھے“ کے الفاظ درست مان لیے جائیں تو پھر اس کے لیے ”آگے“ کے الفاظ بھی درست ماننا پڑیں گے، اگر اس کے لیے لفظ ”کامل“ تسلیم کیا جائے تو پھر اس پر لفظ ”ناقص“ کا بھی اطلاق کرنا پڑے گا اور جو ”حدوث“ سے دور نہ ہو اس میں ازل کا مفہوم کیسے آئے گا اور جو اشیاء کی مشابہت رکھے وہ اشیاء کو پیدا کیسے کرے گا؟

اور یہ اس میں مصنوع کی علامت پیدا ہو جائے گی اور پھر وہ ”مدلول“ کی بجائے ”دلیل“ قرار پائے گا، الفاظ میں اتنی وسعت ہی نہیں کہ اس کی حقیقت کو بیان کیا جائے اور نہ ہی اس کے متعلق سوال کا جواب دینے کے لیے مناسب الفاظ موجود ہیں، اور اس مفہوم میں اللہ کے لیے کوئی تعظیم کا پہلو نہیں رہتا اور اسے مخلوق سے علیحدہ جہی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ دو فرد ازلی نہیں ہو سکتے اور ابتدا کرنے والے کو ابتدا کا محتاج نہ سمجھا جاسکتا۔

عدول کرنے والے جھوٹ کہتے ہیں اور وہ صریحی گمراہ ہیں اور ظاہری خسارہ میں ہیں۔

لا اله الا الله العلي العظيم و صلى الله على محمد و
اهل بيته الطاهرين (۱)

۱۔ حضرت کا یہ عظیم الشان خطبہ طالبان معرفت کے لیے کافی ہے ، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر کے اشرافی اور مشائخ متاہلین اس سے بہتر طور پر توحید کو بیان نہیں کر سکتے ، اس خطبہ میں اثبات واجب کے تمام طریقوں پر بحث کی گئی ہے ، اس خطبہ میں امکان عالم اور مصنوعیت عالم کی بحث بھی ہے اور وجود کے واجب و حادث ہونے ، اور حرکت و سکون کی بھی مکمل بحث موجود ہے۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس خطبہ کو بار بار پڑھیں ، اس سے بہت سے دقائق و حقائق ان کے سامنے آئیں گے۔

اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو کہ کتاب ہذا کا یہ باب مسائل البیہ کے عظیم مضامین پر مشتمل ہے ، اس باب میں قضاء و قدر ، جبر و تفویض جیسے دقیق مسائل کی بحث موجود ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قضاء و قدر کا مسئلہ انتہائی مشکل ہے ، اسی لیے ائمہ ظاہرین کی بعض احادیث میں عوام الناس کو ان مسائل میں وارد ہونے سے منع کیا گیا ہے۔

دربار مامون میں مختلف ادیان کے علماء سے آپ کا مباحثہ

۱۔ (حذف اسناد) عمر بن عبدالعزیز انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے شخص سے یہ روایت سنی جس نے حسن بن محمد نوفلی اور ہاشمی سے یہ گفتگو سنی تھی۔ راوی کہتے ہیں :-

جب امام علی رضا علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپ کے علم کا اندازہ کرنے کے لیے اپنے مشہور درباری فضل بن سہل کو حکم دیا کہ تم مختلف مذاہب و ملل کے علماء و متکلمین بالخصوص عیسائی، یہودی زر تشتی، اور صابی مذاہب کے علماء کو دعوت دو اور ان کا امام علی رضا علیہ السلام سے مناظرہ کراؤ تاکہ ہم ان کی گفتگو سن سکیں۔

فضل بن سہل نے مذکورہ علماء کو دعوت دی اور جب وہ آگئے تو اس نے مامون کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔

مامون نے کہا: ان علماء کو میرے دربار میں لاؤ۔

چنانچہ مذکورہ علماء مامون کے دربار میں حاضر ہوئے تو مامون نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان سے کہا :-

میں نے تمہیں ایک اچھے کام کے لیے زحمت دی ہے، مدینہ سے میرا چچا زاد بھائی آیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم ان سے گفتگو کرو، اور میں چاہتا ہوں کہ کل صبح تم سب دربار میں آ جاؤ۔

مذکورہ علماء نے کہا: ہم حسب حکم کل ضرور حاضر ہو جائیں گے۔

حسن بن نوفلی کہتے ہیں: ہم امام علی رضا علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یاسر خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی آپ کے معاملات کا نگران تھا۔

اس نے آکر کہا: میرے آقا! بادشاہ آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کا بھائی (مامون) آپ پر فدا ہو، مختلف مذاہب و ملل کے علماء میرے پاس جمع ہیں، اگر آپ ان سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں تو کل ہمارے ہاں تشریف لائیں اور اگر آپ گفتگو کے خواہش مند نہ ہوں تو بھی آپ پر کوئی جبر نہیں ہے، اور اگر آپ ہمارے آنے کی خواہش رکھتے ہوں تو بھی ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہیں۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ان سے جا کر کہہ دو کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں، میں اسے سمجھ گیا ہوں اور کل صبح میں آپ کے پاس آؤں گا۔ جب یاسر خادم چلا گیا تو آپ نے فرمایا:

نوفلی! تو عراقی ہے اور عراقی پختہ عزم والے ہوتے ہیں، اس صورت حال کے متعلق تیرا تجزیہ کیا ہے؟

میں (نوفلی) نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، اصل بات یہ ہے کہ مامون آپ کا امتحان لینا چاہتا ہے، اور اس بہانے سے وہ آپ کے مبلغ علم سے واقف ہونا چاہتا ہے، اور اس نے ایسا کر کے انتہائی غلط اقدام اٹھایا ہے۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا: تم اس کے اس اقدام کو غلط کیوں قرار دے رہے ہو؟

میں (نوفلی) نے کہا: آقا! بات یہ ہے کہ مسلمان علماء اور غیر مسلم علماء کے مباحثہ میں بڑا فرق ہے، مسلمان علماء کے سامنے قرآن و سنت کا حوالہ دیا جائے تو وہ سر تسلیم خم کر لیتے ہیں جب کہ غیر مسلم علماء قرآن و حدیث کے منکر

ہیں ، مثلاً اگر ان کے سامنے آپؐ یہ کہیں کہ اللہ واحد ہے تو وہ کہیں گے کہ آپؐ پہلے اس کی وحدانیت ثابت کریں اور اگر آپؐ ان سے کہیں گے کہ محمد رسول اللہؐ نے یہ فرمایا ہے تو وہ کہیں گے کہ پہلے آپؐ ان کی نبوت و رسالت ثابت کریں ۔ چنانچہ وہ نوگس اس قسم کی باتیں کر کے انسان کو لاجواب کر دیتے ہیں ، اسی لیے غیر مسلم علماء سے مباحثہ انتہائی مشکل ہے ، بہتر ہے کہ آپؐ ان سے بحث نہ کریں ۔

نوفلی کہتے ہیں: امام علیہ السلام میری یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا تو کیا تجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ میری دلیل کو باطل کر دیں گے ؟

میں (نوفلی) نے کہا: نہیں ! مجھے ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ان پر فتح عطا فرمائے گا ۔

پھر آپؐ نے فرمایا: نوفلی ! کیا تجھے علم ہے کہ مامون کب پشیمان ہو گا ؟

تو سن لو ! جب میں اہل تورات کو تورات سے اور اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل زبور کو زبور سے اور صائبین کو ان کی عبرانیت سے اور زرتشتیوں کو ان کی فرسیت سے اور اہل روم کو ان کی رومیت سے اور اہل مقامات کو ان کی زبانوں سے لاجواب کروں گا اور ان کے دلائل کے تار و پود کو بکھیر دوں گا اور وہ میری بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے تو اس وقت مامون کی پشیمانی دیدنی ہو گی ، طاقت و قوت کا مالک خداوند علی العظیم ہے ۔

راوی کہتے ہیں: جب صحیح ہوئی تو فضل بن سہل ہمارے پاس آیا اور کہا مامون الرشید آپؐ کا انتظار کر رہا ہے اور مختلف مذاہب کے علماء بھی دربار میں جمع ہیں ، آپؐ کی کیا رائے ہے ؟

امام رضاؑ نے فرمایا: تم جاؤ ، میں بھی آ رہا ہوں ۔

پھر آپؑ نے نماز کے لیے وضو کیا اور سستو کے چند گھونٹ نوش فرمائے اور ہمیں بھی آپؑ نے سستو پلایا ، پھر آپؑ ہمیں اپنے جلو میں لے کر دربار کی طرف

چل پڑے اور جب مولہ دربار میں پہنچے تو دربار کھپا کھپا بھرا ہوا تھا اور محمد بن جعفر اور خالین اور بنی ہاشم کے تمام اکابر اور معززین موجود تھے ، اور جیسے ہی آپؐ نے دربار میں قدم رکھا تو مامون اور محمد بن جعفر اور دیگر بنی ہاشم آپ کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور امام علیہ السلام خراماں خراماں چلتے ہوئے مامون کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئے اور حاضرین کو بیٹھنے کا حکم دیا ، چنانچہ تمام اہل دربار بیٹھ گئے۔

مامون کچھ دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا ، پھر اس نے جاثلیق نصرانی کی طرف رخ کر کے کہا:-

جاثلیق! یہ میرے ان عم علی بن موسیٰ بن جعفر ہیں اور یہ ہمارے پیغمبرؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا اور علی بن ابی طالب علیہما السلام کی اولاد ہیں ، میں چاہتا ہوں کہ تم ان سے گفتگو کرو اور ان سے مباحثہ کرو۔

نصرانی عالم سے مباحثہ

جاثلیق نصرانی نے کہا: امیر المومنین! میں بھلا ایسے شخص سے کیا مباحثہ کر سکتا ہوں جو کہ اپنے دعویٰ کی دلیل کے لیے ایسی کتاب کا حوالہ دیتا ہو جسے میں تسلیم نہیں کرتا اور ایسے نبی کے قول کو بطور حجت پیش کرتا ہو جس پر میرا ایمان نہیں ہے ، اس صورت میں بھلا ان سے مباحثہ ہو تو کیسے ؟

امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نصرانی! اگر میں اپنا دعویٰ تیری انجیل سے ثابت کروں تو کیا تو میری بات مان لے گا؟“

جاثلیق نے کہا: انجیل کے فرمان کو رد کرنے کی میں کیسے جرأت کر سکتا ہوں؟ خدا کی قسم! انجیل کا فرمان اگرچہ میرے خلاف بھی کیوں نہ ہو میں اسے ضرور مانوں گا۔

امام علی رضاً نے فرمایا: ”تو اب پوچھو جو تمہیں پوچھنا ہو اور اس کا جواب بھی مجھ سے سنو۔“

جاثلیق نے کہا: آپ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور ان کی کتاب کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں اور کیا آپ عیسیٰ کی نبوت یا ان کی کتاب کے کسی حصے کا انکار کرتے ہیں؟
امام علی رضاً نے فرمایا: ”میں اس عیسیٰ کی نبوت اور ان کی کتاب کا اقرار کرتا ہوں جنہوں نے اپنی امت کو محمدؐ کی نبوت کی بشارت دی اور اس کے حواریوں نے اقرار کیا، اور میں ہر اس عیسیٰ کی نبوت کا انکار کرتا ہوں جس نے محمدؐ کی نبوت اور ان کی کتاب کا اقرار نہیں کیا اور اس کی بشارت اپنی امت کو نہیں دی۔“
جاثلیق نے کہا: کیا دعویٰ کے اثبات کے لیے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”جی ہاں!“

جاثلیق نے کہا: تو پھر آپ ایسے دو گواہ پیش کریں جن کا تعلق آپ کی ملت سے نہ ہو اور عیسائی دنیا بھی انہیں قبول کرتی ہو اور وہ محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کی گواہی دیں اور اگر آپ چاہیں تو نبوت عیسیٰؑ کے اثبات کے لیے ہم سے بھی ایسے گواہوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

امام علی رضاً نے فرمایا: ”اب تم نے انصاف کی بات کی ہے۔“

نفرانی! کیا تم میری طرف سے ایسے شخص کی گواہی کو تسلیم کر لو گے جو مسیح کے ہاں قابل اعتماد رہا ہو؟“

نصرانی نے کہا: وہ عادل گواہ کون ہے، آپ اس کے نام بتائیں۔

آپ نے فرمایا: ”یوحنا دیلمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

پادری نے کہا: آپ نے اس شخص کا نام لیا ہے جو مسیح کو سب سے زیادہ پیارا تھا۔

آپ نے فرمایا: ”میں تجھے قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا انجیل میں یوحنا کا

یہ قول موجود ہے۔“

”مسیحؑ نے مجھے محمد عربیؑ کے دین کی خبر دی ہے اور مسیحؑ نے مجھے ان کی بشارت دے کر کہا کہ وہ ان کے بعد آئیں گے، اور میں نے حواریوں کو ان کی بشارت دی، تم ان پر ایمان لاؤ۔“

پادری نے کہا: جی ہاں! یوحناؑ نے مسیحؑ سے یہ روایت کی ہے اور اس نے ایک شخص کی نبوت اور اس کے اہل بیت اور اس کے وصی کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وہ نبی کب مبعوث ہو گا اور پھر یہ کہ انہوں نے ہمیں یہ بھی نہیں بتایا کہ آنے والا نبی کس قوم اور کس علاقہ میں مبعوث ہو گا، اسی لیے ہم ایک مہوم بشارت کی وجہ سے محمد مصطفیٰ (ص) کو کیسے نبی مان سکتے ہیں؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ”اگر ہم کسی ایسے شخص کو تمہارے سامنے پیش کریں جو تمہارے سامنے انجیل کی تلاوت کرے اور اس میں محمدؑ اور ان کے اہل بیت اور ان کی امت کا ذکر ہو، تو کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے؟“

پادری نے کہا: بہت اچھی تجویز ہے۔

امام علی رضاؑ علیہ السلام نے نسطاس رومی سے فرمایا ”کیا تمہیں انجیل کا سفر ثالث یاد ہے؟“

نسطاس رومی نے کہا: مجھے اچھی طرح سے یاد نہیں ہے۔

پھر آپؑ نے اس الجالت سے فرمایا ”کیا تم انجیل نہیں پڑھا کرتے؟“

اس نے کہا: جی ہاں! میں انجیل پڑھتا رہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: ”تم انجیل کا سفر ثالث اپنے ہاتھ میں تھا مو اور اگر اس میں محمدؑ و آل محمدؑ اور امت محمدؑ کا ذکر موجود ہو تو میری گواہی دینا اور اگر اس میں یہ ذکر نہ ہو تو میری گواہی مت دینا۔“

راس الجالوت نے انجیل کھولی اور امام علیہ السلام نے زبانی انجیل کے سفر ثالث کو پڑھنا شروع کیا اور جب اس میں نبی اکرمؐ کا ذکر آیا تو آپؐ رک گئے۔
پھر فرمایا: ”نصرانی! تجھے مسیح اور ان کی والدہ کی قسم! بتاؤ کیا میں انجیل کا عالم ہوں۔“

عیسائی پادرو نے کہا: بے شک، آپ انجیل کے عالم ہیں۔
 پھر آپؐ نے محمد مصطفیٰؐ اور ان کے اہل بیت اور امت کا ذکر انجیل سے پڑھ کر سنایا۔

پھر پادری کو خطاب کر کے آپؐ نے فرمایا :-
 ”نصرانی! یہ عیسیٰ بن مریمؑ کا فرمان ہے، اگر تو انجیل کے الفاظ کو جھٹلاتا ہے تو تو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا منکر ہے اور جب تو اپنی الہامی کتاب کا منکر بنے گا تو، تو اپنے رب اور اپنے نبی اور اپنی کتاب کے انکار کی وجہ سے واجب القتل قرار پائے گا۔“

پادرو نے کہا: میں انجیل کے فرمان کا انکار نہیں کر سکتا، میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: ”لوگو! اس کے اقرار کے گواہ رہنا۔“
پھر آپؐ نے پادرو سے کہا: ”اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور پوچھنا ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔“

پادرو نے کہا: آپؐ مجھے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے حواریوں اور علمائے انجیل کی تعداد بتائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تم نے ایک باخبر انسان سے سوال کیا ہے تو اب سنو! حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے حواری بارہ تھے جن میں سے افضل اور اعلم ”الوقا“ تھے اور علما، نصاریٰ تین تھے۔

1۔ یوحنا اکبر باخ (باخ)

2. قر قیسا کا یوحنا

3. رجاز کا رہنے والا یوحنا دیلمی

اور اسی مؤخر الذکر نے رسول اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ اور امت محمدؑ کا ذکر کیا تھا اور اسی نے بنی اسرائیل کو بالعموم اور امت عیسیٰؑ کو بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی تھی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ”نصرانی! ہم اس عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہیں جس کا محمد مصطفیٰؐ پر ایمان تھا، ہم تمہارے عیسیٰؑ میں کوئی عیب نہیں لگاتے مگر اس کی کمزوری روزے نماز کی کمی ہے۔“

پادری نے کہا: میں تو آپؐ کو عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم سمجھتا تھا مگر آپؐ نے یہ بات کہہ کر اپنے علم کی نفی کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ”کون سی بات؟“

پادری نے کہا: آپؐ نے ابھی کہا ہے کہ عیسیٰؑ نماز روزے کی طرف بہت کم دھیان دیتے تھے، خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ ہمیشہ دن کے روزے رکھتے اور رات عبادت میں بسر کرتے تھے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر یہ بتاؤ وہ کس کی نماز پڑھتے تھے اور کس کے لیے روزے رکھتے تھے۔“

یہ سن کر پادری مبسوت اور لاجواب ہو گیا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پادری نے کہا:-

جو مردوں کو زندہ کر دے اور اندھوں اور برص کے مریضوں کو اچھا

کر دے وہ اس کا مستحق ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”الیسع نبیؑ نے بھی وہ کچھ کیا

جو حضرت عیسیٰؑ نے کیا، وہ بھی بانی پرچلتے تھے، اندھوں اور برص کے مریضوں

کو ٹھیک کر دیتے تھے ، مگر اس کی امت نے تو اسے رب نہیں مانا اور کسی نے اس کی عبادت نہیں کی علاوہ ازیں حزقیل پیغمبرؑ نے بھی وہی کچھ کیا جو حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا۔

انہوں نے ۳۵ ہزار افراد کو ان کے مرنے کے ۶۰ سال بعد زندہ کیا۔
پھر آپ نے اس الجالوت سے فرمایا :-

”تم گواہی دو جب نصر بنی اسرائیل کو قتل کرنے کے بعد بابل روانہ ہو تو بقیۃ السیف، اسرائیلیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا، پھر ساٹھ سال کے بعد ان کی اولاد کو آزادی ملی تو وہ واپس القدس آئے اور حضرت حزقیلؑ نے حکم خدا ۳۵ ہزار اسرائیلی مقتولین کو زندہ کیا تھا، کیا یہ واقعہ تورات میں نہیں ہے ؟

اور کسی کافر کے علاوہ تم میں سے اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔
راس الجالوت نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں ، ہمیں یہ واقعہ معلوم ہے۔
پھر آپؑ نے فرمایا: ”تورات کھول کر دیکھو اور مذکورہ باب مجھ سے سنو۔“
یہودی عالم نے تورات کھولی اور حضرت نے تورات کا وہ باب زبانی پڑھنا شروع کیا تو یہودی عالم حیران و پریشان ہو گیا۔

پھر آپؑ نے عیسائی پادری کو مخاطب کر کے فرمایا :-

”نصرانی ! یہ واقعات حضرت عیسیٰؑ سے پہلے منظر عام پر آئے یا بعد میں ؟

پادری نے کہا: یہ واقعات عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ظہور پذیر ہوئے۔
آپؑ نے فرمایا: ”ایک مرتبہ قریش جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ آپؐ مردوں کو زندہ کر دکھائیں ۔

آپؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے ساتھ قبرستان روانہ کیا اور فرمایا :-

جن لوگوں کے زندہ ہونے کی یہ خواہش کریں ، تم قبرستان میں ان کو

آواز دو اور کہو

”محمد رسول اللہ (ص) کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔“

چنانچہ حضرت علیؓ، آنحضرتؐ کا حکم سن کر قبرستان گئے اور کفار جس جس کا کہتے گئے، علیؓ انہیں آواز دے کر زندہ کرتے گئے۔

کفار نے اپنے مرنے والوں سے بہت سی چیزیں پوچھیں اور پھر انہوں نے اپنے مرنے والے بزرگوں کو بتایا کہ محمدؐ مبعوث ہو چکے ہیں۔
مرنے والوں نے کہا

اے کاش! اگر ہم اس دنیا میں بقید حیات ہوتے تو ہم ان پر ایمان لاتے۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندھوں، برص والوں اور پاگلوں کو ٹھیک کیا اور جنگلی جانور، پرندے، جن اور شیاطین نے ان سے گفتگو کی۔

اتنے عظیم معجزات کے باوجود امت محمدؐ نے انہیں رب تسلیم نہیں کیا، اور گروہ نصاریٰ! اگر ان معجزات کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے رب مانا ہے تو پھر انہی معجزات کی وجہ سے الیسع نبیؑ اور حزقیلؑ پیغمبرؑ کو بھی رب مانو، کیونکہ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح سے مردوں کو زندہ کیا تھا!

بنی اسرائیل کی ایک قوم طاعون کی وبا کے دوران موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے شہروں سے نکلی، خدا نے انہیں ایک ہی وقت میں مار ڈالا، کئی سالوں کے بعد ایک نبیؑ کا ان کی ہڈیوں کے قریب سے گزر ہوا۔ خدا نے اس نبیؑ کی طرف وحی کی کہ وہ ان کو پکاریں۔

نبیؑ نے آواز دی :-

”اے بوسیدہ ہڈیو! اذن خدا سے زندہ ہو جاؤ۔“

یہ کہنا تھا کہ وہ لوگ کھڑے ہو گئے۔

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ بنا کر مختلف پہاڑوں پر ان کے حصے بنا کر رکھے تھے، پھر ان کو آواز دی تو تمام پرندے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آ گئے تھے۔

اس کے علاوہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کو یاد کرو جب وہ ستر افراد کو طور سینا پر لے گئے تھے اور دیدار کی خواہش کی تھی جلوہ ربانی سے پہاڑ کے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ستر افراد مر گئے اور حضرت موسیٰ خود بے ہوش ہو گئے تھے، پھر جب وہ ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے ان افراد کے زندہ کرنے کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

اے پادری! اب بتاؤ مردہ زندہ کرنے کی وجہ سے ان سب کو معبود مان لو گے ؟

پادری لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا :-

آپ سچ کہتے ہیں، پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

یہودی، عیسائی اور زرتشتی علماء سے آپ

کے مناظرے

اس کے بعد آپ یہودی عالم کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا :-

”یہودی! تجھے ان دس معجزات و آیات کا واسطہ جو موسیٰ علیہ السلام کو

عطا ہوئے، کیا تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت کی خبر ان الفاظ میں موجود نہیں ہے؟“

”جب شتر سوار کی پیروی کرنے والی آخری امت آئے گی تو وہ اپنے

رب کی بہت زیادہ پاکیزگی بیان کرے گی اور تسبیح کے لیے وہ نئے معبد بنائے گی،

اس وقت اولاد اسرائیل کو چاہئے کہ وہ ان سے اور ان کی حکومت سے الحاق کرے ، اس طرح سے ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہو گا ، بصورت دیگر ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہوں گی جن کے ذریعہ سے وہ اقطار ارض میں پھیلی ہوئی کافر امتوں سے انتقام لیں گے۔“

راس الجالوت نے کہا:-

جی ہاں ! تورات میں ہمیں یہ بات نظر آتی ہے۔

پھر آپ نے عیسائی پادری سے فرمایا:-

”پادری! کیا تجھے شعیانہ کی کتاب کا علم ہے؟“

پادری نے کہا:-

جی ہاں ! وہ کتاب مجھے حرف بہ حرف یاد ہے۔

پھر آپ نے ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:-

تم دونوں مجھے بتاؤ کہ شعیانہ کی کتاب میں یہ جملہ موجود ہیں ؟

”میں نے ایک گدھا سوار کو دیکھا جو نور کی چادریں پہنے ہوئے تھا اور

میں نے ایک شتر سوار کو دیکھا جس سے چاندی کی سی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔“

عیسائی اور یہودی دونوں علماء نے کہا:-

جی ہاں ! یہ بات شعیانہ کی کتاب میں موجود ہے۔

عیسائی عالم سے آپ کی بحث

پھر آپ نے فرمایا:-

نصرانی! کیا تجھے عیسیٰ کا وہ فرمان معلوم ہے جو کہ انجیل میں ہے۔

”میں اپنے اور تمہارے پروردگار کے پاس جا رہا ہوں اور میرے بعد

”فار قلیط“ آئے گا جو میری حقانیت کی گواہی دے گا جیسا کہ میں نے اس کی گواہی

دی ہے ، اور وہ تمہارے لیے ہر چیز کہ وضاحت کرے گا اور وہ کافر امتوں کو رسوا کرے گا اور وہ کفر کے ستون کو توڑ دے گا۔“

پادری نے کہا :-

آپ نے انجیل کے حوالہ سے جو کچھ فرمایا ہے ، ہم اس کی تائید کرتے ہیں اور یہ انجیل میں موجود ہے۔ (۱)

پھر آپ نے فرمایا :-

”پادری ! کیا تم یہ جانتے ہو کہ جب انجیل تم سے کھو گئی تھی تو تم نے اسے کس کے پاس پایا تھا اور موجودہ انجیل تمہارے لیے کس نے وضع کی تھی؟“

پادری نے کہا :-

ہم نے صرف ایک دن کے لیے انجیل کو کھویا تھا ، دوسرے دن ہمیں ترو تازہ صورت میں مل گئی تھی اور یوحنا نے انجیل کا نسخہ ہمیں دیا تھا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”تمہیں پھر انجیل کی تاریخ اور اس کے علماء کے متعلق انتہائی کم معلومات حاصل ہیں ، اگر تم نے انجیل کو صرف ایک دن کے لیے کھویا تھا تو انجیل میں تمہارا اتنا بڑا اختلاف کیسے پیدا ہوا ؟

اگر تمہیں ایک دن بعد ہی اصل انجیل ملی ہوتی تو تم میں اتنا اختلاف کبھی نہ

۱۔ ”فارقلیط“ یا ”فارقلیطا“ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”حق و باطل میں تفریق کرنے والا“ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں ، انجیل میں ”فارقلیطی“ کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں ، ممکن ہے اس میں تعییب ہو ، جب کہ بعض تہج شدہ نسخوں میں یہ لفظ ”فارقلیطا“ لکھا ہوا ہے ، اور اس لفظ کے ایک معنی ”پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنے والے“ کے بھی ہیں ۔

انجیل یوحنا کی چودھویں فصل میں یہ الفاظ ہیں۔

سیح نے کہا :-

میں اس سے سوال کروں گا کہ وہ تمہیں ”فارقلیطا“ عطا کرے ، جس کے ساتھ حق کی روح ہمیشہ رہے گی۔

ہوتا ، میں تمہیں اس کے متعلق بتاتا ہوں (اسے غور سے سنو) ، جب پہلی انجیل کھو گئی تو نصاریٰ جمع ہو کر اپنے علماء کے پاس گئے تھے اور ان سے جا کر کہا :-

”صبح قتل ہو گئے اور انجیل بھی ہم سے کھو گئی ہے ، آپ ہمارے مذہب کے عالم ہیں اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں ۔

چنانچہ الوقا ، مرقاوس ، یوحنا اور مٹی نے کہا تھا :-

انجیل ہمارے سینوں میں محفوظ ہے ، ہم اس کا ایک ایک باب تمہیں لکھ کر دیں گے ، تمہیں مغموں اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اپنے گرجوں کو خالی نہ کرو ، ہم ہر اتوار کے اتوار انجیل کا ایک ایک باب تمہیں سنائیں گے اور یوں پوری انجیل جمع کر لیں گے ۔

چنانچہ مذکورہ چاروں افراد نے تمہارے لیے چار انجیل جمع کی ہیں جب کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے براہ راست شاگرد نہ تھے بلکہ وہ تو شاگرد در شاگرد تھے ، کیا تمہیں انجیل کی اس سرگزشت کا علم ہے ؟

پادری نے کہا : پہلے تو علم نہ تھا اور اب آپ کی بدولت پتہ چل گیا ہے ، اور مجھے آپ کے متعلق بھی یہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ ہم سے زیادہ انجیل کے عالم ہیں ۔ میں نے آپ سے وہ حقائق سنے جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ باتیں حق ہیں اور آپ کی باتیں سن کر میرے علم و فہم میں اضافہ ہوا ہے ۔

پھر آپ نے فرمایا : ” اچھا یہ بتاؤ انجیل جمع کرنے والے مذکورہ چاروں علماء کی گواہی کی تمہارے ہاں کیا حیثیت ہے ؟ “

پادری نے کہا : ان کی گواہی درست اور حق پر مبنی ہے کیونکہ وہ انجیل کے علماء ہیں ۔

پھر آپؑ نے حاضرین سے فرمایا: پادری کی اس بات کے گواہ رہنا۔

حاضرین نے کہا: بے شک ہم اس بات کے گواہ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: پادری! تجھے بیٹے اور ماں (عیسیٰ و مریم) کی قسم! متیٰ حضرت عیسیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ مسیح کا شجرہ نسب یہ ہے۔

”مسیح بن داود بن ابراہیم بن اسحاق بن یعقوب بن یہودا بن خضر بن“
اور مر قابوس نے لکھا ہے۔

”اللہ کا کلمہ انسانی وجود میں اترتا تو وہ انسان بن گیا۔“

اور الوقا نے جناب مسیح کے لیے لکھا۔

”عیسیٰ بن مریم اور اس کی والدہ دونوں گوشت پوست کے انسان تھے،
ان میں روح القدس داخل ہوا۔“

علاوہ ازیں خود حضرت عیسیٰ کا اپنا فرمان بھی ہے:-

”اے گروہ حوارین! میں تم سے سچ کہتا ہوں، آسمان پر وہی چڑھ سکتا

ہے جو آسمان سے اترتا ہو، البتہ شتر سوار خاتم الانبیاء (ص) کی بات جداگانہ ہے، وہ
آسمان پر چڑھ بھی سکتے ہیں اور اتر بھی سکتے ہیں۔“

پادری نے کہا: ہم مسیح کے فرمان کی تردید نہیں کر سکتے۔

آپؑ نے فرمایا: پھر یہ بتاؤ کہ انجیل جمع کرنے والے علماء حضرت عیسیٰؑ کے
شجرہ نسب پر بھی متفق نہیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ نظریہ
پیش کیا ہے، اب تم ان کے متعلق کیا کہو گے؟

پادری نے کہا: انہوں نے عیسیٰؑ پر جھوٹ بولا ہے۔

آپؑ نے حاضرین سے فرمایا: تم نے سنا ابھی چند لمحات پہلے یہ ان کی گواہی
کو سچا قرار دے رہا تھا اور اب انہیں جھوٹا کہتا ہے۔

پادری نے کہا: آپؑ ان کے لیے مجھے معذور رکھیں۔

آپؑ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے، ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔“
 آپؑ نے فرمایا: ”پادری! اگر تمہیں کچھ اور پوچھنا ہو تو پوچھ لو۔“
 پادریؑ نے کہا: حق مسیح کی قسم! میں آپؑ سے کچھ نہیں پوچھوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ عالم اسلام میں آپؑ سے بڑا عالم اور کوئی نہیں ہے۔
 اب میری بجائے کسی اور کو سوال کرنا چاہیے۔ (1)

یہودی عالم کی طرف رجوع

امام رضا علیہ السلام یہودی عالم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:-
 ”تم مجھ سے سوال کرو گے یا میں تم سے سوال کروں؟“
 یہودی عالمؑ نے کہا: میں آپؑ سے سوال کروں گا اور جواب کے لیے تورات ، زیور اور صحف ابراہیم و موسیٰؑ پر انحصار کروں گا۔
 امام علیہ السلامؑ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے تم وہی بات قبول کرنا جس کی گواہی تورات ، زیور اور صحائف انبیاء دیں۔“
 یہودی عالمؑ نے کہا: محمد مصطفیٰ (ص) کی نبوت کیسے ثابت ہوتی ہے ؟
 آپؑ نے فرمایا: محمد مصطفیٰؑ کی نبوت موسیٰؑ ، عیسیٰؑ و داؤد علیہم السلام کے فرامین سے ثابت ہے۔
 یہودی عالمؑ نے کہا: آپؑ موسیٰ بن عمران کے فرمان سے ان کی نبوت کو ثابت کریں۔
 امام علیؑ رضا علیہ السلامؑ نے فرمایا: ”یہودی! کیا تجھے علم ہے کہ موسیٰؑ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا۔“

1- مباحث کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ ہم اپنے ذہن قارئین سے امید رکھتے ہیں کہ دو دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے تقدیم و تاخیر سے واقف ہو جائیں گے۔ من المعرج مثنیٰ عنہ

”تمہارے بھائیوں میں سے نبی آئے گا تم اس کی تصدیق کرنا اور اس کی بات ماننا۔“ (1)

اور کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اولاد اسماعیل کے علاوہ اسرائیل کا کوئی اور بھائی بھی ہے؟ تم جانتا ہو کہ اسماعیل و اسحاق دونوں ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے اور اسحاق بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ تھے۔

یہودی عالم نے کہا: ہم موسیٰ کے فرمان کو ٹھکرا نہیں سکتے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے محمد مصطفیٰ کے علاوہ کوئی نبی مبعوث ہوا ہے؟“

یہودی نے کہا: نہیں۔
آپؐ نے فرمایا: ”کیا قول موسیٰ تمہارے ہاں درجہ صحت کو پہنچا ہوا نہیں ہے؟“

یہودی نے کہا: آپؐ کی بات درست ہے لیکن یہ الفاظ تورات کے نہیں ہیں۔
اگر تورات میں اس طرح کا اشارہ ہوتا تو ہم مان لیتے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم تورات کے ان جملوں کا انکار کر سکتے ہو؟
”طور سینا سے نور چمکا۔ جبل ساعیر کو روشن کیا اور کوہ فاران سے بلند ہوا۔“
یہودی نے کہا: یہ الفاظ تورات میں ہیں لیکن مجھے ان کی تشریح کا علم نہیں ہے۔

۱۔ تورات میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے بارہ خلفاء کے نام عبرانی میں کچھ یوں ہیں۔

میزمید (محمد مصطفیٰ)، ایلا (علی مرتضیٰ)، قیدور (حسن مجتبیٰ)، ایریل (حسین شہید)،
مشغور (زین العابدین)، مسبور (محمد باقر)، مشموط (جعفر صادق)، ذومرا (موسیٰ کاظم)، ہذاذ
(علی رضا)، تیمورا (محمد تقی)، سطور (علی نقی)، نوتش (حسن عسکری)، قدیمونیا (محمد بن
الحسن صاحب الزمان علیہ السلام)۔

کتب متقدمین ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کے بارہ وصی ہوتے تھے نہ کم نہ زیادہ۔ مناسب مقام پر اقوال مفسرین پیش کیے جائیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”میں تجھے ان الفاظ کا مدعا بتاتا ہوں۔

”طور سینا سے نور چکا“ کا مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر طور سینا پر وحی نازل کی۔

”جبل ساعیر کو روشن کیا“ ساعیر وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی۔

اور ”کوہ فاران“ سے بلند ہوا۔ فاران مکہ کے قریب ایک پہاڑ ہے اور اس کا اشارہ محمد مصطفیٰ کی وحی اور کتاب کی طرف ہے۔

علاوہ ازیں تورات میں شعیا نبی کا یہ قول موجود ہے۔

”میں نے دو سوار دیکھے جن کے نور سے زمین روشن ہو گئی۔ ان میں سے ایک گدھے پر اور دوسرا اونٹ پر سوار تھا۔“

یہودی! اب تم مجھے بتاؤ کہ گدھا پر سوار ہونے والا کون ہے اور شتر سوار کون ہے؟“

یہودی نے کہا: مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ آپ ہی فرمائیں کہ اس سے مراد کون کون ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”گدھے سوار سے مراد عیسیٰ علیہ السلام اور شتر سوار سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”یہودی! کیا حقیقہ نبی کو جانتا ہے؟“

اس نے کہا: جی ہاں میں اسے جانتا ہوں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: تمہاری کتاب گواہی دیتی ہے کہ حقیقہ نبی نے فرمایا:۔

”اللہ کا بیان کوہ فاران سے احمد (ص) آیا اور اس کی امت کی تسبیح سے آسمان

بھر گئے اور اس کے گھوڑے بحر میں بھی ویسے ہی داخل ہوں گے جیسا کہ وہ خشکی

پر چلتے ہیں، وہ بیت المقدس کی ویرانی کے بعد ہمارے پاس نئی کتاب لائے

گا“ (نئی کتاب سے قرآن مجید مراد ہے)

کیا تم اس کلام سے واقف ہو اور اس پر ایمان رکھتے ہو؟

یہودی عالم نے کہا: ہم حقیق نبی کے فرمان کی تردید نہیں کر سکتے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تم زیور پڑھتے ہو گے، اس میں حضرت داؤد کی یہ دعا موجود ہے۔

”پروردگار! فترۃ (۱) کے بعد سنت قائم کرنے والے کو مبعوث فرما۔“

مجھے بتاؤ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ وہ کون سا نبی ہے جو

فترۃ کے بعد آیا ہو اور اس نے سنت کو زندہ کیا ہو؟“

یہودی نے کہا: یہ داؤد (ع) کا قول ہے ہم اس کا انکار نہیں کرتے البتہ یہ ممکن ہے کہ اس سے مراد عیسیٰ (ع) ہو۔

حضرت نے فرمایا: عیسیٰ نے تو سنت سے اختلاف ہی نہیں کیا تھا وہ تو تورات کی شریعت پر عمل کرتے تھے اور خود انجیل میں ان کا یہ قول موجود ہے۔

”آدم کا بیٹا جا رہا ہے میرے بعد فارقلیط آئے گا اور وہ بوجھ بٹائے

گا اور تمہارے لیے ہر چیز کی وضاحت کرے گا اور وہ آکر میری گواہی دے گا، جیسا

کہ میں نے اس کی گواہی دی ہے، میں تمہارے پاس امثال لے کر آیا ہوں اور وہ

ان کی تاویل لے کر آئے گا۔“

پھر امام علی رضا علیہ السلام نے بحث کے رنگ میں تبدیلی کرتے ہوئے فرمایا:-

”یہودی! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم موسیٰ بن عمران کی نبوت کیسے

ثابت کرتا ہے؟

یہودی نے کہا: موسیٰ (ع) کی نبوت کے اثبات کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں

کہ وہ ایسے معجزات لے کر آئے جو کسی نبی کو نہیں ملے تھے، جیسا کہ دریا کا

۱- فترۃ سے مراد دو رسولوں کا درمیانی دور ہوتا ہے۔

پھٹ جانا اور عصا کا سانپ بن جانا اور عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشموں کا پھوٹ پڑنا اور ید بیضا کا معجزہ، غرضیکہ ان کی نبوت کی بے حد علامات تھیں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو نے صحیح کہا، یہ تمام معجزات ان کی نبوت کے شاہد ہیں، کیونکہ موسیٰ وہ چیزیں لائے جنہیں لانے سے دوسری مخلوق عاجز تھی، اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ اگر کوئی انسان یہ دعویٰ کرے کہ وہ نبی ہے اور اپنی نبوت کے اثبات کے لیے وہ چیزیں پیش کرے جس پر مخلوق قدرت رکھتی ہو تو کیا تم اس مدعی نبوت کا دعویٰ مان کر اس پر ایمان لے آؤ گے؟“

یہودی نے کہا: نہیں! کیونکہ موسیٰ کو اللہ کے ہاں مقام قرب حاصل تھا، ان کی تو کوئی مثال ہی نہیں، ہم تو کسی کو اس صورت میں ہی نبی مانیں گے جب وہ موسیٰ (ع) جیسے معجزات لائے گا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تم نے موسیٰ سے پہلے انبیاء کو کیوں مانا ہے جب کہ انہوں نے نہ تو موسیٰ کی طرح سے دریا کو شق کیا تھا اور نہ ہی ان کا عصا سانپ کی شکل میں تبدیل ہوا تھا اور نہ ہی وہ ید بیضا لے کر آئے تھے، آخر تم نے انہیں نبی کیوں مان لیا؟“

یہودی نے کہا: میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہم ایسے معجزات دیکھ کر ہی کسی کو نبی مانیں گے جن پر مخلوق قادر نہ ہو، اگرچہ وہ معجزات موسیٰ (ع) کے معجزات جیسے ہوں یا ان سے مختلف ہوں، اس کے لیے ہماری شرط صرف یہی ہے کہ مخلوق ان افعال سے عاجز ہو۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تم عیسیٰ بن مریمؑ پر ایمان کیوں نہیں لاتے، وہ مردے زندہ کرتے تھے اندھوں اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کرتے تھے اور مٹی سے پرندے کا ڈھانچہ تیار کر کے اس میں پھونک مارتے تو وہ اڑنے لگ جاتے تھے۔“

یہودی نے کہا: بات یہ ہے کہ عیسیٰ نے یہ کام کیے ہوں گے لیکن ہم نے نہیں دیکھے، اس لیے ان پر ایمان بھی نہیں لائے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کیا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تم نے دیکھے تھے؟“

یہودی نے کہا: دیکھے تو نہیں تھے، البتہ باوثوق افراد کی زبانی ان کی روایت ہم تک پہنچی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کے متعلق بھی باوثوق افراد کی گواہی موجود ہے، اور اخبار متواترہ سے ان کے معجزات ثابت ہیں، اس کے باوجود تمہارا طرز عمل عجیب ہے، موسیٰؑ پر تو ایمان لائے ہو اور عیسیٰؑ کا انکار کرتے ہو۔“

یہودی سے حضرتؑ کے سوال کو کوئی جواب نہ بن پایا۔

حضرتؑ نے فرمایا: ”حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کا حال بھی ایسا ہی ہے، محمد مصطفیٰؐ یتیم تھے، غریب تھے، اجرت لے کر مزدوری کیا کرتے تھے، انہوں نے بحریاں چرائیں، انہوں نے کسی کتاب کو نہیں پڑھا تھا اور نہ ہی کبھی کسی معلم کے پاس گئے تھے، پھر انہوں نے کائنات کے سامنے قرآن پیش کیا، جس میں انبیاءؑ کے واقعات، قصص اور روز قیامت تک کے پیش آنے والے حالات موجود ہیں جو دنیا کو ہمیشہ کے لیے رہبری کرتے رہیں گے، اس کے علاوہ لوگوں کو ان کے راز بتاتے تھے اور جو کچھ وہ گھروں میں کرتے، انہیں ان کی خبر دیتے تھے، آخر اتنے معجزات کی موجودگی میں تم ان کا انکار کیوں کرتے ہو؟“

یہودی نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ عیسیٰؑ (ع) اور محمد مصطفیٰؐ (ص) کے حالات ہمارے ہاں صحیح نہیں سمجھے جاتے۔

آپؑ نے فرمایا: ”یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو راوی موسیٰؑ کے معجزات بیان کریں انہیں تو صحیح سمجھا جائے اور جو راوی عیسیٰؑ اور محمد مصطفیٰؐ کے معجزات بیان

کریں ، انہیں تسلیم نہ کیا جائے ، آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟“
 یہودی یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اپنے مغلوب ہونے کا اعلان کر دیا ۔

زر تشتی عالم سے مباحثہ

پھر آپ نے زر تشتی مذہب کے عالم ہریداکبر کو بلایا اور اس سے فرمایا :-
 ”مجھے زر تشت کے متعلق خبر دو جسے تم اپنا نبی سمجھتے ہو ، اس کی نبوت
 کی دلیل کیا ہے ؟“

زر تشتی عالم نے کہا : ہم انہیں اس لیے نبی مانتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس
 وہ چیزیں لائے جو ان سے پہلے کوئی نہیں لایا تھا ، اگرچہ ہم نے ان کی کرامات کا
 خود تو مشاہدہ نہیں کیا ، لیکن ہمارے بزرگوں نے ان کی روایت کی ہے ، اور مزید
 یہ کہ انہوں نے ہمارے لیے وہ چیزیں حلال کی تھیں جو کہ ان سے قبل کسی نے حلال
 نہیں کی تھیں ، اس لیے ہم نے ان کی اتباع کی ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا : ”تو اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نے روایات سن
 کر اتباع کی ہے ، اور اس طرح سے سابقہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء کی پیروی روایات
 سن کر ہی کی تھی ، اب سوال یہ ہے کہ جب تم روایات کی وجہ سے زر تشت کی پیروی
 کرتے ہو تو روایات کی وجہ سے تم موسیٰ ، عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم السلام کی
 پیروی کیوں نہیں کرتے ؟“

جب کہ ان کے لیے زر تشت کی بہ نسبت ہزار گنا زیادہ روایات مروی ہیں
 اس کے باوجود تم نے ان بزرگوں کا اقرار کیوں نہ کیا ؟“
 یہ سن کر زر تشتی عالم لاجواب ہو گیا ۔

عمران صامی سے مباحثہ

علمائے یہود انصاری و مجوس کو لاجواب کرنے کے بعد امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

”اگر اس بھرے مجمع میں کوئی اسلام مخالف شخص موجود ہو اور وہ سوال کرنے کا خواہش مند ہو تو اسے اجازت ہے۔“

آپ کا یہ اعلان سن کر مجمع میں سے مشہور متکلم عمران صامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ اے عالم زمانہ! اگر آپ خود دعوت نہ دیتے تو میں سوال کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتا۔ چونکہ آپ نے خود دعوت دی ہے تو میں چند مسائل آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں کوفہ، بصرہ، شام اور الجزائر گیا اور میں نے علمائے متکلمین سے بحث کی ہے۔ لیکن مذکورہ مقامات کے علمائے متکلمین میں سے کوئی بھی میرے سامنے اس انداز سے توحید ثابت نہ کر سکا کہ وہ ذات بایں طور واحد ہے کہ اس کا ثانی نہ ہو۔

تو کیا آپ مجھے سوال کرنے کی اجازت دیں گے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اگر اس مجمع میں عمران صامی موجود ہے تو کیا وہ تم ہو؟“

اس نے کہا: جی ہاں! میں ہی عمران صامی ہوں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہیں اجازت ہے جو چاہو پوچھ لو، لیکن بحث میں انصاف کو ضرور مد نظر رکھنا اور غلط منطقی دلائل سے ہرگز کام نہ لینا۔ اس نے کہا: میں صرف واضح اور یقینی دلائل کا خواہش مند ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے موقف کو یقینی دلائل سے ثابت کریں تاکہ میں ان سے تجاوز نہ کر سکوں۔“

آپ نے فرمایا: ”اچھا اب سوال کرو۔“

اتنے میں مجمع فرط اشتیاق سے کھڑا ہو گیا اور ایک دوسرے سے لوگ متصل ہو گئے۔

عمران صابی نے کہا: آپ مجھے یہ بتائیں کہ اول کون تھا اور اس نے کیا پیدا کیا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: اب تم نے سوال کیا ہے تو پھر سمجھ لو! ”واحد ہمیشہ سے واحد رہا کوئی چیز اس کے ساتھ موجود نہیں تھی اور وہ حدود و اعراض کا پابند نہیں تھا اور وہ ہمیشہ ایسا رہے گا۔ پھر اس نے ایک مخلوق پیدا کی جو کہ مختلف حدود و اعراض کی مقید نہ تھی۔ اس نے اسے کسی چیز میں ٹھہرایا اور نہ ہی اسے کسی چیز میں محدود کیا اور نہ ہی کسی چیز کو اس کے مساوی بنایا اور نہ ہی کسی چیز کو اس کے مثل نہیں بنایا۔

پھر اس کے بعد اس نے مخلوق پیدا کی جن میں سے چنے ہوئے اور نہ چنے ہوئے بھی تھے۔ جن میں اختلاف، ابتلاف (اتحاد) رنگ، ذوق اور ذائقہ پایا جاتا تھا۔ مگر یہ یاد رکھو۔ اللہ کو اس کے پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی اور ان کی تخلیق سے وہ کوئی ایسی فضیلت بھی اپنے لیے ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا جو ان کی وساطت سے اسے نصیب ہو۔

اور اس مخلوق کی پیدائش سے اس میں کسی کمی اور زیادتی نے بھی جنم نہیں لیا۔ (کیونکہ اس کے خزانے کم نہیں ہوتے اور کثرتِ سخاوت سے اس کے جود و کرم میں اضافہ ہوتا ہے)۔

عمران! تم نے اس مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھ لیا؟

اس نے کہا: جی ہاں! میرے آقا میں اچھی طرح سمجھ گیا۔

پھر آپ نے فرمایا: **عمران!** ”اس کے ساتھ یہ بھی جان لو کہ اگر وہ غنی مطلق مخلوق کو اپنی کسی غرض کی وجہ سے پیدا کرتا تو پھر وہ صرف ایسی مخلوق کو پیدا کرتا

جو اس کی حاجات کے لیے مددگار ثابت ہو۔ اور پھر مخلوق کی تعداد اس تعداد سے بیسوں گنا زیادہ ہوتی کیونکہ جتنے مددگار زیادہ ہوں تو ان کا صاحب اتنا ہی زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے اور حاجات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر مخلوق کسی احتیاج (ضرورت) کی وجہ سے بنی ہوئی تو ہر مخلوق کی خلقت کے ساتھ حاجت میں مزید اضافہ ہوتا رہتا۔ اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ اس نے مخلوق کو کسی احتیاج (ضرورت) کے تحت پیدا نہیں کیا۔ اسے مخلوق کی کوئی حاجت نہ تھی۔ البتہ مخلوقات کی حاجات کو اس نے ایک دوسرے سے متعلق کر دیا اور بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اس نے جسے فضیلت دی اس سے بھی اسے کوئی حاجت وابستہ نہ تھی اور اس نے جسے مفضل بنایا اس پر بھی اسے کوئی ذاتی ناراضگی نہ تھی۔ اور اسی ہمدردی کے لیے اللہ نے انہیں پیدا کیا۔“

عمران صابی نے کہا: میرے آقا! یہ بتائیں کہ کیا خالق اپنے نفس کے ہاں فی نفسہ معلوم تھا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”کسی چیز کا علم اس کے متضاد کی نفی کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کی نفی کی جاتی ہے وہ موجود ہوتا ہے (اگرچہ وہم و تصور کی حد تک ہی کیوں نہ ہو) اسی لیے احتیاج محسوس ہوتی ہے۔ کہ اپنے علم کی حد بندی کرتے ہوئے اس چیز کی اپنے نفس سے نفی کی جائے (1)۔“

(1) بعض فکمی شخصوں کے حاشیہ پر مرقوم ہے

جان لو! کہ اس مسئلہ کا اظہار مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات مقدس کا علم نہیں تھا۔ اور یہ نظریہ تمام توحید پرست افراد کے نظریہ کے خلاف ہے۔ تمام توحید پرست بالجماع یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور جملہ مصنوعات کا عالم ہے۔ اسی لیے علامہ مجلسیؒ نے عوارانوار کی جلد چہارم میں اس کی مفصل بحث کی ہے۔ اور امام عالی مقامؒ کے ان الفاظ کی چار تشریحات فرمائی ہیں۔ لہذا عوارانوار کی مذکورہ جلد کی طرف رجوع کیا جائے۔ (انتہی)۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ (1) حصولی (2) حضوری۔ حصولی عقل میں کسی چیز کی صورت حاصل کو کہا جاتا ہے۔ حضوری زمین معلوم کو کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت و نقش کو نہیں کہا جاتا۔ جیسا کہ علم مجرد ذات جس میں سلسلہ معلومات نہ ہو۔ جیسا کہ محققین کہتے ہیں کہ اللہ کو معلومات کا جو علم ہے وہ نہ تصور ہے اور نہ تقدیر ہے۔ (انتہی)۔ صدرا المتأملین نے اسفار میں ”علم اللہ بذاتہ“ کے اثبات کیلئے پوری فصل قائم کی ہے۔ امام عالی مقامؒ کا مذکورہ فرمان انتہائی مشکل ہے اس لیے اس میں خوب غور و فکر کریں۔ (اور اس کا علم خود آنجناب کے سپرد کرتے ہیں)

پھر آپؐ نے فرمایا: ”عمران! سمجھ گئے ہو؟“

اس نے کہا: جی ہاں! میرے آقاؐ۔

پھر عمران صابی نے کہا: آقا! یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ جن چیزوں کا علم رکھتا ہے، وہ علم ضمیر سے حاصل کردہ ہے یا کسی اور طریقے سے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے جب اس کا علم، ضمیر کی بدولت ہو تو کیا وہ اس ضمیر کے لیے کوئی حد مقرر نہ کرے گا جہاں اس کا علم و معرفت رک جائے؟“

عمران صابی نے کہا: جی ہاں! ایسا کرنا ضروری ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: پھر وہ ضمیر کیا ہے؟

اس پر وہ لاجواب ہو گیا۔

پھر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اگر میں تجھ سے یہ پوچھ لوں تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ ضمیر کو پہچاننے کے لیے تمہیں کیا ایک اور ضمیر کی ضرورت ہوگی؟“

پس اگر تم نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو میں تمہاری تردید کروں گا کیونکہ اس سے دُور اور تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

عمران! کیا تم یہ جاننا پسند نہیں کرو گے کہ واحد کی وصف ضمیر سے نہیں کی جاتی اور اس کے فعل و عمل کی وجہ سے اس کے اجزا نہیں مانے جائیں گے جیسا کہ مخلوق کے لیے یہ بات لازم آتی ہے۔

لہذا تم اس بات کو اچھی طرح سے سمجھو اور اسی پر اپنے نظریات کی بنیاد رکھو۔ تم صحیح راستہ اپنا سکو گے۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! مجھے اس کی مخلوق کے حدود سے آگاہ کریں کہ ان

کی کیفیت کیا ہے اور اس کے معانی کیا ہیں اور اس کی کتنی اقسام ہیں؟؟؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تم نے پوچھا تو پھر جان لو کہ اس کی مخلوق چھ طرح کی ہے۔

- 1- پہلی قسم وہ ہے جو قتل لمس قابل وزن ہے اور قابل رویت ہے
- 2- دوسری قسم وہ ہے جس میں مذکوروا و صاف نہیں ہیں۔
- 3- تیسری قسم وہ ہے جو قابل رویت تو ہے لیکن قابل لمس، قابل حس، قابل وزن اور رنگت کی حدود سے ماورا ہے۔
- 4- چوتھی قسم کا تعلق تقدیر یعنی اندازوں سے ہے اس میں صورتیں اور طول و عرض شامل ہیں۔

- 5- پانچویں قسم ان ”اعراض“ کی ہے جو قرار پذیر ہیں اور حواس سے جن کا ادراک ممکن ہے
- 6- وہ اعراض جو قرار پذیر نہیں۔

اس کے علاوہ اعمال و حرکات ہیں جو اشیاء کو وجود میں لاتے ہیں اور انہیں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرتے ہیں اور ان میں کمی بیشی لاتے ہیں، اعمال و حرکات کا ایک اپنا دورانیہ ہوتا ہے جس میں وہ سرانجام پاتے ہیں، پھر عمل و حرکت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اثباتی رہتا ہے اور یوں عمل و حرکت کا تعلق ان اشیاء سے بن جاتا ہے جو خود تو چلی جائیں لیکن اپنے پیچھے اثر چھوڑ جائیں۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! آپ مجھے یہ بتائیں کہ خالق واحد تھا اس کے ساتھ کوئی ماسوا نہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ موجود نہ تھی تو کیا مخلوق کو خلق کرنے سے اس میں تغیر واقع نہیں ہوا ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”وہ قدیم ہے، مخلوق کے پیدا کرنے سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، خلقت اس میں تبدیلی نہیں لاتی وہ مخلوقات میں تبدیلیاں لاتا ہے۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! ہم نے اسے کس چیز سے پہچانا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس کے غیر سے ہم نے اسے پہچانا“۔

عمران صابی نے کہا: ”غیر“ سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس کی مشیت، اس کا اسم، اس کی صفت اور اس

جیسی دوسری اشیاء۔ یہ تمام چیزیں حادث اور مخلوق ہیں۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! تو وہ خود کیا چیز ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”وہ نور ہے اور اس کے نور ہونے کا مفہوم یہ ہے

کہ وہ زمین و آسمان کی مخلوق کا ہادی ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اس کی توحید کو ادا

کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! کیا ایسا نہیں کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے وہ خاموش

(ساکت) تھا پھر اس نے کلام کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سکوت (خاموشی) کا لفظ خود اس بات کی دلیل

ہے کہ اس سے پہلے نطق موجود تھا۔ اور اس کی مثال یوں سمجھو کہ چراغ کے لیے یہ

الفاظ نہیں کہے جاتے

ہو ساکت لا ناطق۔ وہ خاموش ہے اور ناطق نہیں ہے۔ اور اسی طرح

سے چراغ کے لیے ہم یہ نہیں کہا کرتے ”ان السراج لیضیء فیما یرید“ کہ

چراغ اپنی سے مرضی اشیا کو روشن کر رہا ہے۔

تو یہ اور اس طرح کے مقولے ہم اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ روشنی دینا

چراغ کا ذاتی فعل نہیں ہے۔ اور روشنی کو پیدا کرنا بھی چراغ کے بس میں نہیں ہے۔

اور جب چراغ روشن ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں۔

”قد اضاء لنا حثی استضاءنا به“ اس نے ہمارے لیے روشنی کی،

یہاں تک کہ ہم نے اس سے روشنی حاصل کی۔

لہذا اس مثال سے تم درست نتیجہ کو اخذ کر سکتے ہو۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! میں اس سے قبل یہ سمجھتا تھا کہ جب ذات حق نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس میں تبدیلی واقع ہو گئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”عمران! تم نے امر محال کی گفتگو کی۔ خالق میں تبدیلی کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے کہ اس کی ذات میں تبدیلی تسلیم کی جائے۔
عمران! کیا کبھی تم نے دیکھا کہ آگ نے اپنے آپ میں تبدیلی لائی ہو اور کیا کبھی تم نے دیکھا کہ حرارت نے اپنے آپ کو جلایا ہو۔ اور کیا تم نے کسی آنکھوں والے کو دیکھا ہے جس نے اپنی بصارت کو دیکھا ہو؟؟؟“

عمران صابی نے کہا: آقا! میں نے ایسا نہیں دیکھا۔

پھر عمران صابی نے کہا: آقا! آپ یہ بتائیں کہ وہ خلقت میں حلول کر چکا ہے یا مخلوق اس میں حلول کر چکی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”عمران! اللہ اس سے کیسے بلند و بالاتر ہے۔ کہ وہ مخلوق میں سمائے یا مخلوق اس میں سما جائے۔ اور تیرا یہ علم انتہائی لائق مذمت ہے۔
بھلا مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھتے ہو تو اس وقت تم آئینے میں سما جاتے ہو یا آئینہ تم میں سما جاتا ہے؟“

اور اگر تم میں سے کوئی بھی کسی میں سمایا ہوا نہیں ہوتا تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ آئینہ میں تم ہی ہو؟“

عمران نے کہا: میں اس روشنی کے ذریعے سے اپنے آپ کو دیکھتا ہوں جو میرے اور آئینہ کے درمیان میں ہوتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو وہ روشنی تمہاری آنکھوں کی روشنی سے زیادہ نہیں ہوتی جو تمہیں آئینہ میں نظر آتی ہے؟“

عمران نے کہا: جی ہاں! آنکھ میں تھوڑا سا نور ہوتا ہے جب کہ آئینہ میں زیادہ دیکھائی دیتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر ہمیں وہ زیادہ نور دیکھاؤ۔“

عمران صابی سے اس کا جواب نہ بن آیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ”یاد رکھو تم وہ نور چشم دکھانے کے قابل نہیں ہو۔ البتہ اس نور نے تمہیں آئینہ دکھایا اور آئینہ نے تمہیں تمہاری شکل صورت دکھائی۔ لیکن نہ تو تم آئینہ میں سمائے اور نہ ہی آئینہ تمہارے اندر سلایا۔ اس حقیقت کو بہت سی مثالوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ اللہ کی شان بلند وبالا ہے۔“

پھر آپؑ مامون کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:-

”نماز کا وقت ہو چکا ہے؟“

عمران صابی نے کہا: آقا! آپ گفتگو منقطع نہ کریں کیونکہ میرے دل میں رقت پیدا ہو رہی ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”ہم نماز پڑھ کر ابھی واپس آتے ہیں اور باقی گفتگو بعد میں کریں گے۔“

چنانچہ آپؑ اٹھے اور آپ کی وجہ سے مامون اور دیگر حاضرین بھی اٹھے۔ آپؑ نے اندر نماز پڑھی جب کہ باقی افراد نے محمد بن جعفر کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؑ دوبارہ اپنی نشست پر تشریف فرما ہوئے اور عمران سے فرمایا:-

”عمران! پوچھو جو تمہیں پوچھنا ہو۔“

عمران صابی نے کہا: آقا! یہ بتائیں اللہ از روئے حقیقت واحد ہے یا از روئے صفات واحد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ خالق واحد ہے اور وہ کائنات اول ہے اور وہ ہمیشہ شے واحد ہے کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔ وہ اکیلا ہے جس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تو معلوم تھا، نہ مجبول تھا، نہ محکم تھا، نہ متشلبہ تھا، نہ کوئی قابل ذکر تھا

نہ قابل فراموش تھا اور نہ ہی کوئی چیز تھی جس پر شے کے لفظ کا اطلاق ممکن ہو۔ اور اس وقت، وقت بھی نہ تھا۔ اور وقت ختم ہو جائے گا وہ پھر بھی باقی رہے گا۔ اور وہ کسی شے کی وجہ سے قائم نہیں ہوا اور اشیاء فنا ہو جائیں گی وہ پھر بھی قائم رہے گا۔ اور اس نے کسی چیز کا سہارا نہیں لیا اور کسی چیز میں قیام نہیں کیا۔ اور تخلیق کائنات سے قبل اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اور جن صفاتی القاب کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ وہ تو صفات محدثہ ہیں اور سمجھانے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے۔“

حروف ابجد کی تخلیق

عمران! تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ ابداء، مشیت اور ارادہ اگرچہ تین الگ الگ الفاظ ہیں لیکن ان تینوں کے معنی و مفہوم ایک ہیں۔ اللہ کی پہلی تخلیق وارادہ اور مشیت حروف ابجد ہیں۔ جنہیں اللہ نے ہر چیز کی بنیاد اور ہر چیز کی دلیل اور فاصلہ کرنے والا بنایا اور انہی حروف سے حق و باطل کے تمام اسماء میں تفریق قائم کی اور انہی حروف کو فعل و مفعول، معنی و غیر معنی کا ذریعہ بنایا اور تمام امور کا دار و مدار انہی حروف پر رکھا اور حروف مفردہ کی تخلیق سے صرف انہی حروف کے معنی پیش نظر رکھا گئے۔ (1)

اور اللہ جو کہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس نے اپنے نور سے ہی حروف مجملہ کی تخلیق کی اور یہ اس کا فعل اول ہے۔ اور حروف ذات حق کے فعل اول کے مفعول اول ہیں اور یہی حروف ہی ہیں جن پر کلام اور عبادات الہی کا دار و مدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پچیس (۳۳) حروف خلق کیے جن میں سے عربی زبان میں اٹھائیس حروف استعمال ہوتے ہیں اور انہیں اٹھائیس حروف میں سے بائیس (۲۲) حروف سریانی

(۱) تخلیق اول کے متعلق بہت سی روایات مروی ہیں۔ بعض روایات میں عقل، بعض میں پانی، بعض میں حروف مجملہ اور بعض میں حقیقت محمدیہ کو مخلوق اول کہا گیا۔ محققین نے تمام روایات کو جمع کیا اور ثابت کیا کہ ان میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

و عبرانی زبانوں میں مستعمل ہیں۔ اور پانچ دوسرے حروف عجمی اور دیگر زبانوں میں بولے جاتے ہیں اور یوں ان کی کل تعداد تینتیس (۳۳) بنتی ہے۔

حروف مجملہ کی تخلیق کے بعد ”کُنْ فَيَكُونُ“ کا مرحلہ آیا۔ اسی لفظ ”کُنْ“ سے مخلوقات و مصنوعات منصہ شہود پر آئیں۔

لہذا اللہ کی مخلوق اول وہ ارادہ و ابداع ہے جس کا کوئی وزن نہیں۔ جو حرکت و سمع و رنگ و حس میں مقید نہیں ہے۔

اور ابداع کے بعد مخلوق دوم حروف ہیں جن کا وزن و رنگ نہیں ہے اور یہ قابل سماعت ہیں لیکن قابل رویت نہیں ہیں۔

اور تیسری مخلوق میں وہ انواع شامل ہیں جو حس و لمس اور ذوق و نظر میں مقید ہیں۔ ذات حق ابداع سے بھی پہلے ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اس کے ساتھ بھی کوئی چیز نہ تھی۔ اور ابداع، حروف سے مقدم ہے اور حروف اپنے علاوہ کسی اور پر دلالت نہیں کرتے۔

مامون نے کہا: حروف اپنے علاوہ کسی اور پر کیوں نہیں دلالت کرتے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ ان حروف کو غیر معنی کے لیے کبھی جمع نہیں کرتا۔ اور جب تک یہ جمع نہ ہوں تو اس وقت تک کوئی جدیدہ مفہوم و معنی کا اظہار نہیں ہوتا۔“

عمران نے کہا: ہم اس بات کو کیسے سمجھیں؟

امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس بات پر خصوصی توجہ کرو۔

اس بات کی تفصیل و توضیح یہ ہے، جب تم صرف حروف مجملہ ادا کرتے ہو اور تمہارا مقصود بھی صرف حروف ہی ہوں تو تم اس وقت انہیں علیحدہ علیحدہ زبان پر لاتے ہو اور یوں انہیں ادا کرتے ہو۔

اس صورت میں ان حروف کو مفرد ادا کرتے ہو اور ان حروف سے بس یہی حروف مقصود ہوتے ہیں ان کے کوئی معنی و مفہوم مقصود نہیں ہوتے۔ اور جب تم ان حروف کو جمع کرتے ہو تو وہ کسی چیز کا نام یا صفت قرار پاتے ہیں۔ اور وہ مطلوبہ معانی پر دلالت کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا تم اس حقیقت کو سمجھ گئے؟“

عمران نے کہا: جی ہاں! میں سمجھ گیا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس حقیقت کو جان لو کہ غیر موصوف کی صفت نہیں ہوتی اور معنی کے بغیر اسم نہیں ہوتا اور غیر محدود کے لیے حد نہیں ہوتی۔ اور صفات و اسماء، کمال اور وجود پر دلالت کرتے ہیں مگر موصوف کو محیط نہیں ہوتے اور اس کے برعکس تہائی، چوتھائی یا چھٹا حصہ قسم کا مفہوم محیط ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت صفات اور اسماء سے ممکن ہے لیکن طول و عرض، قلت و کثرت، رنگ و وزن وغیرہ سے ممکن نہیں۔ اور خدا کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں کوئی چیز حلول کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے صفات اور اس کے اسماء کے ذکر سے ہو سکتی ہے۔ اور مخلوق سے خالق کا استدلال کیا جائے گا۔ کسی شکی مزاج کو آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے اور ہاتھوں سے لمس کرنے اور دل کے احاطہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

اگر ذات حق کی صفات اس کی دلیل نہ ہوتیں اور اس کے اسماء اس کے داعی نہ ہوتے تو عبادت اللہ کی ہرگز قرار نہ پاتی بلکہ وہ اسماء و صفات کی قرار پاتی۔ اور جب اسماء و صفات اس کے غیر ہوتے تو پھر اللہ معبود ہی نہ ہوتا۔ تو کیا تم نے اس مفہوم کو سمجھ لیا ہے؟“

عمران صابی نے کہا: جی ہاں! میرے آقا۔ میں اس کی مزید تفصیل کا طالب ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”عقل کے اندھے اور گمراہ جاہلوں کی یہ بات

کبھی تسلیم نہ کرنا کہ اللہ روزِ آخرت حساب، ثواب اور عذاب کے لیے موجود ہوگا لیکن دنیا میں اطاعت کے لیے موجود نہیں ہے۔ اگر ذاتِ حق میں کوئی نقص اور کمی ہوتی تو وہ آخرت میں بھی کبھی موجود نہ ہوتا۔ لیکن یہ لوگ جاہِ حق سے بھٹک چکے ہیں۔ اور حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ

سَبِيلًا - (بنی اسرائیل ۷۲)

”اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا“

یعنی جو موجود حقائق کو نہیں دیکھ پاتا اور دانش ور جانتے ہیں کہ اس کا استدلال صرف اسی طریقہ سے ہی ممکن ہے اور جو اس کے علاوہ اپنی رائے سے استدلال کرے گا وہ علم و دانش سے زیادہ دور ہو جائے گا۔ اللہ نے اس کا علم اس قوم کے پاس رکھا ہے جو علم و عقل و فہم کے مالک ہیں“ (1)۔

ابداع مخلوق ہے یا نہیں ؟

عمران صابی نے کہا: آقا! یہ بتائیں کہ ابداع مخلوق ہے یا نہیں ؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ابداع مخلوق ساکن ہے۔ جس کا ادراک سکون سے نہیں ہوتا۔ اسے مخلوق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کا احداث کیا ہے۔ اللہ نے اسے اس وقت بنایا جب ان دو کے علاوہ کوئی تیسری چیز موجود نہ تھی۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اللہ کی ہر پیدا کردہ چیز کو لفظ مخلوق سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ مخلوق کبھی ساکن ہوتی ہے، کبھی متحرک ہوتی ہے، کبھی مرکب ہوتی ہے،

(1)۔ ممکن ہے اس سے مراد معصومین علیہم السلام ہوں۔

کبھی معلوم اور کبھی متشابہ ہوتی ہے۔ بہر نوع جس پر بھی حد کا اطلاق ہو وہ اللہ کی مخلوق ہے۔

اور تمہیں علم ہونا چاہیے تم جو کچھ اپنے حواس سے پاتے ہو تو وہ معنی و مفہوم حواس کی بدولت ادراک کردہ ہے اور ہر حاسہ اسی چیز کا ادراک کرتا ہے۔ جس کے لیے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اور حواس سے حاصل کردہ معلومات کو جمع و ترتیب دینا دل کا کام ہے۔

علاوہ ازیں تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ ذات واحد وہ ہے جو بغیر کسی اندازہ و تقدیر اور حد بندی کے قائم ہو۔ جب کہ تمام مخلوقات تقدیر و حد بندی کی پابند ہیں تو پیدا کرنے والے نے گویا دو چیزیں پیدا کی ہیں۔

ایک تقدیر اور دوسرا تقدیر کا پابند۔ اور ان دونوں میں سے کسی میں بھی رنگ و وزن اور ذائقہ نہیں ہے۔ اور ان میں سے ایک کا ادراک دوسری چیز سے ہوتا ہے اور دونوں کو ان کے نفس سے قابل ادراک بنایا۔ اور اس نے کسی مخلوق کو اکیلا اور قائم بذاتہ نہیں بنایا۔

اور اس کے برعکس ذات حق تنہا اور قائم بذاتہ ہے۔ وہ اپنے وجود و قیام کے لیے کسی دوسرے مددگار اور ساتھی کا محتاج نہیں ہے۔ اور مخلوق کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اذن و مشیت سے ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہے۔

اس بحث میں لوگوں نے اختلاف کیا اور وہ حیران و پریشان ہوئے اور ان کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ وہ تاریکی کی مدد سے تاریکی سے نجات چاہتے ہیں اور وہ اپنی صفات سے خدا کے وصف بیان کرتے ہیں۔ اس لیے وہ حق سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرنے کی بجائے اللہ کی توصیف اس کے اوصاف اور مخلوق کی توصیف مخلوق کے اوصاف سے لرتے تو کبھی گمراہ نہ ہوتے اور اختلاف میں نہ پڑتے اور انہیں فہم و یقین کی دولت نصیب ہوتی۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت

کرتا ہے۔“

عمران صابی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے اس کے وصف بیان کئے۔

پھر اس نے کہا: آقا! مجھے آخر میں آپ سے ایک اور مسئلہ دریافت کرنا ہے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: ”جو چاہو پوچھو لو۔“

عمران صابی نے کہا: میرا سوال ذات احدیت کے متعلق ہے کہ وہ کس چیز میں ہے؟ اور کیا کوئی چیز اس کا احاطہ کر سکتی ہے؟ اور کیا وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا ہے؟ اور کیا اسے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟
امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”عمران! تم نے پوچھا تو پھر اچھی طرح سے سنو اور سمجھ لو! کیونکہ یہ مسائل لوگوں کے لیے پیچیدہ ترین مسائل شمار ہوتے ہیں۔ ان مسائل کو عقل و حلم سے غاری افراد سمجھنے سے قاصر ہیں۔ البتہ اہل عقل و انصاف ہی ان مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔“

تمہارے سوالوں کا جوابات یہ ہے۔

اگر وہ کسی چیز کو اس لیے پیدا کرتا کہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ تو پھر کہنے والے کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیز میں حلول کر سکتا ہے۔ اللہ کسی بھی چیز کو اس لیے نہیں بنایا کہ اسے اس کی حاجت (ضرورت) تھی وہ ہمیشہ سے ثابت و قائم ہے نہ تو کسی چیز میں ہے اور نہ ہی کسی چیز پر ہے۔

مضوق ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہے اور بعض، بعض میں داخل ہوتی ہے اور خارج بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے وہ نہ تو کسی چیز میں داخل ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز برآمد ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کائنات کی حفاظت اسے تھکان میں مبتلا کرتی ہے۔ ذات حق کائنات کے تھامنے سے عاجز نہیں آتی۔ اور کائنات اس کی شانِ محافظت کی کیفیت جاننے سے عاجز ہے

اور اس شانِ محافظت کو اللہ خود جانتا ہے یا وہ رسول جانتے ہیں جنہیں اللہ نے اس کی اطلاع دی ہے۔ اور اس کے راز دان اور اس کے امر کے محافظ اور اس کے خازن اور شریعت کو قائم رکھنے والے جانتے ہیں۔ اس کا امر آنکھ جھپکنے یا اس بھی زیادہ جلد نافذ ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے ”کُن“ کہتا ہے۔ وہ ہو جاتی ہے۔ اور ایسا ہر گز نہیں ہے کہ ایک چیز اس کے زیادہ قریب ہو اور دوسری چیز اس سے دور ہو۔“

عمران! کیا تم نے اس بات کو سمجھ لیا ہے؟

عمران نے کہا: جی ہاں! میرے آقا و مولا! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا وہی ہے جس کی توصیف و توحید آپؐ نے بیان فرمائی ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اللہ کے عبد ہیں جنہیں ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔

پھر اس نے قبلہ رو ہو کر سجدہ کیا اور مسلمان ہو گیا۔

حسن بن نوفلی (راوی) کہتے ہیں کہ جب عمران لا جواب ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کیا تو دربار میں بیٹھے ہوئے دیگر متکلمین کو آپؐ سے مزید سوال کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

اتنے میں شام ہو گئی اور دربار برخواست ہو گیا اور مامون اپنے محل میں چلا گیا اور امام علیہ السلام اپنے بیت الشرف میں تشریف لائے۔

راوی کہتا ہے کہ میں اپنے دوستوں کی جماعت کے ساتھ تھا۔ اتنے میں محمد بن جعفر کا مجھے پیغام موصول ہوا۔ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا:-

نوفلی! آج تم نے اپنے امام کا کار نامہ ملاحظہ کیا؟

خدا کی قسم! ہمیں ان کے اس تجربہ علمی کا علم نہیں تھا۔ اور ہم نے انہیں علم الکلام کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔

البتہ بیت اللہ کے زائرین ان کے پاس آکر مناسک حج اور حلال و حرام کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔

پھر محمد بن جعفر نے کہا: ابو محمد! مجھے اندیشہ ہے یہ شخص (مامون) ان سے حسد کرے گا۔ اور حسد کے نتیجے میں انہیں زہر بھی دے سکتا ہے یا انہیں کسی اور مصیبت میں بھی گرفتار کر سکتا ہے۔ لہذا تم جا کر ان سے درخواست کرو کہ وہ ان چیزوں سے باز رہیں۔

میں (نوفلی) نے کہا: امام علیہ السلام میری بات نہیں مانیں گے۔ اور اس اجتماع کا مقصد بھی یہی تھا کہ مامون اس طرح سے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ علی رضا علیہ السلام کے پاس بھی ان کے کوائے ظاہرین کے علم کا ذخیرہ موجود ہے یا نہیں۔

محمد بن جعفر نے کہا: تم ان کی خدمت میں عرض کرو کہ آپ کا چچا بوجہ ان مسائل کو ناپسند کرتا ہے۔ اور وہ آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آئندہ آپ ان مسائل سے باز رہیں۔

نوفلی کہتے ہیں: میں امام علیہ السلام کے بیت المشرف میں گیا اور انہیں ان کے چچا کا پیغام سنایا۔

امام علیہ السلام پیغام سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا میں غوثی جانتا ہوں کہ میرے چچا مجھے کیوں منع کرنا چاہتے ہیں۔

پھر آپ نے اپنے ایک نوکر کو صدا دے کر فرمایا:-

تم عمران کے پاس جاؤ اور اسے میرے حضور پیش کرو۔

نوفلی کہتے ہیں: میں نے کہا مجھے اس کی رہائش کا پتہ معلوم ہے وہ ہمارے ایک شیعہ بھائی کے ہاں مقیم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہتر ہے پھر تم خود ہی اس کے لیے سواری لے کر جاؤ اسے ہمارے پاس لے آؤ حسب الحکم میں عمران کے پاس گیا اور اسے آپ

کی خدمت میں لے آیا۔ آپؐ نے اسے خلعت عطاء فرمائی اور سواری کا جانور دیا اور دس ہزار درہم بھی اسے عطا فرمائے۔

میں (نوفلی) نے کہا: مولا! آپؐ نے تو اپنے جد نامدار امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت پر عمل کیا۔

آپؐ نے فرمایا: ہم ایسا ہی طرز عمل پیش کرتے ہیں۔

رات کے کھانے کے لیے دسترخوان لگایا گیا تو حضرتؑ نے مجھے اپنی دائیں طرف اور عمران کو بائیں طرف بٹھایا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو حضرتؑ نے عمران سے کو فرمایا: کل آنا۔ ہم تجھے اہل مدینہ کا طعام کھلائیں گے۔

اس واقعہ کے بعد عمران ہمیشہ عقائد اسلامیہ کا دفاع کرتا تھا۔ اور مختلف مذاہب اور ملل کے علماء سے مباحثہ کر کے انہیں لاجواب کر دیتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متکلمین ان سے بحث کرنے سے گھبراتے تھے۔

مامون نے بھی عمران کو دس ہزار درہم عطا کیے۔ اور امام علیہ السلام نے اسے علاقہ بلخ کے صدقات کا عامل مقرر کیا جہاں اس کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔

باب 13

خراسانی متکلم سلیمان مروزی سے آپؐ کا مباحثہ

(حذف اسناد) حسن بن محمد نوفلی نے بیان کیا کہ خراسان کا مشہور متکلم سلیمان

مروزی، مامون کے پاس آیا۔

مامون نے اس کا احترام کیا اور اس سے کہا :-

میرے چچا زاد بھائی علی بن موسیٰ علیہما السلام حجاز سے میرے یہاں تشریف

لائے ہیں۔ انہیں علم الکلام اور متکلمین سے بڑی دلچسپی ہے۔ لہذا تم روزِ ترویہ آؤ اور ان سے مناظرہ کرو۔

سلیمان جو کہ بزمِ خویش بڑا عالم بنا ہوا تھا، نے کہا:-

امیر المومنین! میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ بنی ہاشم کی محفل میں ان سے

مباحثہ کر کے ان کی سبکی کا باعث بنوں۔ اسی لیے میں ان کی توہین کا موجب بنا نہیں چاہتا۔

مامون نے کہا: نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ان کے علم و فضل کو

خوفی جانتا ہوں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم انہیں ایک دلیل سے ہی شکست

دے دو۔

سلیمان نے کہا: امیر المومنین! پھر درست ہے آپ ان سے میرا مباحثہ مقرر

کریں اور اس کے ساتھ مجھے ملامت کرنے سے بھی پرہیز کرنا ہوگا۔

مامون نے امامِ عالی مقامؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس مروزی (مرو)

سے علم الکلام کا ایک ماہر آیا ہوا ہے۔ لہذا اگر آپؐ کو گراں نہ ہو تو پھر ہمارے

ہاں تشریف لائیں۔

یہ پیغام سن کر آپؐ اٹھے اور وضو کیا۔ پھر آپؐ نے مجھے اور عمران صابی

کواپنے سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا تم دونوں چلے جاؤ۔ میں تمہارے بعد آجاؤں گا۔
چنانچہ ہم دونوں دربار کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم دربار کے دروازے
پر پہنچے تو دربار کے دو دربانوں یاسر اور خالد نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور مجھے مامون
کے پاس لے گئے۔ میں نے سلام کیا تو مامون نے کہا:-

میرے بھائی ابوالحسن ابقاہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟

میں نے کہا: وہ لباس بدل رہے تھے اور انہوں نے ہمیں اپنے سے پہلے روانہ
کیا ہے۔ اور عمران بھی اس وقت دروازے پر باریابی کا منتظر ہے۔

مامون نے کہا: کون عمران؟

میں نے کہا: وہی عمران جو چند روز قبل آپ کے دربار میں مسلمان ہوا تھا۔
مامون نے کہا: اسے اجازت ہے اسے دربار میں لایا جائے۔ چنانچہ عمران بھی
دربار میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت مامون نے اس سے کہا:-

عمران! یہ سلیمان مروزی ہے اور یہ خراسان کا مشہور متکلم ہے۔

عمران نے کہا: مجھے تعجب ہوتا ہے کہ یہ شخص جو کہ خراسان میں صاحب نظر
سمجھا جاتا ہے پھر بھی وہ ”بدا“ کا منکر ہے۔

مامون نے کہا: اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے مناظرہ کرو۔

عمران نے کہا: اگر اس کی یہی خواہش ہو تو بہتر ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امام علی رضا علیہ السلام دربار میں تشریف
لائے اور فرمایا:-

”آپ حضرات کیا باتیں کر رہے تھے؟“

عمران نے کہا: فرزند رسول! یہ سلیمان مروزی ہے۔

سلیمان نے کہا: کیا تم ابوالحسن کے فیصلے کو تسلیم کر لو گے؟

عمران نے کہا: جی ہاں! میں ابوالحسن کے فیصلے کو ضرور تسلیم کروں گا۔ مگر

میں ان سے دلیل و برہان ضرور طلب کروں گا تاکہ میں اپنے جیسے اہل نظر کے سامنے بیان کر سکوں۔

مامون نے کہا: ابو الحسن! آپ ان دونوں کے تنازعہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

بداء کے اثبات

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: سلیمان! تم بداء کا انکار کیسے کر سکتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (مریم- ۶۷)

”کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ پہلے ہم نے ہی اسے پیدا کیا ہے۔

جب یہ کچھ نہیں تھا۔“

هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ - (الروم- ۲۷)

”اور وہی وہ ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ بھی پیدا

کرے گا۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - (البقرہ - ۱۱۷)

”وہ زمین و آسمان کا موجد ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ - (فاطر - ۱)

”وہ خلقت میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ - (الم السجدہ - ۷)

”اور اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔“

اور رب العزت نے فرمایا :-

وَاٰخَرُونَ مُّزْجَوْنَ لِّاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ - (التوبہ ۱۰۶)

”اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں حکم خدا کی امید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ یا خدا ان پر عذاب کرے گا یا ان کی توبہ قبول کو کرے گا۔ وہ بڑا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :-

وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ
عَلٰی اللّٰهِ يَسِيْرٌ - (فاطر - ۱۱)

”اور کسی بھی طویل العمر کو جو عمر دی جاتی ہے یا عمر میں کمی کی جاتی ہے یہ سب کتاب الہی میں مذکور ہے اور اللہ کے لیے یہ کام بہت آسان ہے۔“
سلیمان نے کہا: اس سلسلے میں آپ کے آبائے طاہرین سے بھی کچھ منقول ہے؟
آپؑ نے فرمایا: ”جی ہاں! میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا :-
اللہ کے علم دو طرح کے ہے۔

1۔ علم مخزون و مکتون جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور بداء کا تعلق بھی اسی علم سے ہے۔

2۔ وہ علم جو اس نے اپنے انبیاء و ملائکہ کو تعلیم دیا۔ اس علم کو اہل بیتؑ نبی بھی جانتے ہیں۔“

سلیمان نے کہا: آپؑ اس مفہوم کو قرآن مجید سے ثابت کریں۔
حضرتؑ نے فرمایا: ”قرآن مجید کی ان آیات میں اس مسئلے کو واضح کیا گیا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا اَنْتَ بِمَلُوْمٍ (الذاریات ۵۴)

”ان سے منہ موڑ لیں پھر آپ پر کوئی الزام نہیں ہے۔“

آیت کا مضموم یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ”بداء“ واقع ہوا اور فرمایا :-

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ - (الذاریات - ۵۵)

”آپ نصیحت کریں اور یقیناً نصیحت مومنین کو فائدہ دیتی ہے۔“ (1)

سلیمان نے کہا: آقا! اس کی مزید وضاحت فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”میرے والد نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آپ نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو وحی فرمائی کہ فلاں بادشاہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ میں اتنے عرصے میں اس کی روح قبض کرنے والا ہوں۔

چنانچہ نبی گئے اور بادشاہ کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور واپس اپنی جگہ پر آگئے۔ بادشاہ نے رو کر اللہ سے درخواست کی کہ اسے اتنی مہلت دے کہ اس کا بیٹا جوان ہو جائے اور معاملات حکومت مستحکم ہو سکیں۔

بادشاہ دعا مانگتے ہوئے اتنا رویا کہ اپنے تخت سے گر گیا۔ اللہ کو اس پر ترس کیا اور پھر اسی نبی کو وحی کی کہ فلاں بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میں نے اس کی عمر میں پندرہ برس کا اضافہ کر دیا ہے۔ جب نبی نے یہ وحی سنی تو عرض کیا:-

خدا یا! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا (اب اگر اسے یہ خبر سناؤں گا تو وہ مجھے جھوٹا سمجھے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

تو عبد مامور ہے تیرا کام صرف ہمارا فرمان پہنچانا ہے۔ تم اس تک میرا پیغام پہنچاؤ۔ اللہ اپنے کام کے لیے کسی کے سامنے جو لہ نہ نہیں ہے۔“

(1) حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے جب ”قَتُولُ عَنْهُمْ“ کی آیت نازل ہوئی تو ہمارے نفوس پر گراں گزری اور جب ”وَذَكِّرْ“ کی آیت نازل ہوئی تو ہمارے دلوں سے گرائی دور ہو گئی۔

پھر آپؐ نے سلیمان سے کہا: سلیمان! کیا تو اس مسئلے میں یہودیوں کا ہم نوا بن چکا ہے؟

اس نے کہا: خدا کی پناہ! یہودی کیا کہتے تھے؟
 آپؐ نے فرمایا: ”یہودیوں کا قول قرآن مجید میں مذکور ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ يَذَلُّهُمُ اللَّهُ مَغْلُوبَةً (المائدہ - ۶۴)

”یہودی کہتے ہیں کہما کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔“

مقصود یہ تھا کہ اللہ تمام معاملات سے فارغ ہو چکا اب کچھ بھی نہیں کر رہا۔
 اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات ناپسند آئی اور فرمایا:-

غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا (المائدہ - ۶۴)

”اصل میں انھیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بنا پر ملعون ہیں۔“

کچھ لوگ میرے والد علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے بداء کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:-

لوگ آخر بداء کا انکار کیوں کرتے ہیں اور انہیں اس میں کیا قباحت نظر آتی ہے؟

آخر کسی قوم کو امید سے بہرہ ور کرنے کے لیے اللہ اپنا سابقہ فیصلہ کیوں نہیں بدل سکتا۔“

سلیمان نے کہا: آپؐ مجھے اِنَّا أَرْزَنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر - ۱) ”ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا“ کے متعلق بتائیں کہ یہ آیت کس چیز کے متعلق نازل ہوئی؟

آپؐ نے فرمایا: ”سلیمان! یاد رکھو لیلۃ القدر میں اللہ پورے سال کے معاملات یعنی موت و حیات خیر و شر اور رزق کا فیصلے کر کے ملائکہ کے ذریعہ سے نفاذ کے

لیے بھیج دیتا ہے۔ اور اس رات جو فیصلے کیے جاتے ہیں۔ اس کا تعلق ”علم مختم“ سے ہوتا ہے۔“

سلیمان نے کہا: اب میں نے سمجھ لیا اور آپ اس کی مزید وضاحت فرمائیں۔
حضرت نے فرمایا: ”سلیمان! کچھ امور ایسے ہیں جو خداوند کے ہاں موقوف ہیں وہ اپنی مشیت و مصلحت کے تحت ان میں تقدم و تاخر کرتا رہتا ہے اور جسے چاہتا ہے مٹا بھی دیتا ہے۔

سلیمان! حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے
علم الہی دو طرح کا ہے۔

1۔ وہ علم جو اللہ نے ملائکہ و رسل کو تعلیم دیا۔

2۔ وہ علم مخزون جس کی اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی۔ اس علم میں سے اپنی مصلحت کے تحت تقدم و تاخر کرتا رہتا ہے اور جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔“

سلیمان نے مامون سے کہا: امیر المؤمنین! آج کے بعد میں انشاء اللہ بداء کی کسی قسم کا کبھی انکار نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی اس کی تکذیب کروں گا۔

کیا ارادہ بھی حی و قیوم کی طرح صفت ہے؟

مامون نے سلیمان سے کہا: تمہیں ابو الحسن سے جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ سکتے ہو۔ لیکن اس کے لیے تم دائرۃ انصاف سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

سلیمان ہر روزی نے کہا: آقا! آپ اس شخص کے متعلق کیا فرمائیں گے جو ارادہ کو حی، سمیع، بصیر اور قدیر کی طرح سے اللہ کا اسم اور صفت قرار دیتا ہو؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تم یہ کہتے ہو کہ چیزیں بنیں اور ابتدائے خلقت سے چیزیں مختلف بنیں اور یہ اس کی مشیت اور ارادہ کی وجہ سے

ایسا ہوا۔ اور اس کے برعکس تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چیزوں کا باہمی اختلاف اس لیے ہوا کہ وہ سمیع و بصیر ہے۔ اور یہ الفاظ بذات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ ارادہ و مشیت، سمیع و بصیر اور تقدیر کی مانند صفت و اسم نہیں ہے۔

سلیمان نے کہا: مگر یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی صاحب ارادہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ بتاؤ ارادہ اس کی عین ذات ہے یا ذات کے علاوہ ہے؟“

اس (سلیمان) نے کہا: ارادہ اس کی ذات کے علاوہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تم اللہ کے ساتھ ایک اور ازلی وجود کا اثبات کرتے ہو اور یہ شرک ہے“

سلیمان نے کہا: نہیں، میں اس کا اثبات نہیں کرتا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا ارادہ ”محدث“ ہے؟“

سلیمان نے کہا: نہیں، ارادہ محدث نہیں ہے۔

اتنے میں مامون نے سلیمان کو آواز دے کر کہا:-

سلیمان! معلوم ہوتا ہے کہ تم ناحق ضد اور مکابہ پر اتر آئے ہو۔ دربار اہل نظر سے بھرا ہوا ہے۔ لہذا تمہیں ناحق ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

پھر مامون نے امام عالی مقام سے کہا:-

ابو الحسن! آپ اس خراسانی متکلم سے گفتگو کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سلیمان! ارادہ حادث ہے۔ کیونکہ یہ سیدھی بھلی سی بات ہے جو چیز ازلی نہ ہو وہ حادث ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس جو چیز حادث نہ ہو وہ ازلی ہوتی ہے۔“

سلیمان نے کہا: میرا موقف یہ ہے کہ اللہ کی دیگر صفات مثلاً سمیع، بصیر، علم

کی طرح سے ارادہ بھی اس کی عین ذات ہے ۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر ”أَرَادَ نَفْسَهُ“ یعنی اس نے اپنی ذات کا ارادہ کیا، کے کہا معنی نہیں گے ۔ کیا اس صورت میں اس کا یہ مفہوم نہیں بنے گا کہ اس نے ارادہ کیا کہ وہ بھی شے ہو ۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ جی، سمیع، بھیر اور قادر ہو ؟“

سلیمان نے کہا: جی ہاں ! اس کا یہی مفہوم ہوگا ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہارے نظریہ کے مطابق یہ لازم آئے گا کہ جب اس نے اپنے لیے سمع کا ارادہ کیا تو سمیع بنا، بھیر کا ارادہ کیا تو بھیر بنا، علم کا ارادہ کیا تو علیم بنا اور قدرت کا ارادہ کیا تو وہ قادر بن۔“

سلیمان نے کہا: جی ہاں ! یہی ہمارا موقف ہے ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا ارادے سے پہلے خدا میں یہ صفات نہیں تھیں ۔ کیا وہ ارادے سے قبل سمیع، بھیر، عالم اور قادر نہ تھا اور اگر بالفرض نہ تھا تو کیا تھا ؟“

یہ سن کر مامون سمیت تمام حاضرین ہنسنے لگے ۔ اور خود حضرت بھی ہنسے پھر آپ نے حاضرین سے فرمایا:-

”دوستو! خراسانی شکلم کے ساتھ رعایت کرو ۔ اور سلیمان سے آپ نے فرمایا:- سلیمان! اگر ایسا ہونا مان لیا جائے تو پھر اللہ کی حالت میں تغیر و تبدل تسلیم کرنا پڑے گا ۔ یعنی پہلے سمیع نہ تھا پھر بنا اور پہلے بھیر نہ تھا پھر بنا، پہلے عالم و قادر نہ تھا پھر بنا ۔ اور اس سے خدا محل حوادث قرار پائے گا۔ جب کہ اللہ محل حوادث نہیں ہے۔“

سلیمان سے کوئی جواب نہ بن پایا ۔

پھر امام علیہ السلام نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:-

”سلیمان ! یہ بتاؤ کہ تم اور تمہارے ہم نظریہ افراد لوگوں کو جو تعلیم دیتے ہو ، اسے خود بھی جانتے ہو یا جانے بوجھے بغیر لوگوں کو اپنے نظریات کی دعوت دیتے ہو ؟“

سلیمان نے کہا: آقا ! ہم سوچ سمجھ کر اپنے نظریات بیان کرتے ہیں ۔
حضرت علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہاری تعلیمات میں تضاد پایا جاتا ہے ۔
 کیونکہ تم کہتے ہو کہ مرید اور ہے ارادہ اور ہے ۔ اور مرید پہلے تھا اور ارادہ بعد میں
 ہوا اور فاعل پہلے تھا اور مفعول بعد میں ہوا ۔

اور دوسری طرف تم اس بات کے مدعی ہو کہ ارادہ اور مرید ایک چیز ہیں
 تو کیا اس طرح سے تمہارے نظریات میں تضاد نہیں پایا جاتا ؟
 اور میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ تمہاری تعلیمات علم و فہم پر ہرگز مبنی نہیں
 ہیں ۔ کیونکہ جب تم ارادے کو سمع و بصر جیسی ہی ایک صفت قرار دیتے ہو ۔ اس سے
 تمہارے نظریات میں دو غلاپن کا اظہار ہوتا ہے ۔
 سلیمان سے کوئی جواب نہ بن سکا ۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سلیمان ! یہ بتاؤ کہ جو کچھ بھی جنت
 و دوزخ میں ہے اسے اللہ جانتا ہے یا نہیں ؟
سلیمان نے کہا: جی ہاں ۔

حضرت نے فرمایا: ”تو جو کچھ اللہ کے علم میں ہے وہی کچھ ہی جنت و
 دوزخ میں ہوگا یا اس کے علاوہ بھی کچھ ہوگا ؟“

سلیمان نے کہا: وہاں صرف وہی کچھ ہوگا جو پہلے سے اللہ کے علم میں ہے ۔
حضرت نے فرمایا: ”فرض کرو جو کچھ اللہ کے علم میں ہے ، اللہ وہ سب
 فراہم کر دیتا ہے ۔ تو اس کے بعد کیا وہ اس میں کچھ کمی پیش کر سکتا ہے ؟“

سلیمان نے کہا: کمی تو نہیں ، البتہ اضافہ کرے گا ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اضافہ اس کے علم کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور اس صورت میں اللہ اہل جنت کے لیے ان نعمات کا اضافہ کرے جو پہلے سے اس کے علم نہیں تھیں۔ اس کے بارے میں تم کیا کہو گے؟“

سلیمان نے کہا: آقا! وہ ایسا صاحب ارادے ہے جس کے ارادہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو پھر اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ اس کا ارادہ بے انتہا ہے اور اس کے اپنے علم میں بھی اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تو پھر اس کی مزید نعمات کے وقوع پذیر ہونے سے قبل وہ ان کا عالم ہی نہیں ہوگا۔ جب کہ اللہ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔“

سلیمان نے کہا: میں نے مزید نعمات کی صورت میں جو یہ کہا ہے کہ وہ اسے نہیں جانتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ارادے کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور اللہ نے جنت و دوزخ کے متعلق بیہنگی کا اعلان کیا ہے۔ اسی لیے ہم ان کے لیے منقطع ہونے کے الفاظ کو ناپسند کرتے ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اصل بات یہ ہے کہ اس کا علم انقطاع کا موجب نہیں ہے۔ کیونکہ اضافہ کا اسے پہلے سے علم ہے۔ اسی لیے وہ خواہ نعت میں اضافہ کرے یا عذاب میں اضافہ کرے، وہ اس کے علم سے ماورا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عذاب میں بھی اضافہ کرے گا اور نعمات میں بھی اضافہ کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:-

كُلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا

يَذُوقُوا الْعَذَابَ - (النساء - ۵۶)

”اہل دوزخ کی جب ایک کھال یک جائے گی تو ہم دوسری بدل دیں گے“

تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔“

اور اہل جنت کے متعلق فرمایا:-

عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُوذٍ - (ہود۔ ۱۰۸)

”یہ خدا کی عطا ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے۔“

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَ لَّا مَمْنُوعَةٍ - (الواقہ۔ ۳۳، ۳۴)

”وہ کثیر تعداد کے میوؤں کے درمیان ہوں گے جن کا سلسلہ نہ ختم ہوگا

اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور اضافہ کو منقطع نہیں کرے گا۔

سلیمان! نعمات جنت کی کیفیت یہ ہے کہ جب اہل جنت کوئی شمر کھائیں

گے تو اس کی جگہ پر دوسرا شمر لگ جائے گا۔“

سلیمان نے کہا: جی ہاں! ایسا ہی ہوگا۔

حضرتؑ نے فرمایا: جب ہر نعمت کا بدل وہ عطا کرتا رہے گا تو انقطاع لازم

نہیں آئے گا۔

سلیمان نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ اللہ اپنی نعمات قطع کر دے گا اور ان میں

اضافہ نہیں کرے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تو جنت کی تمام نعمات ختم ہو جائیں گی اور جنت

میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:-

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ - (ق۔ ۳۵)

”جنت میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے

اور ہمارے ہاں اس سے بھی زیادہ۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُوذٍ - (ہود۔ ۱۰۸)

”یہ خدا کی عطا ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے۔“
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَمَا لَهُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ - (الحجر - ۴۸)

”اور انہیں وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔“
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا - (الہینہ - ۸)

”وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“
اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَ لَّا مَمْنُوعَةٍ - (الواقہ - ۳۲، ۳۳)

”وہ کثیر تعداد کے میوؤں کے درمیان ہوں گے جن کا سلسلہ نہ ختم ہوگا
اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔“

یہ سن کر سلیمان لا جواب ہو گیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ”سلیمان! مجھے یہ بتاؤ کہ ارادہ فعل ہے یا نہیں؟“
سلیمان نے کہا: ارادہ فعل ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ارادہ کو حادث ہونا چاہیے کیونکہ ہر فعل حادث
ہوتا ہے۔“

سلیمان نے کہا: میں اپنے موقف میں تبدیلی کرتا ہوں اور اب یہ کہتا ہوں کہ
ارادہ فعل نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو تم واجب الوجود قدیم کے ساتھ اس کے غیر
کو بھی ازلی مان رہے ہو۔“

سلیمان نے کہا: ارادہ سے مراد ایجاد و انشا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تم ضرار اور اس کے

ہم مکتب افراد کے نظریہ پر اعتراض کیوں کرتے ہو اور انہیں قابل ملامت کیوں ٹھہراتے ہو جب کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان ، بحر و بریں ، انسان ، حیوان ، کتے ، خنزیر اور بندر وغیرہ جو کچھ بھی بنائے ہیں وہ سب اللہ کے ارادے ہیں ۔ اور اللہ کا ارادہ زندہ بھی ہوتا ہے اور مرتا بھی ہے ۔ اور اللہ کا ارادہ کھاتا ہے ، پیتا ہے ، نکاح کرتا ہے ، مقاربت کرتا ہے ۔ ظلم کرتا ہے ، برائیاں سرانجام دیتا ہے اور کفر و شرک بھی کرتا ہے ۔“

جب کہ تمہارا اور ضرار دونوں کا نظریہ تو یکساں ہے ۔ بایں ہمہ پھر تم اسے ملامت کیوں کرتے ہو ؟“

سلیمان نے کہا: ارادہ بھی سمع ، بصر و علم کی طرح سے ایک صفت ہے ۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پھر پہلی بات کر رہے ہو ۔ ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ سمع ، بصر و علم کون سی مصنوعات ہیں ؟

سلیمان نے کہا: نہیں

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سمع ، بصر و علم کی اللہ سے نفی نہیں کی جاسکتی جب کہ لفظ ارادہ کی بعض اوقات اس سے تم بھی نفی کرتے ہو اور یہ کہتے ہو ”اللہ نے اس امر کا ارادہ نہیں کیا“ اور اس کے باوجود بھی تم کہتے ہو کہ ارادہ حادث و مخلوق نہیں ہے ۔“

سلیمان نے کہا: اس طرح سے اللہ کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے جانا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے نہیں جانا ۔

اگر ”مم“ کی نفی و اثبات سے علم حادث نہیں بنا تو آخر ارادہ کی نفی و اثبات سے ارادہ کیسے حادث بن جائے گا ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”مذکورہ دونوں مثالوں میں بڑا واضح فرق ہے ۔“

لہذا ایک کا قیاس دوسری مثال سے نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ”معلوم“ کی نفی سے علم کی نفی لازم نہیں آتی ہے۔ جب کہ ”مراد“ کی نفی سے ارادہ کی نفی لازم آتی ہے۔ جب مراد نہ ہو تو پھر ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ اور علم کی مثال بصر سے دی جاسکتی ہے اگر قابل رویت چیز سامنے نہ ہو تو بصارت کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح سے اگر ”معلوم“ موجود نہ ہو تو علم کی نفی نہیں کی جاسکتی۔“

سلیمان نے کہا: ارادہ مصنوع ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تو وہ حادث ہوا، جب کہ سمع و بصر حادث نہیں ہیں۔“

سلیمان نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ ارادہ اس کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تو انسانوں کو بھی ازلی ماننا پڑے گا کیونکہ ارادہ ازلی میں وہ شامل تھے۔“

خراسانی (سلیمان) نے کہا: نہیں، صرف ارادے سے انسان ازلی نہیں بن سکتا کیونکہ ارادہ فعل میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”خراسانی! تم بہت زیادہ غلطیاں کر رہے ہو۔ کیا اللہ کے ارادہ و قول کی وجہ سے اشیاء منصفہ شہود پر نہیں آتیں؟“

سلیمان نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے کہا: ”جب اس کے ارادے، مشیت اور امر سے چیزیں نہیں بنتیں تو پھر کیسے وجود میں آتی ہیں؟“

سلیمان سے اس بات کا کوئی جواب نہ بن سکا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سلیمان! ذرا قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم تو

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا -

(بنی اسرائیل : ۱۶)

”اور جب ہم کسی قریہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم ان کے ثروت مندوں پر احکام نافذ کر دیتے ہیں اور وہ ان کے متعلق نافرمانی کرتے ہیں۔“

کیا اس کا مضموم یہی ہے کہ وہ ارادے کو پیدا کرتا ہے ؟

سلیمان نے کہا: جی ہاں! یہی مضموم ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ”تمہارے اس اقرار سے یہ پتہ چل گیا کہ ارادہ اس کی تخلیق ہے اگر ارادہ اس کی عین ذات ہوتا تو وہ اپنے آپ کو کیسے پیدا کرتا؟۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔“

سلیمان نے کہا: آقا! میرا مقصود اس یہ تھا کہ وہ کسی فعل کو سرانجام دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ”سلیمان! تجھ پر افسوس ہے اس مسئلے کو کتنی بار دہراؤ گے۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ ارادہ حادث ہے اسی طرح سے فعل بھی حادث ہے۔ اور اس سے تمہارا یہ دعویٰ باطل ہوتا ہے کہ اللہ ازل سے مرید ہے۔“

سلیمان نے کہا: میرا مقصد یہ ہے کہ ارادہ اللہ کا فعل ازل ہی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ازل کبھی بھی مفعول، قدیم و حادث بیک وقت نہیں ہو سکتا۔“

سلیمان سے اس کا کوئی جواب نہ بن پایا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہارا مسئلہ مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

سلیمان نے کہا: میں نے یہ کہا کہ ارادہ محدث ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ اکبر! یہ کیسی بات ہے کہ ارادہ بیک وقت ازل ہی ہے اور حادث بھی ہے۔“

سلیمان سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”ازل سے موجود چیز کبھی مفعول نہیں ہوا کرتی۔“

سلیمان نے کہا: اشیاء ارادہ نہیں اور انہوں نے کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔
امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: سلیمان! تم وسوسہ کا شکار ہو اور ان الفاظ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ خالق لم یزل نے ایک لم یزل چیز کو پیدا کیا اور یہ تو اس کی صفت ہو سکتی ہے جسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس نے کون سا فعل سر انجام دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔“

سلیمان نے کہا: آقا! میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ارادہ بھی سمع، بصر و علم کی طرح سے ہے۔

مامون نے کہا: سلیمان! افسوس تم کتنی باریک بات کو دہراتے رہو گے۔ اس بات کو چھوڑ کر کوئی اور بات کرو۔ کیونکہ اس کے علاوہ تمہارے پاس اپنے مؤلف کی تائید کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”بادشاہ سلامت! آپ اسے کچھ نہ کہیں اگر آپ اسے منع کریں گے تو یہ مشہور کرے گا کہ اسے دلائل پیش نہیں کرنے دیئے گئے تھے۔“

سلیمان! بولتے رہو۔ ہم تمہاری بات سنیں گے۔“

سلیمان نے کہا: میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ صفت ارادہ بھی سمع، بصر و علم کی طرح سے ایک صفت ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”کوئی بات نہیں۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ ارادے کے ایک ہی معنی و مفہوم ہیں یا بہت سے معانی و مفہوم ہیں۔“
سلیمان نے کہا: آقا! ایک ہی معنی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر اچھی طرح سے سوچ کر بتاؤ کہ تمام ارادوں کا مفہوم ایک ہے یا مختلف؟“

سلیمان نے کہا: آقا! تمام ارادوں کا ایک ہی معنی و مفہوم ہے۔
 امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو اس نظریہ کے تحت قیام کا ارادہ قعود کا ارادہ کھائے گا۔ اور موت کا ارادہ حیات کا ارادہ کھائے گا۔ کیونکہ قول تمہارے ارادے کے تو ایک ہی معنی و مفہوم ہیں۔ اور یہ سب ایک چیز کھلائیں گے۔ اور ان میں کوئی فرق و اختلاف نہیں ہوگا۔“ (بھلا اس یک طرفہ منطق کے متعلق تم کیا کہو گے؟)
 سلیمان نے کہا: آقا! اس کے معنی مختلف ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ مرید (صاحب ارادہ) عین ارادہ ہے یا اس کے علاوہ ہے۔“

سلیمان نے کہا: آقا! وہ عین ارادہ ہے۔
 امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس صورت میں تمہیں بہت سے مرید تسلیم کرنے پڑیں گے کیونکہ ارادے بہت سے ہیں۔“
 سلیمان نے کہا: ارادہ، مرید نہیں ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تو اس صورت میں تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ارادہ حادث ہے اور وہ مرید کا فعل ہے اور اگر اس کے باوجود تم اسے قدیم مانو گے تو اس سے تعدد قدماء یعنی بیک وقت کئی قدیم کا نظریہ ماننا پڑے گا۔“ (جب کہ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے)۔

سلیمان نے کہا: اصل میں ارادہ اس کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔
 امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کیا اللہ نے اپنے جو اسماء حسنی بیان کیے ہیں، ان میں یہ نام کنیں موجود ہے۔“
 سلیمان نے کہا: آقا یہ نام موجود نہیں ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ نے جس لفظ کو اپنا نام نہیں بنایا، تمہیں ایسا نام رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟“

سلیمان نے کہا: اللہ نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ وہ صاحب ارادہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ نے تو اپنے صاحب ارادہ ہونے کی خبر دی ہے لیکن یہ تو نہیں فرمایا کہ اس کا نام بھی مرید (صاحب ارادہ) ہے۔“

سلیمان نے کہا: اس کا ارادہ تو اس کا علم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”جابل! جب اللہ کسی چیز کا علم رکھے تو اس کا مفہوم ہو گا کہ اس نے اس کا ارادہ کیا ہے۔“ (کیا تم یہی کہنا چاہتے ہو؟)

سلیمان نے کہا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو جب وہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرے تو پھر تمہارے نظریے کے تحت اللہ اس سے لاعلم ہے۔“

سلیمان نے کہا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہارے اس نظریہ کی بنیاد کیا ہے اور تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس کا ارادہ اس کا علم ہے؟“

کیونکہ خدا اس چیز کو بھی جانتا ہے جس کا ارادہ نہیں رکھتا، اس کے لیے قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرو۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ (بنی اسرائیل-۸۶)

”اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ آپ کو وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے، اٹھالیں۔“

تو آیت کا مطلب یہ بنا کہ اللہ جانتا ہے کہ اپنے پیغمبرؐ سے تعلیمات وحی کو

کیسے اٹھایا جا سکتا ہے، لیکن وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا۔“

سلیمان نے کہا: آقا! بات یہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے مکمل کر چکا ہے، اب کسی نئے فیصلے کا اضافہ نہیں کر سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تمہارا یہ قول، قول یہود سے مطابقت رکھتا ہے، اور اگر بالفرض یہی بات درست ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا۔“

أَدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن۔ ۶۰)

”تم مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔“

سلیمان نے کہا: اس آیت کا مضموم یہ ہے کہ وہ دعا قبول کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا اللہ کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ کبھی وفا نہ ہونے والا وعدہ کر کے ورنہ خلائی کا ارتکاب کرے۔“

علاوہ ازیں رب العزت کا فرمان ہے :-

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ۔ (فاطر۔ ۱)

”وہ تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّثُ وَعِنْدَهُ اُمُّ الْكِتَابِ۔ (الرعد۔ ۳۹)

”وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے ہاں اصل کتاب ہے۔“

اب اگر وہ تمام فیصلے کر کے فارغ ہو چکا ہے تو ان آیات کا کیا مفہوم ہے؟
سلیمان سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ”سلیمان! تمہارے نظریہ کے تحت کیا ایسا ممکن ہے کہ اللہ ایک انسان کے پیدا ہونے کا علم رکھتا ہو لیکن اسے پیدا نہ کرنا چاہتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ فلاں شخص آج مر جائے گا لیکن وہ اسے آج مارنا نہ چاہتا ہو؟“
سلیمان نے کہا: جی ہاں! یہ بات صحیح ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”جب اس کے علم اور ارادے میں فرق ہو تو

اس صورت میں علم والی چیز منصفہ شہود پر آئے گی یا ارادہ والی چیز منصفہ شہود پر آئے گی۔“

سلیمان نے کہا: دونوں چیزیں ظہور پذیر ہوں گی۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تو عجیب صورت حال بن جائے گی، ایک انسان کے متعلق اس کے علم کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ زندہ رہے گا اور ارادہ کا تقاضا یہ ہو کہ وہ مر جائے، تو ایک ہی وقت میں ایک انسان زندہ بھی ہو گا اور مردہ بھی ہو گا، اور یہ بات عقلاً و فعلاً محال ہے۔“

سلیمان نے کہا: آقا! بات یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ علم کا تقاضا پورا ہو گا یا ارادہ کا تقاضا پورا ہو گا، بہر نوح ایک ہی تقاضا پورا ہو گا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”کوئی بات نہیں، اب ذرا یہ بتاؤ کہ ان دو میں سے کونسی چیز ظہور پذیر ہو گی۔“

1۔ جس کا ارادہ رکھتا ہے۔ 2۔ یا جس کا ارادہ نہیں رکھتا؟“

سلیمان نے کہا: وہ چیز ظہور پذیر ہو گی جس کا اس نے ارادہ کیا ہو گا۔ اس کی یہ بات سن کر امام علیہ السلام اور مامون اور دیگر اہل فضل بننے لگے۔

پھر **امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:** ”تو غلطی کر رہا ہے اور تو اپنے سابقہ موقف سے انحراف کر رہا ہے کہ اللہ ایک شخص کے متعلق جانتا ہے کہ وہ آج مر جائے گا لیکن اس کے آج مرنے کو پسند نہیں کرتا، اور وہ ایک چیز پیدا کرتا ہے لیکن اس کے پیدا ہونے کو پسند نہیں کرتا۔“

مذکورہ سابقہ موقف سے اور تمہارے موجودہ جواب سے پتہ چلتا ہے کہ ہوتا وہی ہے جس کا ارادہ وہ کرتا ہے، علم پر عمل نہیں ہوتا تو پھر اسے ایسے علم کی ضرورت ہی کیا ہے جو اس کے ارادے کے بغیر کچھ بھی حیثیت نہ رکھتا ہو؟“

سلیمان نے کہا: میرا موقف یہ ہے کہ ارادہ نہ تو خدا ہے اور نہ خدا کے علاوہ ہے۔
 امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”جاہل! تمہارا یہ دعویٰ خود ایک
 دوسرے کے متضاد ہے کیونکہ جب تم یہ کہتے ہو۔
 ”ارادہ خدا نہیں ہے“

تو تم یہ ثابت کرتے ہو کہ وہ خدا کے علاوہ کچھ اور ہے، اور جب تم یہ
 کہتے ہو۔

”وہ اس کے علاوہ بھی نہیں“

تو تم اسے اللہ قرار دیتے ہو۔

سلیمان نے کہا: کیا وہ جانتا ہے کہ چیز کو کیسے بنایا جائے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”جی ہاں! وہ جانتا ہے۔“

اس نے کہا: یہی چیز تو کسی چیز کے اثبات ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو نے امر محال کا دعویٰ کیا، کیونکہ کائنات
 میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اچھا معمار ہوتا ہے اگرچہ وہ تعمیر نہ بھی کر رہا ہو
 اور ایک شخص اچھا درزی ہوتا ہے اگرچہ وہ کپڑا نہ بھی سی رہا ہو، تو کیا کسی کے معمار
 ہونے کی وجہ سے عمارت وجود میں آجائے گی اور کسی کے درزی ہونے کی وجہ سے
 کپڑا سل جائے گا؟“

پھر آپ نے مزید فرمایا: ”سلیمان! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ واحد ہے؟“

اس نے کہا: جی ہاں! میں جانتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کیا تمہارے علم کی وجہ سے اللہ واحد بن
 گیا، یعنی کیا اس کے واحد ہونے کا سبب تمہارا علم ہے؟“

سلیمان نے کہا: اللہ کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ وہ واحد ہے اور اس کے
 ساتھ کوئی چیز نہیں ہے۔

امام السلام نے فرمایا: ”کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ اللہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے؟“

سلیمان نے کہا: جی ہاں! مجھے علم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”(واہ! کیا کہنا) پھر تو تمہارا علم اللہ کے علم سے زیادہ ہوا اور تم اللہ سے بڑے عالم ٹھہرے۔“

سلیمان نے زچہ ہو کر کہا: مسئلہ محال ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ہرگز نہیں، یہ تمہارے لیے تو محال ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لیے نہیں کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ واحد ہے، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع، بصیر، حکیم و قادر ہے۔“

سلیمان نے کہا: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ”زرا سوچو! اگر وہ اپنے سمیع، بصیر، حی و قیوم ہونے کو جانتا نہ تھا تو اس نے اس کی خبر کیسے دی؟“

اور یہ تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو شخص فن تعمیر سے آگاہ نہ ہو تو وہ مکان تعمیر کرنے کا دعویٰ کر دے گا، اگر بالفرض کوئی ایسا دعویٰ بھی کرے تو وہ سرگردان ہو جائے گا اور اللہ اس سے بلند و بالا ہے۔“

سلیمان نے کہا: ارادہ دراصل قدرت ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری یہ بات غلط ہے، کیونکہ وہ اس چیز پر بھی قدرت رکھتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ (بنی اسرائیل ۸۶)

”اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ آپؑ کو وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے، اٹھا لیں۔“

تو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ وحی کو لے جانے کی قدرت رکھتا ہے، لیکن وہ اس کا ارادہ ہرگز نہیں رکھتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ قدرت اور ہے اور ارادہ اور ہے۔

سلیمان الاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

اس وقت مامون نے کہا: سلیمان! یہ بنی ہاشم کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

پھر دربار برخواست ہو گیا اور محفل منتشر ہو گئی۔

مصنف کتاب کہتے ہیں :-

اصل بات یہ تھی کہ مامون الرشید امام علیہ السلام سے حسد کرتا تھا، اسی لیے اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے امام کو لوگوں کی نظر میں گرا دے، چنانچہ اسی خواہش کی وجہ سے وہ دور دراز ملاقوں کے متقہمین کو بلا کر امام علیہ السلام سے مباحثہ کراتا تھا، مگر اللہ کی نصرت ہمیشہ امام علیہ السلام کے ہمراہ رہی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (سورہ ہود: ۱۰۵)

”یقیناً ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیاوی زندگی میں مدد کریں گے۔“

اور اللہ تعالیٰ کی یہ مدد ائمہ بدنی علیہم السلام کے پیروکاروں کو ہمیشہ نصیب رہی ہے اور روز قیامت تک حاصل ہوتی رہے گی۔

علی جہم سے عصمتِ انبیاء پر آپ کا مباحثہ (۱)

۱۔ (حذف اسناد) ابو صلت ہروی کا بیان ہے :-

مامون الرشید نے دربار میں مختلف مذاہب و ادیان کے علماء کو جمع کیا اور امام علی رضا علیہ السلام نے سب کو لا جواب کر دیا تو اس وقت علی بن محمد بن جہم کھڑا ہوا اور کہا :-

فرزند رسول! کیا آپ عصمتِ انبیاء کے قائل ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

جی ہاں ! میں انبیاء کو معصوم مانتا ہوں ۔

علی بن محمد بن جہم نے کہا :-

تو آپ قرآن مجید کی ان آیات کے متعلق کیا کہیں گے ؟

1۔ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ (طہ-۱۲۱)

”اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راحت کے راستے سے بے راہ ہو گئے۔“

2۔ وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ۔

(الانبیاء-۸)

”اور مچھلی والا (جناب یونسؑ) جب ناراض ہو کر چل دیئے اور انہوں نے گمان کیا کہ ہم اس (قوم) پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے۔“

اس باب میں ایک حدیث ہے ، علامے شیعہ و علمائے عامہ میں یہ موضوع ہر دور میں قابل بحث رہا ہے ، علامہ علی نقی

کتاب الحج الحق میں لکھتے ہیں :-
”مذہبوں میں کمال اتفاق ہے کہ نبیاء تمام صلیفہ و کتبہ و گناہوں سے معصوم ہیں اور نبوت سے پہلے اور بعد کے دونوں ادوار میں وہ عباد
سچا ہر طرح کی معصیت سے پاک ہیں ، دو بار صحت کی ازلیں مفت اور نقص سے پاک ہوتے ہیں۔“
سید مرتضیٰ علم الہدی نے اس موضوع پر مشتمل کتاب تنزیہ الانبیاء تألیف فرمائی ، مزید تحقیق کے لئے مذکور کتاب کا مطالعہ اس ضروری ہے۔

3۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا (یوسف-۲۵)

”اور اس (زلیخا) نے ان سے برائی کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی ارادہ کر بیٹھے۔“ (اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے)

4۔ ظَنَّ دَاوُدُ اَنْمَا فُتِنَاهُ۔ (ص-۲۳)

”داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے۔“

5۔ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ۔ (احزاب-۳۷)

”اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔“

امام علیہ السلام کا جواب

آپ نے فرمایا :-

”علی! تجھ پر صد افسوس! خدا سے ڈرو اور انبیائے کرام کی طرف فحش کلامی مت کرو اور اللہ کی کتاب کی تفسیر اپنی رائے سے بیان نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات متشابہات کے متعلق فرمایا :-

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (آل عمران-۷)

”ان آیات کی تاویل کو اللہ جانتا ہے اور وہ جانتے ہیں جو علم میں پختہ ہیں۔“

اب اپنے سوالات کے ترتیب وار جواب سنو

1۔ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى۔ (طہ-۱۲۱)

”اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راحت کے راستے سے بے راہ ہو گئے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر اپنی حجت اور خلیفہ بنایا تھا، ان کی تخلیق زمین کے لیے ہوئی تھی، انہیں جنت کے لیے نہیں بنایا گیا تھا اور آدمؑ سے جو لغزش ہوئی وہ جنت میں ہوئی، البتہ زمین پر ان سے مذکورہ لغزش صادر ہوتی

تو ان کی عصمت پر اعتراض ہو سکتا تھا، ان کی عصمت زمین کے لیے ضروری تھی تاکہ وہ امر خدا کے مقررات کی تکمیل کر سکیں، اور جب آدمؑ زمین پر اترے تو اللہ نے ان کی عصمت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ
عَلَىٰ الْعَالَمِينَ - (آل عمران - ۳۳)

”ب شک اللہ نے آدمؑ، نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو اس عالمین پر منتخب کر لیا ہے۔“

2- وَ ذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ -

(انبیاء - ۸۷)

اس آیت میں لفظ ”ظن“ یقین کے معنی میں ہے اور مفہوم آیت یہ ہے کہ مچھلی والا جب ناراض ہو کر چل دیا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ہم اس پر رزق تنگ نہیں کریں گے۔

عربی زبان میں لفظ ”قَدَر“ تنگ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

وَ أَمَّا إِذَا مَا ابْنُهَا فَقَدَرُوا عَلَيْهِ رِزْقَهُ - (النجر - ۱۶)

”اور جب اللہ انسان کی آزمائش کرتے ہوئے اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔“
اور اگر خدا نخواستہ یونسؑ یہ گمان کرتے کہ اللہ کو اس پر قدرت حاصل نہیں ہو گی، تو یقیناً وہ کافر ہو جاتا۔

3- وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا - (یوسف - ۲۳)

”اور اس (زلیخا) نے ان سے برائی کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی ارادہ کر بیٹھے۔“ (اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے)

(۱) یہاں ”عالمین“ سے مراد اس دور کے افراد ہیں نہ کہ ہر زمانے کے لوگ

زلیخا و یوسف دونوں کے ارادے مختلف تھے ، زلیخا نے یوسف سے جنسی تسکین کا ارادہ کیا تھا اور یوسف نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر اس نے معصیت پر زیادہ مجبور کیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔

اور اللہ نے یوسف سے قتل کی برائی اور زنا کو دور رکھا ، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ (یوسف-۲۴)

”اس طرح ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور کرنا چاہتے تھے۔“

چنانچہ برائی سے مراد قتل اور فاحشہ سے مراد زنا ہے۔

4۔ علی بن محمد بن جهم ! یہ بتاؤ کہ داستان گو حضرت داؤد کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

اس نے کہا :-

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن داؤد علیہ السلام محرابِ عبادت میں بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے ، اتنے میں ابلیس ایک خوبصورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوا ، داؤد علیہ السلام اس کو پکڑنے کے لیے دوڑے ، پرندہ چھت پر چلا گیا ، داؤد چھت پر گئے ، اور پھر وہ پرندہ ”اوریا“ کے گھر میں جا گرا۔

داؤد پرندے کو حاصل کرنے کے لیے اوریا بن حنان کے گھر میں چلے گئے ، جب آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اوریا کی زوجہ غسل کر رہی تھی ، جب داؤد نے اس کے جسم کے خدوخال اور اس کے بھر پور شباب کو دیکھا تو اس پر عاشق ہو گئے۔

اس وقت اوریا کسی جنگ کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے۔

داؤد علیہ السلام نے سالار لشکر کو لکھا کہ اوریا کو تابت سکینہ کے آگے ہراول دستہ میں رکھو۔

سالار نے حکم کی تعمیل کی، مگر داؤد کا مقصد پھر بھی حل نہ ہوا، اوریا نے لشکرِ مشرکین کو شکست فاش دی، یہ بات داؤد کو گراں گزری کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اوریا سے جان چھوٹ جائے۔

داؤد نے سالارِ لشکر کو پھر خط لکھا کہ اوریا کو ہراول دستہ میں رکھو۔ سالار نے حکم کی تعمیل کی اور اوریا کو پھر ہراول دستہ میں رکھا، اوریا جنگ کرتے ہوئے قتل ہو گئے اور داؤد نے اس کی زوجہ سے نکاح کر لیا، جب کہ داؤد کے پاس ننانوے بیویاں پہلے سے موجود تھیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے داؤد کو ان کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے دو فرشتوں کو بھیجا اور ان میں سے ایک فرشتہ نے ان سے کہا:-

آپ میرے اور میرے بھائی کے درمیان فیصلہ کریں، اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں جب کہ میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے، اب یہ شخص مجھ سے وہ ایک بھیڑ بھی لینا چاہتا ہے۔

داؤد نے کہا:-

یقیناً یہ ظلم کر رہا ہے کیونکہ تم اس کی ننانوے بھیڑوں کو برداشت کر گئے اور یہ تمہاری ایک بھیڑ بھی برداشت نہیں کر پایا۔

اس کے بعد فرشتے تو چلے گئے، پھر داؤد کو معلوم ہوا کہ یہ تمثیل دراصل ان کے کردار کی عکاسی تھی، چنانچہ انہوں نے توبہ (استغفار) کی، پھر اللہ نے اس کے گناہ کو معاف کر دیا۔

یہ داستان سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے ازروئے تاسف اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا اور فرمایا:-

”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (البقرہ-۱۵۶)

داستان گو افراد نے تین قسم کی غلطیاں کی ہیں۔

- 1- اللہ کے ایک نبی کے ذوق عبادت کو اتنا کمتر بنا کر پیش کیا گیا کہ وہ نماز چھوڑ کر ایک پرندے کے پیچھے بھاگنے لگے !
 - 2- وہ ایک شوہر دار عورت پر فریفتہ ہو گئے !
 - 3- اسے حاصل کرنے کے لیے دانستہ طور پر وہ اقدام کیا جس کی وجہ سے اس کے شوہر کو قتل ہونا پڑا !
- علی بن محمد بن جہم نے کہا :-

فرزند رسول ! یہ درست ہے کہ اوریا کی زوجہ کا قصہ قرآن مجید میں نہیں ہے ، لیکن دو فرشتوں کے آنے کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور اس کے ساتھ داؤدؑ کی توبہ (استغفار) کا ذکر بھی موجود ہے ، اگر مذکورہ واقعہ داستان سازوں کی تخلیق ہے تو پھر یہ بتائیں کہ داؤدؑ کی وہ کون سی غلطی تھی جس کے لیے اسے توبہ (استغفار) کرنا پڑی ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”بات صرف اتنی ہے کہ داؤدؑ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس وقت ان سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے اور وہی اعلم دوران ہیں ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت فیصلہ کو آزمانے کے لیے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کے پاس بھیجا ، جنہوں نے مذکورہ سوال کیا اور حضرت داؤدؑ نے فی الفور اپنا فیصلہ صادر کر دیا ، جب وہ فیصلہ صادر کر بیٹھے تو بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہ فیصلہ انہوں نے یک طرفہ طور پر صادر کیا ہے ، کیونکہ انہوں نے فریق ثانی کا موقف ہی نہیں سنا تھا اور اس کا موقف سننے بغیر یوں جلد بازی میں انہیں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔

چنانچہ وہ اپنی اس غلطی پر بہت پچھتائے کہ آخر ان سے یہ غلطی کس طرح سے سرزد ہوئی ، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

اصل واقعہ تو صرف اتنا ہی ہے۔“

علی بن محمد بن جہم نے کہا:-

فرزند رسول! یہ بتائیں کہ اوریا کی زوجہ کے قصے میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”واقعہ یہ ہے کہ داؤدؑ کے زمانے میں جو عورت شوہر کی طبعی موت یا قتل ہونے کی وجہ سے بیوہ ہوتی تو وہ عقد ثانی نہیں کرتی تھی، حضرت داؤد علیہ السلام اس غلط رسم کو توڑنا چاہتے تھے، اتفاق سے ان کی فوج کا افسر اوریا ایک فوجی مہم میں مارا گیا، تو اس کی زوجہ کی عدت کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس سے نکاح کیا تھا، اور اس نکاح سے انہوں نے سابقہ رسم بد کو ختم کیا، مگر عوام الناس کو حضرت داؤدؑ کا یہ فعل پسند نہ آیا اور انہوں نے داستانیں بنا ڈالیں۔

۵۔ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (الاحزاب- ۳۷)

”اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے جب کہ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے تھا۔“
”بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی دنیا اور آخرت کی ازواج کے نام بتائے اور فرمایا:-

تمہاری ازواج مومنین کے لیے بمنزلہ مائیں ہیں، ان ناموں میں زینب بنت جحش کا نام بھی موجود تھا اور وہ اس وقت زید بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام اپنے دل میں چھپائے رکھا اور کسی پر اس کا اظہار نہ ہونے دیا تاکہ منافقین یہ نہ کہیں:-

محمدؐ ایک شادی شدہ عورت کو اپنی زوجہ بتاتے ہیں۔

اور یاد رکھیں! اس کائنات میں صرف تین نکاح ایسے ہیں جنہیں اللہ

نے براہ راست اپنی طرف سے قرار دیا ہے۔

1۔ آدم و حوا کا نکاح جیسا کہ اللہ نے فرمایا :-

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ - (البقرہ- ۳۵)

”آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔“

2۔ آنحضرتؐ و زینبؓ کا نکاح جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے :-

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَا كَهَا - (احزاب - ۳۷)

”جب زیدؓ نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی زینبؓ بنت

جحش (۱) کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس کا عقد آپؐ سے کر دیا۔“

3۔ علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا علیہما السلام کا نکاح۔

حضرتؑ کی یہ تقریر سن کر علی بن محمد بن جہم رونے لگے اور کہا :-

فرزند رسول! میں خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں پھر کبھی انبیاءؑ کی شان

میں گستاخی نہیں کروں گا۔

(۱)۔ زیدؓ اور زینبؓ کے رشتے میں چند مسائل قابل توجہ ہیں ۔

1۔ زیدؓ ایک غلام تھے اور زینبؓ ایک سیدائی تھیں اور ساج ایسے رشتے کو برداشت کرنے والا نہیں تھا ۔

2۔ زیدؓ طبقاتی طور پر پست تھے اور زینبؓ بلند اور یہ بات بھی قابل برداشت نہ تھی

3۔ زیدؓ رسول اکرمؐ کے فرزند کے چاہتے تھے اور بچے کی زوجہ سے عقد کرنا کسی ساج میں قابل قبول نہیں ہے ۔

4۔ زیدؓ نے جنسی تعلقات کے بعد طلاق دی تھی اور ایسی عورت نام انسانوں کے لیے ناقابل قبول ہو جاتی ہے ۔ چہ جائیکہ کائنات کے بلند ترین انسان پیغمبر خداؐ کے لیے ۔

5۔ زیدؓ کا طلاق دینا رسول اکرمؐ نے اپنے باعث بد نامی تھا کہ ایسا غلط رشتہ کر دینے کا باعث طلاق کی نوبت آگئی ۔

6۔ اس طلاق میں یہ بدنامی بھی تھی کہ اپنے عقد کے لیے طلاق دنا وہی ہے اگر یہ کوئی مسئلہ شہوت ہوتا تو خدا اسی وقت بے نقاب

کر دیتا یا بعد میں یہ اعلان ہو جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد کر لیا۔ جب کہ آیت میں **زَوَّجْنَا كَهَا** ”ہم نے اس (زینبؓ) کا عقد آپؐ

سے کر دیا“ جس کے معنی یہ ہیں کہ سارا کام حکم خدا سے ہونا میں جنسی خواہشات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ رب کریمؐ نے ایک ایک لفظ سے ہر

اعترض کا جواب دیا ہے اور واضح کر دیا کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے جاہلیت کے کسی فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور حکم خدا کے خلاف جو قانون بھی

تایا جاتا ہے وہ جاہلیت کا قانون ہوتا ہے۔

مامون الرشید سے عہمتِ انبیاء پر آپ کا

دوسرا مباحثہ

۱۔ تمیم بن عبد اللہ بن تمیم القرشی رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا اور انہوں نے اپنے والد سے ، انہوں نے حمدان بن سلیمان نیشاپوری سے ، انہوں نے علی بن محمد بن جہم سے روایت کی ، اس نے کہا :-

میں مامون الرشید کے پاس گیا اور اس وقت دربار میں علی رضا علیہ السلام بھی موجود تھے ، مامون نے ان سے کہا :-

فرزند رسول ! کیا آپ انبیاء کو معصوم مانتے ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”جی ہاں ! میں انہیں معصوم مانتا ہوں“

مامون نے کہا :-

پھر آپ اس آیت کے متعلق کیا فرمائیں گے ؟

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ (طہ-۱۲۱)

”اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راحت کے راستے سے بے راہ ہو گئے۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ و حواؑ کو جنت میں رہائش دی تھی تو ان سے فرمایا تھا :-

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ (البقرہ-۳۵)

”تم دونوں جنت کے پھلوں کو جہاں سے تم چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور

اس درخت کے قریب مت جانا۔

اور گندم کی طرف اشارہ کر کے انہیں یہ کہا گیا تھا اور اس کے ساتھ ان دونوں کو تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ اس درخت کے قریب گئے تو۔

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ۔ (البقرہ ۳۵)

”تم دونوں ظالم قرار پاؤ گے۔“

اس مقام پر یہ نکتہ خصوصی توجہ کا طالب ہے کہ اللہ نے انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم مذکورہ درخت کے ہم جنس درخت کے قریب نہ جانا۔ اور واقعہ یہ ہوا کہ آدم و حوا اس اشارہ شدہ درخت کے پاس نہیں گئے تھے اور نہ ہی انہوں نے اس پودے کا پھل کھایا تھا۔

البتہ انہوں نے اس کی جنس کے دیگر پودے کا پھل کھایا تھا اور اس میں بھی ان کا ارادہ معصیت و نافرمانی کا ہرگز نہ تھا، کیونکہ ابلیس ان دونوں کے پاس گیا اور ان سے کہا تھا کہ تم دونوں اس کے کھانے سے یا فرشتے بن جاؤ گے یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے گی۔

وَقَا سَمَهُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَمِیْنٌ النَّاصِحِیْنِ۔ (الاعراف-۲۱)

”اور ان دونوں کے سامنے اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔“

حضرت آدم و حوا سلسلہ انسانیت کے پہلے افراد تھے اور انہوں نے کبھی کسی کو جھوٹی قسم کھاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا، لہذا اس کا نتیجہ یہ نکلا۔

فَدَلَّہُمَا بِغُرُورٍ۔ (الاعراف-۲۲)

”وہ دھوکا کھا گئے۔“

اور قسم پروردگار پر اعتماد کر لیا اور وہ درخت کے پاس چلے گئے۔
بائیں ہمہ ان کا یہ عمل گناہ کبیرہ نہ تھا کہ جس کی پاداش میں وہ جہنم کے

مستحق بنتے ، البتہ ان کا اقدام ایک گناہ صغیرہ کی حیثیت رکھتا ہے جو قبل وحی انبیاء سے سرزد بھی ہو تو قابل بخشش ہوتا ہے ، اور پھر جب اللہ نے ان کا انتخاب کیا اور انہیں نبی بنایا تو وہ ہر لحاظ سے معصوم قرار پائے ، اور ان سے پھر کسی طرح کا صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ

(ط۔ ۱۲۱-۱۲۲)

”اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راحت کے راستے سے بے راہ ہو گئے ، اس کے بعد ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا ، پھر ان کی توبہ قبول کی اور ان کی ہدایت فرمائی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ - (آل عمران - ۳۳)

”بے شک اللہ نے آدمؑ ، نوحؑ ، آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو عالمین (۱) پر منتخب کر لیا ہے۔“

پھر مامون نے کہا :-

فرزند رسولؐ! بھلا آپ اس آیت کے متعلق کیا فرمائیں گے۔

فَلَمَّا آتَا هُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَا هُمَا - (الاعراف - ۱۹۰)

”پس جب اللہ نے انہیں صالح فرزند عطا کر دیا ، تو انہوں نے اللہ کی عطا کردہ چیز میں شریک بنا لیے۔“

امام علی رضاعلیہ السلام نے فرمایا :-

”بات یہ ہے کہ آدمؑ وحواءؑ سے پانچ سو بچے ہوئے ، جن میں لڑکے اور لڑکیاں

(۱)۔ یہاں ”عالمین“ سے مراد اس دور کے افراد ہیں نہ کہ ہر زمانے کے لوگ ۔

تھیں ، آدم و حوا ہر حمل کے وقت اللہ کے حضور منت مانتے تھے۔

لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَّنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّكْرِ بَرًّا - (الاعراف ۱۸۹)

”خدا یا اگر تو نے ہمیں صالح اولاد عطا کی تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صالح اولاد عطا کی اور جب ان کے بچوں کے بچے ہوئے تو انہوں نے آدم و حوا کی طرح سے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا اور خدا کا شریک ٹھہرانے لگے ، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا ۔

فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ - (الاعراف ۱۹۰)

”جو وہ شرک کرتے ہیں ، اللہ اس سے بلند و بالا ہے۔“

لفظ ”يُشْرِكُونَ“ صیغہ جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم و حوا نے اللہ کی عطا میں کسی کو شریک نہیں کیا تھا بلکہ شریک ٹھہرانے والی جماعت ان کے علاوہ تھی اور وہ ان کی اولاد و اولاد تھی۔

مامون نے کہا :-

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ فرزند رسولؐ ہیں ، اور علاوہ ازیں آپ ابراہیم علیہ السلام کے اولاد آیت مجیدہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي - (الانعام ۷۶ تا ۸۳)

”جب رات چھائی ، انہوں نے ستارے کو دیکھا اور کہا ، کیا یہ میرا رب ہے؟“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”ابراہیم علیہ السلام کے دور میں مظاہر فطرت کے پجاریوں کے تین گروہ تھے ، ایک گروہ زہرہ (ستارہ) دوسرا گروہ قمر (چاند) اور تیسرا گروہ شمس (سورج) کی پوجا کرتا تھا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تہ خانہ سے باہر آئے تو انہوں نے بطور حجت جب ستارہ کو طلوع کرتے ہوئے دیکھا تو انکار و استخبار کے طور پر فرمایا :-

هَذَا رَبِّي - (انعام-۷۶)

”کیا یہ میرا رب ہے؟“

جب ستارہ غروب ہوا تو انہوں نے فرمایا :-

لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ - (انعام-۷۶)

”میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“

کیونکہ غروب ہونا حادث ہونے کی دلیل ہے اور قدیم ہونے کی نفی ہے۔

اسی طرح سے جب انہوں نے چاند کو ابھرتے ہوئے دیکھا تو بطور انکار فرمایا :-

هَذَا رَبِّي - (انعام-۷۷)

”پھر کیا یہ رب ہوگا؟“

جب چاند ڈوب گیا تو فرمایا :-

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ - (انعام-۷۷)

”اگر میرے خدا نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں

سے ہو جاتا۔“

صبح ہوئی تو انہوں نے سورج کو طلوع کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے بطور

انکار فرمایا :-

هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ - (انعام-۷۸)

”پھر کیا یہ خدا ہوگا کہ یہ زیادہ بڑا ہے؟“

اور جب سورج ڈوب گیا تو انہوں نے مظاہر فطرت کے تینوں قسم کے

پجاریوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ

فَطَرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ - (انعام-۷۸، ۷۹)

”اے میری قوم! جو تم شرک کرتے ہو، میں اس سے بے زار ہوں،

بلاشبہ میں نے تمام جہان سے منقطع ہو کر اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہر فطرت کے پجاریوں کے سامنے دلیل و برہان سے ان کے نظریات کی تردید کر کے واضح فرمایا کہ صرف زہرہ (ستارہ) قمر (چاند) اور شمس (سورج) ہی عبادت کے لیے ناقابل قبول ہیں بلکہ ایسے تمام اجسام و اجرام فلکی جن میں انہی کی طرح سے طلوع و غروب کے اوصاف پائے جاتے ہوں، عبادت کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔

عبادت کے لائق صرف وہ ذات حق ہے جس نے ان اجرام کو پیدا کیا اور اسی نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔

حضرت ابراہیم کی یہ دلیل الہام خداوندی اور تعلیم ربانی کے تحت تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

تِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ - (انعام-۸۳)

”ابراہیم کو قوم کے مقابلے میں یہ دلیل ہم نے عطا کی تھی۔“

مامون نے کہا:-

فرزند رسول! خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور آپ مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کے متعلق مطمئن فرمائیں:-

ابراہیم نے بارگاہ احدیت میں التجا کی

رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُخَيِّ الْمَوْتَى قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ
وَلَكِنْ لَّيَطْمِئِنَّ قُلُوبِي --- (البقرہ - ۲۶۰)

”پروردگار! مجھے دکھا تو کس طرح سے مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا ایمان تو ہے! لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی کہ میں اپنے ایک بندے کو اپنا خلیل بنا رہا ہوں ، اگر اس نے مجھ سے مردے زندہ کرنے کا بھی سوال کیا تو بھی میں اس کے لیے مردے زندہ کر دوں گا ۔

ابراہیم علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ مذکورہ خلیل ہونے کا شرف شاید مجھے ہی حاصل ہو ، لیکن جب تک مردے زندہ نہ ہوں ، انہیں اپنے اس شرف کے حامل ہونے کا اطمینان نہیں ہو سکتا تھا ، اسی لیے انہوں نے اللہ سے درخواست کی کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ مردے کیسے زندہ کرتا ہے ؟ تاکہ میرا دل اس خلت پر مطمئن ہو جائے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرہ - ۲۶۰)

”تم چار پرندے پکڑ لو اور انہیں اپنے سے مانوس کر لو پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو ، اس کے بعد انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے ، اور جان لو کہ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔“

ابراہیم حلیہ السلام نے گدھ ، بط ، مور اور مرغ کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے کیے اور سب ٹکڑوں کو ملایا ، اس گوشت کے دس حصے کر کے پہاڑوں پہ رکھ دیئے اور چاروں کی چونچیں اپنے پاس رکھیں اور اپنے پاس پانی اور دانہ رکھا ، اس کے بعد چاروں کو پکارا تو ان کا ریزہ ریزہ اپنی جگہ سے اڑ کر ان کی اپنی چونچ سے جا ملے اور وہ سب اپنی اصلی حالت پر آ گئے ، پھر ان پرندوں نے پانی پیا اور دانے چکے

اور کہنے لگے :-

”اللہ کے نبی ! آپ نے ہم کو زندہ کیا ، خدا آپ کو زندہ رکھے۔“

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :-

”بے شک اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“
 مامون نے کہا :-

ابوالحسن ! خدا آپ کو برکت دے ، مجھے موسیٰ علیہ السلام اور اس آیت کے متعلق مطمئن فرمائیں :-

فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ -

(القصص - آیت ۱۵)

”موسیٰ نے اسے ایک گھونسا مار کر اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا اور کہا کہ یہ یقیناً شیطان کے عمل سے تھا۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

اس واقعہ کو ابتدا سے دیکھتے ہیں -

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ - (القصص - آیت ۱۵)

”اور موسیٰ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب لوگ غفلت میں تھے (اور وہ مغرب و عشا کے درمیان کا وقت تھا) انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ، ایک ان کے شیعوں میں سے تھا اور ایک دشمنوں میں سے ، تو جو ان کے شیعوں میں سے تھا اس نے دشمن کے ظلم کی فریاد کی ، موسیٰ علیہ السلام نے (اپنے شیعہ کے حق میں فیصلہ کیا اور حکم خدا سے) دشمن کو گھونسا رسید کیا جس سے وہ مر گیا اور

انہوں نے کہا یہ یقیناً شیطان کے عمل سے تھا۔“

(مقصد یہ ہے کہ جو لڑائی دو افراد میں جاری تھی ، وہ عمل شیطان تھی نہ کہ موسیٰ کا عمل۔)

اور اس کے ساتھ انہوں نے فرمایا :-

إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ (القصص-۱۵)

یقیناً شیطان دشمن اور کھلا گمراہ کرنے والا ہے ۔
مامون نے کہا :-

فرزند رسول ! اگر یہی مفہوم ہے تو پھر موسیٰ کے اس قول کا مفہوم کیا

ہوگا ؟

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي۔ (القصص-۱۶)

”موسیٰ نے کہا ، پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے ، لہذا مجھے معاف

کر دے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

ظلم کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو غیر موزوں مقام پر رکھا جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ میں نے اس وقت اس علاقے میں آکر اپنے آپ کو منیبت میں پھنسا یا ۔

اور ”غَفَرُ“ کے معنی چھپانے کے ہیں ، اسی لیے انہوں نے عرض کی ”فَاغْفِرْ لِي“ یعنی خدایا ! مجھے اپنے ان دشمنوں سے چھپالے تاکہ وہ مجھے گرفتار کر کے قتل نہ کر دیں۔

فَغَفِرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ (القصص-۱۶)

”اللہ نے انہیں چھپادیا ، یقیناً وہ چھپانے والا اور مہربان ہے۔“

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُخَلِّمِينَ ۔

”موسیٰ نے کہا ! پروردگار تو نے مجھ پر نعمت کی ہے ، لہذا میں کبھی مجرموں کا ساتھی نہیں بنوں گا۔“ (القصص۔ ۱۷)

اس کی بجائے تیری راہ میں جہاد کروں گا۔

فَاصْبَحْ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اَسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ (القصص۔ ۱۸)

”پھر صبح کے وقت موسیٰ شر میں داخل ہوئے تو خوف زدہ اور حالات کی نگرانی کرتے ہوئے کہہ اچاند دیکھا کہ جس نے کل مدد کے لیے پکارا تھا وہ پھر فریاد کر رہا ہے موسیٰ نے کہا یقیناً تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔“

فَلَمَّا اَنْ اَرَادَ اَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَمُوسَى اَتُرِيدُ اَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ اِنْ تُرِيدُ اِلَّا اَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ اَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ (القصص۔ ۱۹)

”پھر جب موسیٰ نے چاہا کہ اس پر حملہ آور ہوں جو دونوں کا دشمن ہے تو اس نے کہا موسیٰ ! تم مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے ، تم صرف روئے زمین پر سرکش حاکم بن کر رہنا چاہتے ہو اور یہ نہیں چاہتے کہ تمہارا شمار اصلاح کرنے والوں میں ہو۔“

مامون نے کہا:-

اللہ آپ کو انبیاء کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ، لیکن اسی سلسلے کی اس آیت کے متعلق میری تشریح فرمائیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اس قتل کے متعلق خود کہا تھا۔

فَعَلْتُهَا إِذَا وَاَنَا مِنَ الظَّالِمِينَ (الشعراء۔ ۲۰)

”میں نے وہ قتل اس وقت کیا تھا جب میں بھڑکا ہوا تھا۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

اس جواب سے پہلے فرعون نے انہیں کہا تھا۔

وَفَعَلْتَ فَعَلْتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ (الشعراء - ۱۹)

”اور تم نے وہ کام کیا ہے جو تم کر گئے ہو اور تم شکریہ ادا کرنے والوں

میں سے نہیں ہو۔“

تو اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ جملہ کہا تھا، یعنی میں

اس وقت تمہارے ایک شر میں بھٹتا پھر رہا تھا۔

فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي

مِنَ الْمُرْسَلِينَ - (الشعراء - ۲۱)

”پھر میں نے تم لوگوں کے خوف سے گریز اختیار کیا تو میرے رب

نے مجھے نبوت عطا کی اور مجھے اپنے نمائندوں میں سے قرار دیا۔“

اسی طرح سے اللہ نے اپنے حبیب کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا:-

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى - (الضحیٰ - ۶)

”اللہ نے تمہیں یتیم پایا تو آپ کو لوگوں کا ملجا و ماویٰ بنا دیا۔“

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى - (الضحیٰ - ۷)

”اور آپ کو آپ کی قوم کی نظر میں گمناں پایا تو لوگوں کو آپ کی رہنمائی

فرمائی۔“

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى - (الضحیٰ - ۸)

”اور آپ کو تنگ دست پایا تو آپ کو غنی کر دیا۔“

مقصد یہ ہے کہ آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا کر کے آپ کو مستغنی کر دیا۔

ماہمون نے کہا:-

فرزند رسول! خدا آپ کو مزید برکت عطا فرمائے، مجھے قرآن مجید کی اس

آیت کے متعلق بھی مطمئن فرمائیں۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ
إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرَاكَ - (اعراف - ۱۴۳)

”تو جب موسیٰ ہمارا وعدہ پورا کرنے کے لیے آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو انہوں نے کہا ، پروردگار مجھے اپنا جلوہ دکھا دے ، ارشاد ہوا ، تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔“

اب سوال یہ ہے کہ جب کلیم خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آیا یہ علم نہ تھا کہ خدا دیکھنے کی چیز نہیں ہے ، اور اگر بالفرض انہیں اس کا علم تھا تو انہوں نے یہ سوال ہی کیوں کیا ؟
امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ ذات احدیت قابل مشاہدہ نہیں ہے لیکن ایسا سب کچھ اس لیے ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور انہیں اپنا مقرب بنایا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا :-
”اللہ نے مجھ سے کلام کیا ہے۔“

بنی اسرائیل نے کہا :-

”جب تک ہم اللہ کے کلام کو خود نہ سنیں ، ہم آپ کی بات پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔“

تو اس کے بعد حضرت موسیٰ نے سات لاکھ اسرائیلیوں میں سے ستر ہزار افراد کا انتخاب کیا اور ستر ہزار میں سے سات سو افراد کو چنا اور سات سو میں سے ستر افراد کو اس کام کے لیے منتخب کیا اور انہیں طور سینا پر اپنے ساتھ لے گئے اور انہیں دامن کوہ پہ ٹھہرایا اور خود طور کی چوٹی پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ ان لوگوں کو اپنا کلام سنائے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی جسے ان تمام افراد نے سنا اور ،
https://download.jafrilibrary.com

نیچے ، دائیں اور بائیں سے سنا ، جب وہ اللہ کا کلام سن چکے تو انہوں نے کہا :-
 ”ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اپنے پروردگار کو
 اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔“

حضرت موسیٰؑ نے انہیں بہت سمجھایا کہ ذات خداوندی قابل رویت نہیں
 ہے مگر وہ جاہل لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے ، حضرت موسیٰؑ کو ان کا مطالبہ پیش کرتے
 ہوئے مہر م آتی تھی ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

”موسیٰ ! میں نے بنی اسرائیل کی گفتگو سن لی ، ان کا مطالبہ تم مجھ تک
 پہنچاؤ ، میں تمہارا مواخذہ نہیں کروں گا۔“

اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے جلوہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے فرمایا :-

لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ اِنظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانُهُ فَسَوْفَ
 تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا اَفَاقَ
 قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاعراف - ۱۴۳)

”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ، تم پہاڑ کی جانب نگاہ کرو ، اگر پہاڑ اپنی جگہ
 پر قائم رہے تو تم عنقریب مجھے دیکھ لو گے ، اور جب اللہ تعالیٰ نے (اپنی آیات
 میں سے ایک آیت کا) پہاڑ پر جلوہ دکھایا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰؑ بے ہوش
 ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو کہا خدا یا ! تو پاک ہے ، میں تیرے حضور (اپنے
 اس عقیدہ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ تو لائق رویت نہیں ہے ، اور اپنی قوم کی
 جہالت کے لیے) توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں تیرے غیر مرئی ہونے پر
 ایمان لانے والا ہوں۔“

مومن نے کہا :-

ابوالحسن ! خدا آپ کا بھلا کرے ، آپ قصہ یوسفؑ سے تعلق رکھنے والی

اس آیت کے متعلق میری رہنمائی فرمائیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔

(یوسف - ۲۴)

”اور یقیناً اس (عورت) نے ان سے برائی کا ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

”زلیخا نے یقیناً برائی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اگر یوسفؑ برہان خداوندی کا مشاہدہ نہ کرتے تو وہ بھی برائی کا ارادہ کر بیٹھتے لیکن وہ معصوم تھے اور معصوم نہ تو گناہ کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ ہی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

میرے والد ماجد نے اپنے والد ماجد امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا:-

”زلیخا برائی کا ارادہ کر چکی تھی اور یوسفؑ ارادہ کر چکے تھے کہ وہ برائی نہیں کریں گے۔“

مامون نے کہا:-

ابو الحسن! خدا آپ کا بھلا کرے، یونس علیہ السلام کے متعلق اس ارشاد خداوندی کی بھی وضاحت فرمائیں۔

وَ اِذَا النُّونُ اِذْ ذٰهَبَ مُغَاصِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ۔

(الانبیاء - ۸۷)

”اور مچھلی والے کو یاد کرو جب وہ غصہ میں آکر چلے اور یہ خیال کیا ہم اس پر قدرت نہیں رکھیں گے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

”اس آیت میں یونس بن متی کا واقعہ بیان ہوا ہے اور لفظ ”ظَنَّ“ یقین

کے معنی میں ہے ، یعنی جب وہ غصہ میں چلے تو انہوں نے یقین کر لیا کہ۔

أَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ - (الانبیاء۔ ۸۷)

”ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے۔“

لفظ ”قَدَرٌ يَقْدِرُ“ عربی زبان میں ”تنگ کرنے“ کے معنی میں بھی

استعمال ہوتا ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ - (الفجر۔ ۱۶)

”اور بہر حال جب اللہ انسان کی آزمائش کرتا ہے ، تو اس کی روزی تنگ

کردیتا ہے۔“

اس آیت میں لفظ ”قَدَرٌ“ تنگ کرنے کے معنی میں مستعمل ہے ، اسی

طرح سے یونس علیہ السلام کے لیے بھی ”أَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ“ روزی تنگ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بہر نوع۔

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ - (الانبیاء۔ ۸۷)

”انہوں نے تاریکیوں یعنی تاریکی شب ، تاریکی نجر اور تاریکی شکم ماہی میں

ننادی۔“

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ -

(الانبیاء۔ ۸۷)

”پروردگار! تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پاک و بے نیاز ہے ، میں ہی اپنے

نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔“

مقصد یہ ہے کہ شکم ماہی میں مجھے جو خلوت نصیب ہوئی ہے ، اس خلوت

میں ، میں حق عبادت ادا کرنے سے قاصر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور شکم ماہی سے انہیں نجات دی۔

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ لَلَّتِ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ
(الصافات۔ ۱۴۳، ۱۴۴)

”پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روز قیامت تک اسی کے شکم میں رہ جاتے۔“
مامون نے کہا:-

ایوا الحسن! خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انبیائے کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کی مایوسی کا ذکر کیا ہے، لہذا اس آیت مجیدہ کا مفہوم بھی واضح کریں۔
حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْشَسَ الرَّسُولُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا۔ (یوسف۔ ۱۱۰)

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

آیت کا ترجمہ بڑا واضح ہے۔

”یہاں تک کہ جب ان کے انکار سے مرسلین مایوس ہو گئے اور ان کی قوم نے یہ گمان کر لیا کہ پیغمبروں کی جانب سے ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے تو ہماری مدد مرسلین کے پاس آگئی۔“
مامون نے کہا:-

ایوا الحسن! خدا آپ کو سلامت رکھے، مجھے اس آیت مجیدہ کے مفہوم سے بھی آگاہ کریں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ
مَا تَأَخَّرَ۔۔۔ الفتح۔ (۲۰۱)

”بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے تاکہ خدا آپ کے اگلے پچھلے گناہ ختم کر دے۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

” بات یہ ہے کہ اہل مکہ کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا گناہ گار کوئی نہیں تھا ، کیونکہ وہ تین سو ساٹھ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور آپؐ خدائے واحد کی عبادت کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کا حکم دیتے اور بتوں کی تنقیص کیا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کا یہ فعل ان کی نظر میں بہت بڑا گناہ تھا اور وہ کہتے تھے۔

أَجْعَلَ الْإِلَهَ إِلَّا إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا خِتْلَاقٌ - (ص- ۷، ۶، ۵)

” کیا اس نے سارے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا بنا دیا ہے ، یہ تو انتہائی تعجب خیز بات ہے ، ان میں سے ایک گروہ یہ کہہ کر چل دیا چلو اپنے خداؤں پر قائم رہو کہ اس میں ان کی کوئی غرض پائی جاتی ہے ، ہم نے اگلے دور کی امتوں میں یہ باتیں نہیں سنی تھیں اور یہ کوئی خود ساختہ بات معلوم ہوتی ہے۔“

اور جب خدا کی مہربانی سے مکہ فتح ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا - (الفتح- ۱)

” ہم نے آپؐ کو کھلم کھلا فتح عطا کی۔“

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ - (الفتح- ۲)

” تاکہ خدا آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے۔“

یعنی جسے کفار مکہ گناہ سمجھتے تھے اب وہ مغلوب ہو گئے ہیں ، ان میں سے کچھ مسلمان ہو گئے اور کچھ مکہ چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں نکل گئے اور باقی کفار کو یہ جرات نہیں ہے کہ آپؐ کے خلاف زبان طعن دراز کر سکیں اور کھلم کھلا توحید کا انکار کر سکیں ، لہذا اب اگر آپؐ انہیں دعوت توحید دیں گے تو ان کی نظر میں آپؐ کا فعل گناہ محسوب نہیں ہو گا۔

مامون نے کہا:-

خدا آپ کا بھلا کرے ، اس کے ساتھ مجھے اس آیت کا مفہوم بھی سمجھائیں۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ إِذْ نَتَّ لَهُمْ - (التوبہ - ۴۳)

”پیغمبر! خدا نے آپ سے درگزر کیا کہ آپ نے کیوں انہیں پیچھے رہنے

کی اجازت دے دی“ -

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

اس آیت میں دراصل حضور اکرم کو سنا کر دوسروں کو تنبیہ کی گئی ہے

جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت کا بھی یہی انداز ہے۔

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ -

(الزمر - ۶۵)

”اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال برباد کر دیئے جائیں گے اور

تمہارا شمار گھاٹے والوں میں ہو جائے گا“ -

مامون نے کہا:-

فرزند رسول! بے شک آپ حجا فرماتے ہیں ، آپ مجھے قرآن مجید کی اس

آیت کے متعلق بھی بتائیں۔

إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ

وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ - (الاحزاب - ۳۷)

”اور اس وقت کو یاد کریں جب آپ اس شخص سے جس پر خدا نے بھی نعمت

نازل کی اور آپ نے بھی احسان کیا ، یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی زوجہ کو اپنے ہاں

ٹھہرائے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے

جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنوں کا خوف تھا حالانکہ خدا زیادہ

حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

ان آیات کا تعلق زیدؑ اور زینبؑ کے واقعہ سے ہے۔

ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کے لیے زیدؑ بن حارثہ بن شراحیل کلبیؑ کے گھر تشریف لے گئے اور اتفاق یہ ہوا کہ زیدؑ گھر پر موجود نہ تھے اور اس کی زوجہ زینبؑ غسل کر رہی تھی، آنحضرتؐ کی اس پر نظر پڑی تو آپؐ نے اللہ کی تعزیر و تقدیس کے قصد سے فرمایا :-

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ (استثناء ۱۷۱)

”وہ ذات پاک ہے جس نے تجھے پیدا کیا کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔“

اور آنحضرتؐ نے یہ تعزیر باری کفار و مشرکین کے اس نظریہ کے خلاف کی تھی جس کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

أَفَاضْضُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَيْنِ وَأَتَّخِذَ مِنْ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا (بنی اسرائیل - ۴۰)

”کیا تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کے لیے لڑکوں کو پسند کیا ہے اور اپنے لیے ملائکہ میں سے لڑکیاں بنائی ہیں، یہ تم بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔“
یعنی مقصد یہ تھا کہ خدا کو لڑکیوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ضرورت انہیں ہے جنہیں غسل کی احتیاج ہو۔

آنحضرتؐ یہ کہہ کر واپس چلے گئے، جب زیدؑ اپنے گھر آئے تو ان کی زوجہ نے آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے متعلق انہیں بتایا اور آنحضرتؐ کے الفاظ بھی انہیں سنائے۔

زیدؑ آنحضرتؐ کے الفاظ کا مطلب نہ سمجھ پائے، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ آنحضرتؐ اس کی زوجہ کے حسن و جمال پہ فریفتہ ہوئے ہیں۔

الْمُؤْمِنِينَ حَرْجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ
كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ (الحزاب-۳۷)

”اس کے بعد جب زیدؑ نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس کا عقد آپؐ سے کر دیا تاکہ مؤمنین کے لیے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں اور اللہ کا حکم بہر حال نافذ ہو کر رہتا ہے۔“
اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ منافقین اس نکاح پر طعنے دیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرْجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ (الحزاب-۳۸)
”نبی کے لیے خدا کے فرائض میں کوئی حرج نہیں ہے۔“
مامون نے کہا :-

فرزند رسولؐ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپؐ نے میرے دل کو شفا بخشی ہے، اور آپؐ نے متشابہ امور کی مکمل وضاحت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ آپؐ کو اپنے انبیاءؑ اور اسلام کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔
علی بن محمد بن جہم (راوی) کہتے ہیں :-

مامون، محمد بن جعفر کا ہاتھ تھامے ہوئے نماز کے لیے روانہ ہوئے، میں ان دونوں کے پیچھے چل رہا تھا۔

مامون نے محمد بن جعفر سے کہا :-

آپؐ نے اپنے بھتیجے کو کیسا پایا ؟

انہوں نے کہا :-

وہ عالم ہیں اور ہم نے انہیں آج تک کسی عالم سے علم حاصل کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

اسی لیے زیدؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی۔
 یا رسول اللہؐ! زینبؓ بد اخلاق ہے اور میں اس کی بد خلقی سے تنگ آچکا
 ہوں، میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔
 نبی کریمؐ نے زیدؑ سے فرمایا:-
 ”اپنی زوجہ کو اپنے ہاں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔“

اور ادھر شانِ قدرت ملاحظہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ان کی دنیا و
 آخرت کی ازواج کے نام بتائے ہوئے تھے جن میں زینبؓ بنت جحش کا نام بھی
 تھا، مگر آنحضرتؐ لوگوں کو یہ بتانا پسند نہیں کرتے تھے اور آپؐ نے زیدؑ کو بھی بتانا
 پسند نہ کیا مبادا لوگ یہ طعنہ نہ دیں کہ محمدؐ اپنے آزاد کردہ غلام کی زوجہ پہ
 فریفتہ ہو چکے ہیں، چنانچہ انہی حالات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
 زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
 وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ - (الحزاب - ۳۷)

”اور اس وقت کو یاد کریں جب آپؐ اس شخص سے جس پر خدا نے (اسلام کی)
 نعمت نازل کی اور آپؐ نے بھی (آزادی دے کر) جس پر احسان کیا، یہ کہہ رہے تھے کہ
 اپنی زوجہ کو اپنے ہاں ٹھہرائے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپؐ اپنے دل میں اس
 بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا اور آپؐ کو لوگوں کے طعنوں
 کا خوف تھا حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔“

بہر نوع زیدؑ بن حارثہؓ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، ایامِ عدت گزرنے
 کے بعد حکمِ خدا سے آنحضرتؐ نے اس سے نکاح کر لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس
 سرگزشت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَا كَهَا لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى

مامون نے کہا:-

بھلا ایسا کیوں نہ ہو، آپ کے بھتیجے کا تعلق اس خاندان سے ہے جن کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:-

”میری عمرت کے نیک افراد اور میری نسل کے پاکیزہ افراد بچپن میں تمام لوگوں سے زیادہ حلیم اور جوانی میں سب سے بڑے عالم ہوں گے، انہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرنا وہ تم سے زیادہ عالم ہیں، وہ تمہیں ہدایت کے دروازے سے نکال کر گمراہی کے دروازے میں داخل نہیں کریں گے۔“

امام رضا علیہ السلام اپنے بیت الشرف روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مامون کے تاثرات سے انہیں آگاہ کیا تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا:-

”ابن جہم! مامون کی ان باتوں سے کبھی دھوکا نہ کھانا وہ مجھے غنقریب خفیہ طور پر قتل کرائے گا اور اللہ اس سے میرا انتقام لے گا۔“

مصنف کتاب کہتے ہیں:-

یہ حدیث علی بن محمد بن جہم جیسے ناصبی اور دشمن آل محمد کی زبانی مروی ہے اور اس ناصبی سے یہ روایت انتہائی تعجب خیز ہے۔

حضرتؑ کی روایت، اصحابِ رس کون تھے؟

۱۔ (محذوف اسناد) ابو الصلت عبدالسلام بن صالح ہروی نے امام علی رضاؑ سے، انہوں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے، انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے، انہوں نے امام محمد باقرؑ سے، انہوں نے علی زین العابدینؑ سے، انہوں نے امام حسینؑ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا :-

امیر المؤمنین علیہ السلام کی ضربت سے تین دن پہلے بنی تمیم کا ایک سردار ان کے پاس آیا، جس کا نام عمرو تھا۔

اس نے کہا :-

امیر المؤمنین ! آپ ہمیں اصحابِ رس کے متعلق بتائیں کہ وہ کس دور میں تھے اور ان کی رہائش کہاں تھی، ان کا بادشاہ کون تھا اور کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب کوئی رسول بھیجا تھا یا نہیں اور وہ کیسے ہلاک کیے گئے؟؟؟

قرآن مجید میں ہمیں ”أَصْحَابُ الرَّسِّ“ کے الفاظ تو نظر آتے ہیں۔

1- وَعَادًا وَ ثَمُودًا وَ أَصْحَابُ الرَّسِّ وَ قُرُونًا كَیِّنَ ذَلِكَ

كَثِيرًا - (الفرقان - ۳۸)

”اور عاد و ثمود اور اصحابِ رس اور ان کے درمیان بہت سی نسلوں اور قوموں کو بھی تباہ کر دیا ہے۔“

2- كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَ أَصْحَابُ الرَّسِّ وَ ثَمُودٌ -

(ق - ۱۲)

”ان سے پہلے قومِ نوح، اصحابِ رس اور ثمود نے بھی تکذیب کی تھی“

لیکن ان کی توضیح کہیں دکھائی نہیں دیتی۔
امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:-

تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو اس سے قبل مجھ سے کسی نے نہیں پوچھی اور میرے بعد تمہیں یہ بات کوئی نہیں بتائے گا اور اگر کسی نے بتایا تو وہ مجھ سے سن کر بتا سکے گا، قرآن مجید کی ہر آیت کو میں جانتا ہوں اور ہر آیت کی تفسیر جانتا ہوں اور ہر آیت کے متعلق یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ میں اترن اور رات کو اتری یا دن کو نازل ہوئی، یہاں بہت زیادہ علم موجود ہے، یہ لفظ کہتے ہوئے حضرت بنے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا لیکن علم کے طلب گار کم ہیں اور عنقریب مجھے کھو کر وہ پچھتائیں گے۔

اے بنی تمیم سے تعلق رکھنے والے سنو! ان کا قصہ یہ ہے۔

یہ لوگ وہ قوم تھے جو صنوبر کے درخت کی عبادت (پوجا) کرتے تھے اور اس درخت کو ”شاہ درخت“ کہا جاتا تھا، یافث بن نوح نے طوفان کے بعد ایک چشمہ کے کنارے اسے کاشت کیا تھا، چشمہ کا نام ”دوشاب“ تھا، یہ چشمہ بھی طوفان کے بعد جاری ہوا تھا اور انہیں اصحاب رس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا۔

اور یہ لفظ ”رَسَّ يَنْهَهُمْ“ سے مشتق ہے جس کے معنی فساد برپا کرنے کے ہیں۔

یہ لوگ سلیمان بن داؤد کے بعد خوب پھلے پھولے، ایک دریا کے کنارے پر ان کی بارہ بستیاں تھیں اور انہی لوگوں کی وجہ سے دریا کو دریائے رس کہا جاتا تھا، اور اس وقت اس دریا سے زیادہ زرخیزی پھیلانے والا اور ذائقہ میں اس سے بہتر کوئی دریا روئے زمین پر نہ تھا اور ان کی بستیوں سے زیادہ آباد و شاداب بستیاں کہیں اور موجود نہ تھیں۔

ان کی بستیوں کے نام یہ تھے۔

پہلی بستی کا نام آبان ، دوسری بستی کا نام آذر ، تیسری کا نام دی ، چوتھی کا نام بکھن ، پانچویں کا نام اسفندار ، چھٹی کا نام فرور دین ، ساتویں کا نام اردی بہشت ، آٹھویں کا نام خر داد ، نویں کا نام مرداو ، دسویں کا نام تیر ، گیارہویں کا نام مہر اور بارہویں کا نام شہر پور تھا۔

ان کا سب سے بڑا شہر اسفندار تھا ، اور ان کا بادشاہ اسی شہر میں رہتا تھا ، اس کا نام ترکوڈ بن غاور بن یارش بن سازن بن نمرود تھا۔ یہ وہی نمرود ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا ، ان کا متبرک چشمہ اور صنوبر کا درخت بھی اسی شہر میں تھا۔

ان لوگوں نے اس درخت صنوبر کے بیج سے اپنی بستیوں میں صنوبر کے درخت کاشت کیے تھے ، چنانچہ ہر بستی میں اس متبرک صنوبر کی نسل کا ایک ایک درخت موجود تھا۔

ہر بستی والوں نے اپنے درخت کی خوب حفاظت کی ، چنانچہ وہ بہت بڑے درخت بن گئے اور ان لوگوں نے دریا اور چشمہ کا پانی اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے حرام قرار دیا تھا اور کہتے تھے

”یہ پانی ہمارے خداؤں کی زندگی ہے ، اسی لیے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ہمارے خداؤں کی زندگی میں کچھ مداخلت کرتے ہوئے اس میں کمی کرے“ اور اگر کوئی اس پانی کو خود پیتا یا جانوروں کو پلانے کی جسارت کرتا تو وہ اسے قتل کر دیتے تھے۔

وہ لوگ ہر ماہ ایک ایک بستی میں عید مناتے تھے اور اس عید کی خوشیاں منانے کے لیے باقی بستیوں والے بھی اس بستی میں آجاتے تھے اور صنوبر کے درخت کے نیچے جمع ہو کر خوب ڈھول بجاتے اور خوشیاں مناتے تھے اور وہ درخت

پر ایک کپڑا لٹکایا کرتے تھے جس پر مختلف جانداروں کی تصویریں ہوتی تھیں۔

پھر درخت دیوتا کو خوش کرنے کے لیے اس کے نیچے گائے اور بکریاں لا کر ذبح کرتے تھے اور درخت کے نیچے آگ جلاتے تھے اور جب جانوروں کی چربی کی خوشبو دھوئیں کے ساتھ بلند ہوتی اور دھوئیں کی وجہ سے آسمان دکھائی نہ دیتا تو وہ درخت کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے اور خوب رو رو کر اس سے درخواست کرتے کہ وہ ان سے راضی ہو جائے۔

چنانچہ شیطان آکر درخت کی ٹہنیاں بلاتا اور بچے کی سی آواز نکال کر کہتا:۔
”میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں تم خوشیاں مناؤ اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھو۔“

جیسے ہی یہ آواز بلند ہوتی تو وہ اپنے سر سجدہ سے اٹھاتے تھے اور خوب شراب نوشی کرتے اور ڈھول و تاشے پیٹتے تھے اور ایک دن اور رات اسی طرح سے بسر کرتے تھے۔

اہل عجم نے اپنے مہینوں کے نام اصحاب رس کی بستیوں کے نام پر رکھے ہیں کیونکہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ فلاں ماہ کی عید ہے، یہ فلاں ماہ کی عید ہے، یعنی یہ آبان ماہ کی عید ہے، یہ آذر ماہ کی عید ہے، الغرض ہر ماہ کسی نہ کسی بستی میں یہ جشن ہوا رہتا تھا اور جب بڑے شہر کی عید ہوتی تو وہ بڑے جوش و خروش سے اس میں حصہ لیتے تھے اور ان کے صغیر و کبیر اس جشن میں شریک ہوتے تھے۔

میلہ کے موقع پر صنوبر اور چشمہ کو دیباچ کے پردوں سے مزین کر دیا جاتا تھا۔

اس شہر کے بارہ دروازے تھے اور ہر بستی والوں کے لیے علیحدہ علیحدہ دروازہ مخصوص ہوتا تھا، چنانچہ تمام بستیوں والے وہاں بڑی مقدار میں قربانیاں

لے کر آتے اور اپنے مخصوص دروازوں سے داخل ہو کر اپنے معبود درخت کے سامنے جاتے اور اسے سجدہ کرتے اور قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے، اس وقت ابلیس وہاں پہنچ کر درخت صنوبر کو زور زور سے ہلا کر درخت کے تنے سے بلند آواز میں گفتگو کرتا اور انہیں زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ، لعنت ملامت) کرتا اور انہیں امیدیں دلاتا، الغرض باقی شیاطین کے وعدہ وعید (ٹال مٹول) سے وہ کہیں زیادہ انہیں امیدیں دلاتا تھا۔

اس کی کوازن کر وہ سجدے سے سر اٹھاتے اور بڑے خوش ہوتے اور خوشی کے اظہار کے لیے خوب ڈھول پیٹتے اور تاشے جاتے اور یوں یہ جشن پورے بارہ دن جاری رہتا تھا، بارہ دن جشن منانے کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔

ایک طویل عرصہ تک یہ کفر جاری رہا اور غیر اللہ کی عبادت ہوتی رہی، آخر کار اللہ تعالیٰ نے یسودا بن یعقوب کی نسل میں سے ایک نبی کو ان کے پاس بھیجا جو ایک عرصہ تک ان میں قیام پذیر رہا اور انہیں عبادت خدا اور معرفت ربو بیت کی دعوت دیتا رہا، مگر وہ لوگ اپنے کفر سے باز نہ آئے اور کسی نے ان کی پیروی نہ کی۔

جب نبی نے ان کی گمراہی کی شدت کو دیکھا تو اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آئیں گے، پھر وہ ان کی بڑی عید پر گئے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی:-

”پروردگار! تیرے بندوں نے مجھے جھٹلایا ہے اور تیرا انکار کیا ہے اور تجھے چھوڑ کر ایک ایسے درخت کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ تو فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

خدایا! ان کے اس درخت کو خشک کر کے انہیں اپنی قدرت و طاقت کا

کرشمہ دکھا۔“

نبی کی بددعا فوراً قبول ہوئی، وہ درخت خشک ہو گیا اور درخت کی یہ حالت دیکھ کر ان کے چہرے اتر گئے اور بڑے پریشان ہوئے اور ان کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کہتا :-

آسمان و زمین کے رب کا نمائندہ ہونے کے دعویدار نے تمہارے خداؤں پر جادو کر دیا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے خداؤں کو چھوڑ کر اس کے خدا کو مانو۔

دوسرا گروہ کہتا :-

نہیں! یہ بات نہیں ہے، اس شخص نے تمہارے خداؤں کی برائی کی ہے اور ان پر زبان طعن دراز کی ہے، اسی لیے تمہارے خدا ناراض ہو گئے اور انہوں نے تم سے اپنے حسن و سرسبزی کو چھپا لیا ہے تاکہ تم اس پر اپنے غضب کا اظہار کرتے ہوئے اپنے خداؤں کی مدد کرو۔

پھر ان لوگوں نے سسے کے پائپ بنائے اور ان پائپوں کی مدد سے چشمہ کا تمام پانی نکال لیا اور چشمہ کی تہ میں ایک گہرا کنواں کھودا اور اپنے نبی کو اس کنویں میں ڈال کر اس نبی کے منہ پر بھاری پتھر رکھ دیا اور پھر کہنے لگے ۔

”اب ہمیں امید ہے کہ ہمارے خدا ہم پر راضی ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان کے مخالف کو قید کر دیا ہے۔“

نبی سارے دن کنویں میں قید رہے اور اس کے رونے کی آواز سارا دن ان کے کانوں میں آتی رہی، نبی رو رو کر یہ کہتے تھے :-

”اے میرے پروردگار، اے میرے آقا! تو میرے تنگ مکان اور سخت مصیبت کو دیکھ رہا ہے، میری بے بسی اور کمزوری پر رحم فرما اور جلدی سے میری روح قبض فرما اور میری دعا کی قبولیت میں تاخیر نہ فرما۔“

نبی یہ دعا مانگتے رہے حتیٰ کہ اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔

اس وقت رب العالمین نے جبریل سے فرمایا:-

”جبریل! میرے ان بندوں کو دیکھو، جنہیں میرے علم (تحمل) کی وجہ

سے دھوکا ہوا، میری تدبیر سے مطمئن نہ ہوئے، میرے غیر کی عبادت کی اور میرے

رسول کو شہید کر دیا، کیا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ میرے غضب کی تاب لا سکتے

ہیں اور کیا یہ میرے دائرۂ سلطنت سے کہیں باہر جا سکتے ہیں؟

انہیں معلوم ہونا چاہیے جو میری نافرمانی کرے، میرے عذاب سے نہ

ڈرے، میں اس سے انتقام لیتا ہوں اور میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ

میں تمام جہانوں کے لیے انہیں باعث عبرت بنا دوں گا۔“

ابھی وہ لوگ جشنِ عبد میں مصروف تھے کہ سرخ و تند آندھی اٹھی اور

اسے دیکھ کر وہ حیران و پریشان رہ گئے اور ان کے قدموں کے نیچے زمین سے

گندھک کے پتھر کی طرح سے شعلے نکلنے لگے، سیاہ بادل چھا گئے جس سے انگاروں

کی بارش ہوئی اور آگ میں ان کے بدن یوں پگھل گئے جیسا کہ سکہ آگ میں پگھل

جاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے غضب و نزولِ عذاب سے پناہ چاہتے ہیں۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۔

حضرت کی زبانی ”وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ“ (۱) کی تفسیر

۱۔ (محذوف اسناد) فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا :-

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں دنبہ بھیجا اور ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اس دنبہ کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک قلق سا محسوس ہوا اور انہوں نے خواہش کی کہ کاش اس دنبہ کی جگہ وہ اپنے جگر گوشہ کو ذبح کرتے تو اس کے ذریعہ سے انہیں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی :-

ابراہیم! میری تمام مخلوق میں سے تمہیں کس سے زیادہ محبت ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ”پروردگار! تیری تمام مخلوق میں سے مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے وحی کی: یہ بتاؤ تمہیں اپنے آپ سے زیادہ محبت ہے یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ”آنحضرت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ تمہیں ان کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے یا

اپنے بیٹے سے زیادہ محبت ہے ؟

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ”مجھے ان کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے۔“
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ ان کا بیٹا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید
ہو جائے تو تمہارے دل کو زیادہ تکلیف ہو گی یا تمہارا بیٹا میری اطاعت میں تمہارے
اپنے ہاتھ سے ذبح ہو، اس سے تمہارے دل کو زیادہ تکلیف ہو گی؟

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ”پروردگار! ان کے بیٹے کا دشمنوں کے
ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جانا میرے دل کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے۔“
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ابراہیم! ایک گروہ جو اپنے آپ کو امت محمدؐ سمجھتا ہو
گا وہ ان کے فرزند حسینؑ کو ان کے بعد ظلم و ستم سے دُبنے کی طرح سے ذبح کرے
گا، اس کی وجہ سے وہ میرے غضب کے حقدار بن جائیں گے۔“

یہ سن کر ابراہیمؑ چاٹنے لگے اور ان کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی
اور رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی: ”ابراہیم! اسماعیلؑ کی جائے میں نے
تمہیں حسینؑ کا غم دیا ہے، اور اگر تم اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تو
بھی تمہیں اتنا قلق نہ ہوتا جتنا کہ حسینؑ کی شہادت کا تمہیں قلق ہوا، اسی لیے
میں نے اہل مصائب کے بلند ترین درجات کا تمہیں مستحق ٹھہرایا۔“

اور فَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ (۱)

”ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم سے دیا“ کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ -

۱۔ سورۃ صافات کی آیت نمبر ۱۰۷ اسے اہل سنیین علیہ السلام مراوا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ”ذبح“ کی صفت عظیم بیان
فرمائی ہے اور مشی میں ذبح ہونے والا وہ اللہ کی نظر میں بھی لفظ ”عظیم“ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

احادیث میں وارد ہے کہ اسماعیلؑ کے عوض اللہ نے جو ذبح عظیم مقرر کیا ہے، وہ تمام حسینین ہیں۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسینؑ علیہ السلام، اسماعیلؑ علیہ السلام کا فدیہ کیسے ہو سکتے ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت کی زبانی آنحضرت کی حدیث

”أَنَا ابْنُ الذِّبْحَيْنِ“ کی تشریح (۱)

۱۔ (محذوف اسناد) علی بن حسین بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا:-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ”أَنَا ابْنُ الذِّبْحَيْنِ“ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں کا مطلب دریافت کیا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-
”اس سے اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور عبداللہ بن عبدالمطلب مراد ہیں۔

اسماعیل وہ غلام حلیم ہیں جن کی بشارت اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی، ان کے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّنَىٰ - (انصافات- ۱۰۲)

”جب وہ والد کے ساتھ محنت مشقت کے قابل ہوئے“ (یعنی باپ کی

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:-

أَنَا ابْنُ الذِّبْحَيْنِ -

”میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں“۔

اس سے حضرت اسماعیل اور حضرت عبداللہ مراد ہیں۔

(صفحہ نمبر ۳۶۸ کا بقیہ حاشیہ)۔ جب کہ امام حسین حضرت اسماعیل سے افضل تھے اور افضل کبھی مقبول کا فدیہ نہیں بن سکتا؟۔
اس سوال کا ہم یہ جواب دیں گے کہ پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اہل بیت علیہم السلام سب کا تعلق اور اولاد اسماعیل سے اور آخر حضرت اسماعیلؑ میں ذبح ہو جاتے تو یہ ذوات قدسیہ عالم رنگ و بو میں قدم نہ رکھ سکتیں، اسی لیے حسین ان سب کا فدیہ ہیں اور ان میں سے امام حسین کے جدا مادر جناب رسول خداؐ اور امام حسین کے والد بن قیام امام حسین سے افضل ہیں۔

طرح اطاعتِ خداوندی بجا لانے کے قابل ہوئے۔)

قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصافات-۱۰۲)

”تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا، پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟، انہوں نے کہا بابا جان! آپ کو جو کچھ حکم کیا جا رہا ہے، آپ وہ کر گزریں۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ لفظ نہیں کہے:-

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا رَأَيْتَ -

”بابا جان! جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ کریں۔“

کیونکہ اسماعیلؑ یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ بات صرف دیکھنے تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے والد بزرگوار کو اس کا امر (حکم) کیا جا رہا ہے۔

سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (الصافات-۱۰۲)

”خدا نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے انہیں قربان کرنے کے لیے لٹایا تو اللہ نے ان کے عوض موٹا تازہ خوبصورت دنبہ بھیج دیا جو کہ جنت کے باغات میں چالیس برس تک چرتا رہا تھا اور وہ کسی مادہ کے شکم سے نہیں نکلا تھا وہ دنبہ کُنْ فَيَكُونُ کے حکم الہی سے پیدا ہوا تھا، چنانچہ وہ دنبہ اسماعیلؑ کے عوض ذبح ہوا اور منی میں قیامت تک جتنے جانور بھی ذبح ہوں گے وہ سب اسماعیلؑ کا فدیہ ہوں گے، چنانچہ اسماعیلؑ پہلے ذبیح ہیں۔

دوسرے ذبیح رسول خداؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہؑ تھے۔

حضرت عبدالمطلبؑ نے لعبہ شریف کا دروازہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اللہ

تعالیٰ انہیں دس بیٹے عطا فرمائے، اور انہوں نے خدا کے حضور نذر مانی کہ اگر اللہ

تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی تو وہ ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کریں گے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں دس بیٹے عطا کیے تو انہوں نے کہا:-
 ”اللہ نے میری منت پوری کی ہے، لہذا میں بھی اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔“

چنانچہ منت ادا کرنے کے لیے عبدالمطلب اپنے دس بیٹے لے کر صحن کعبہ میں آئے اور قرعہ اندازی کی اور قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا، عبداللہ ان کے سب سے پیارے بیٹے تھے۔

عبدالمطلب نے دوبارہ قرعہ ڈالا تو دوبارہ بھی عبداللہ کے نام کا قرعہ نکلا، اور تیسری دفعہ انہوں نے پھر قرعہ ڈالا تو بھی عبداللہ کا قرعہ نکلا۔
 انہوں نے عبداللہ کو پکڑا اور اس کے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔
 قریش اکٹھے ہو گئے اور ان سے کہنے لگے:-

”آپ سردار قریش ہیں، آپ کا عمل آنے والی نسلوں کے لیے سنت بن جائے گا اور لوگ اپنے بیٹوں کو ذبح کریں گے، لہذا آپ ایسا نہ کریں“
 عبدالمطلب کی بیویاں بھی جمع ہو گئیں اور رونے پٹینے لگیں۔
 ان کی بیٹی عاتکہ نے کہا:-

”ابا جان! میں اللہ سے اپنے بھائی کو بچانے کے لیے آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں۔“

عبدالمطلب نے کہا:-

”آپ ضرور بتائیں، کیونکہ آپ میری بابرکت بیٹی ہیں۔“
 عاتکہ نے کہا:-

”ابا جان! آپ عبداللہ اور دس اونٹوں کا قرعہ ڈالیں اور مسلسل قرعہ ڈالتے آئیں جس وقت اونٹوں کا قرعہ نکلے تو آپ وہ اونٹ خدا کی راہ میں ذبح کر دیں۔“

چنانچہ عبدالمطلبؑ نے عبد اللہؑ اور دس اونٹوں کا قرعہ ڈالا تو قرعہ عبد اللہؑ کے نام پر نکلا ، انہوں نے مزید دس اونٹوں کا اضافہ کیا قرعہ پھر بھی عبد اللہؑ کے نام پر نکلا ، آخر کار دسویں بار سو اونٹوں کا قرعہ نکلا۔
جب اونٹوں کا قرعہ نکلا تو قریش نے زور سے تکبیر کہی جس سے تمامہ کے پہاڑ لرز اٹھے۔

عبدالمطلبؑ نے کہا:-

”میں پھر بھی تین بار قرعہ ڈالوں گا۔“

چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ ڈالا ، ہر بار قرعہ سو اونٹوں کا نکلتا رہا۔ جب تیسری بار اونٹوں کا قرعہ نکلا تو عبد اللہؑ کے بھائیوں زبیر اور ابو طالبؑ نے اسے عبدالمطلبؑ کے پاؤں سے کھینچ لیا اور اسے اٹھا کر چل پڑے ، زمین پر لینے کی وجہ سے ان کے ایک رخسار کی جلد پھٹ گئی تھی۔

عبد اللہؑ کے بھائی اسے اپنے کاندھوں پر اٹھائے اور بو سے دیتے ہوئے گھر لے آئے۔

حضرت عبدالمطلبؑ نے سو اونٹ ذبح کیئے اور ہر عام و خاص کو گوشت لینے کی اجازت دی گئی۔

عبدالمطلبؑ نے پانچ سنتیں رائج کی تھیں جنہیں اللہ نے اسلام میں بھی باقی رکھا۔

- 1۔ انہوں نے باپ کی بیوی کو بیٹے کے لیے حرام قرار دیا۔
- 2۔ انہوں نے قتل کی دیت سو اونٹ قرار دی۔
- 3۔ وہ بیت اللہؑ کے سات چکر لگا کر ایک طواف شمار کرتے تھے۔
- 4۔ انہیں ایک خزانہ ملا تو انہوں نے اس میں سے خمس نکالا۔
- 5۔ انہوں نے چاہ زمزم کو دوبارہ کھود کر اس کا نام ”سقاۃ الحاج“ رکھا۔

اگر عبدالمطلب حجت خدا نہ ہوتے تو سنت ابراہیم پر عمل کرتے ہوئے اپنے فرزند عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ نہ کرتے۔ اور حضرت رسول خداؐ ان کے فعل پر فخر کرتے ہوئے کبھی یہ نہ کہتے۔

أَنَا بْنُ الدِّيْنَحِينَ -

”میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے جس وجہ سے اسماعیل کو ذبح ہونے سے بچایا تھا ، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ کو ذبح ہونے سے محفوظ رکھا اور دونوں بزرگواروں کے محفوظ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ ان کے صلب میں موجود تھے ، رسول خداؐ اور ائمہ ہدای علیہم السلام کی برکت سے دونوں بزرگ ذبح ہونے سے محفوظ رہے ، اور لوگوں میں بھی اپنی اولاد کو ذبح کرنے کی رسم جاری نہ ہوئی ، اگر اسماعیل و عبداللہ ذبح ہو جاتے تو لوگوں پر اپنی اولاد کی قربانی فرض ہو جاتی ، اور قیامت تک خدا کو تقرب حاصل کرنے کے لیے جتنی بھی قربانیاں ہوتی رہیں گی وہ سب اسماعیل کا فدیہ منظور ہوں گی۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں۔

ذبح کے متعلق روایات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے ، بعض روایات میں ہے کہ ذبح ہونے والے اسحاقؑ تھے اور اکثر روایات میں ہے کہ ذبح ہونے والے اسماعیلؑ تھے اور جن روایات میں اسماعیلؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ روایات ازروئے سند بھی زیادہ قوی ہیں ، اسی لیے ان کا انکار ممکن نہیں ہے۔

جب قربانی کا واقعہ ہوا تو اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے ، اور جب پیدا ہونے اور منصب نبوت حاصل کرنے کے بعد انہیں قربانی کی وجہ سے اسماعیلؑ کے مراتب کا علم ہوا تو ان کے دل میں بھی یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش وہ بھی اپنے بھائی کی طرح سے راہ خدا میں ذبح ہونے کے لیے اپنا سر جھکا دیتے اور

ان کی طرح سے صبر کر کے ان کے برابر ثواب حاصل کرتے۔
اور اللہ تعالیٰ نے جب ان کی نیت کے اخلاص کا مشاہدہ کیا تو اپنے ملائکہ
میں ان کا نام ذبیح رکھ دیا اور میں نے کتاب النبوة میں اس حدیث کو اسناد کے ساتھ
تحریر کیا ہے۔

علاماتِ امام پر حضرت کا فرمان

۱۔ (حذف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام نے فرمایا: ”امام کی یہ علامتیں ہیں۔“

- 1۔ امام تمام لوگوں سے بڑا عالم ہوتا ہے۔
- 2۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے۔
- 3۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ پرہیز گار ہوتا ہے۔
- 4۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ حلیم ہوتا ہے۔
- 5۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ بہادر ہوتا ہے۔
- 6۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔
- 7۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہوتا ہے۔
- 8۔ امام خندہ شدہ پیدا ہوتا ہے۔
- 9۔ امام طاہر و مطہر ہوتا ہے۔
- 10۔ امام اپنے پس پشت ایسے دیکھتا ہے جیسا کہ اپنے سامنے دیکھتا ہے۔
- 11۔ امام کا سایہ نہیں ہوتا۔
- 12۔ امام جب شکم مادر سے زمین پر قدم رکھتا ہے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے بل زمین پر سجدہ کرتا ہے اور بلند آواز سے کلمہ شہادتین ادا کرتا ہے۔
- 13۔ امام کو احتلام نہیں ہوتا۔
- 14۔ امام کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن امام کا دل نہیں سوتا۔
- 15۔ امام محدث بہ اللہ خدا ہوتا ہے۔

16۔ امام کے جسم پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرد پوری آتی ہے۔

17۔ امام کا بول و براز کسی کو دکھائی نہیں دیتا کیونکہ زمین اس کے نکلنے پر مکمل ہے۔

18۔ امام کے بدن سے اُٹھنے والی خوشبو مشک کی خوشبو سے کہیں زیادہ اچھی ہوتی ہے۔

19۔ امام لوگوں کی جانوں سے ان پر زیادہ حق تصرف رکھتا ہے۔

20۔ امام لوگوں کے لیے والدین سے زیادہ شفیق ہوتا ہے۔

21۔ امام اللہ کے لیے تمام انسانوں سے زیادہ تواضع کرنے والا ہوتا ہے۔

22۔ امام حکم خدا کا سب سے زیادہ پابند ہوتا ہے۔

23۔ امام منہیات سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوتا ہے۔

24۔ امام کی دعا مقبول ہوتی ہے ، اگر وہ چنان کے لیے بھی دعا کرے تو وہ بھی دو حصے میں تقسیم ہو جائے گی۔

25۔ امام کے پاس رسول خداؐ کے ہتھیار اور ان کی تلوار ذوالفقار ہوتی ہے۔

26۔ امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک آنے والے تمام شیعوں کے نام موجود ہوتے ہیں۔

27۔ امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک آنے والے دشمنوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

28۔ امام کے پاس ایک ”جامعہ“ ہوتا ہے ، جامعہ ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے ، اس میں وہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جن کی اولاد آدم کو ضرورت ہو سکتی ہے۔

29۔ امام کے پاس جعفر اکبر اور جعفر اصغر ہوتا ہے۔

30۔ امام کے پاس ایک بحری اور ایک بھیر کی کھال ہوتی ہے ، جس میں

تمام علوم ہوتے ہیں ، یہاں تک کہ خراش کرنے کی دیت اور ایک اور نصف کوڑے تک کا بھی تذکرہ موجود ہوتا ہے۔

31۔ امام کے پاس حضرت فاطمہ الزہرا علیہا السلام کا مصحف ہوتا ہے۔

۲۔ ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔

1۔ امام مؤید بروج القدس ہوتا ہے۔

2۔ امام کے اور خدا کے درمیان نور کا ایک ستون ہوتا ہے ، جس

کے ذریعے سے وہ بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے ، امام کو جب کچھ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس ستون میں سے دیکھتا ہے ، جب ستون پھیل جائے تو وہ جان لیتا ہے اور اگر ستون سمیٹ لیا جائے تو اسے علم نہیں ہوتا۔

امام کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوتی ہے اور امام خود بھی پیدا ہوتا ہے ، امام تندرست بھی ہو سکتا ہے اور امام بیمار بھی ہو سکتا ہے۔

امام کھاتا اور پیتا بھی ہے ، امام بول و براز بھی کرتا ہے ، امام نکاح بھی کرتا

ہے ، امام کو نیند بھی آتی ہے اور امام پہ سو و نسیان بھی ہو سکتا ہے (۱)

امام خوش بھی ہوتا ہے اور غمگین بھی ہوتا ہے اور امام ہنستا بھی ہے اور روتا

بھی ہے ، امام زندگی بسر بھی کرتا ہے اور امام پر موت بھی وارد ہوتی ہے ، امام

۱۔ بعض قدیم قلمی نسخوں میں یہ جملہ یوں مرقوم ہے ”والامام لا یسنی ولا یسبو“ یعنی امام پہ سو و نسیان طاری نہیں ہوتا لیکن متن کے الفاظ مصنف کے نظریہ کے مطابق ہیں کیونکہ مصنف علامہ کا نظریہ یہ تھا کہ امام پہ سو و نسیان طاری ہو سکتا ہے ، اہل سنت نے تو آنحضرتؐ کے متعلق بھی روایت لکھی ہے کہ آپؐ نے چار رکعتی نماز کو دو رکعت پڑھا دی تھی جس پر ذوالعیدین نامی ایک صحابی نے آپؐ سے پوچھا کہ نماز قصر ہو گئی یا آپؐ بھول گئے ؟ حضورؐ نے فرمایا :

ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا ، بعد میں دوسرے صحابہ نے ذوالعیدین کی گواہی دی۔ مذکورہ روایت کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی ابو ہریرہؓ ہے ، اور اگر بالفرض نبی و امام کے لیے سو و نسیان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

شیخ مفید نے اپنے استاد علامہ کی ترویید میں ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس میں انہوں نے دل کئی سے ثابت کیا تھا کہ نبی و امام سو و نسیان سے مبرا ہوتے ہیں۔

مدفون بھی ہوتا ہے اور اس کی زیارت بھی کی جاتی ہے اور امام عرصہ محشر میں اٹھایا بھی جائے گا اور ان سے سوال بھی کیا جائے گا ، محشر میں امام کو ثواب بھی عطا کیا جائے گا اور ان کا احترام بھی کیا جائے گا اور امام شفاعت بھی کریں گے۔

امام کی پہچان دو چیزوں سے ہوتی ہے ، علم اور دعا کی قبولیت سے اور امام کسی واقعے کی قبل از وقت خبر اس لیے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی خبر اپنے رسولؐ کو دی ہوئی ہوتی ہے اور رسول خداؐ نے ائمہؑ کو اس کی خبر دی ہوئی ہوتی ہے ، اسی لیے امام اپنے آبائے طاہرینؑ سے وہ علم لے کر قبل از وقت کسی واقعے کی خبر دیتے ہیں ، اور آنحضرتؐ کو وہ خبر علام الغیوب خدا کی طرف سے جبریل امین کے ذریعے سے موصول ہوتی ہے۔

رسول خداؐ کے بعد گیارہ ائمہؑ میں سے حضرت علی اور امام حسین علیہما السلام تلوار سے شہید ہوئے اور باقی نو امامؑ زہر سے شہید کیئے گئے اور ہر امامؑ کو ان کے زمانے کے طاغوت نے شہید کرایا۔

ائمہ بڑی حقیقی معنوں میں شہید ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں غلاۃ (۱) اور مفوضہ (۲) لعنہم اللہ کا قول غلط ہے ، یہ بدعت کہتے ہیں کہ ”ائمہ بڑی درحقیقت قتل نہیں ہوئے ، لوگوں کو ان کی شہادت کے متعلق اشتباہ ہوا ہے۔“

یہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

عیسیٰ بن مریمؑ کے علاوہ کسی بھی نبی یا امام کی شہادت کا معاملہ کبھی بھی اشتباہ میں نہیں آیا۔

۱۔ غلاۃ ، جمع ہے غالی کی اور غالی وہ ہیں جنہوں نے ائمہؑ کی شان میں دو باتیں کہیں جو انہوں نے خود اپنے متعلق نہیں کہیں ، یہ لوگ کبھی تو اللہ کی تخلیق مخلوق سے دیتے ہیں اور کبھی مخلوق کی تخلیق اللہ سے دیتے ہیں ، غلاۃ کے نظریات مذاہب صوفیہ اور مذاہب تاجلیہ کے نظریات سے ماخوذ ہیں۔

(۲) مفوضہ دو بولگ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو پیدا کر کے خلق عالم اور تدبیر جن کے جملہ امور ان کے سپرد کر دیئے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جملہ امور علی بن ابی طالبؑ کے حوالے کر دیئے۔

ماخوذ از کتاب الفرق بین الفرق طبع مصر صفحہ ۱۸ ، ۱۵۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ زمین سے اٹھایا گیا اور زمین و آسمان کے درمیان ان کی روح قبض کر لی گئی ، پھر انہیں آسمان پر لے جایا گیا اور ان کی روح ان کے جسم میں پلٹا دی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِي مَتَوْفِكَ وَرَأَيْكَ إِلَىٰ - - -

(آل عمران - ۵۵)

”جب اللہ تعالیٰ نے کہا ، اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کا قیامت کے دن کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا :-

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ - (المائدہ - ۱۱۷)

”اور جب تک میں ان میں رہا ، میں ان کا گواہ تھا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو خود ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز کا گواہ ہے“

ائمہ ہدای علیہم السلام کے متعلق تجاوز کرنے والے یہ بد بخت کہتے ہیں :-
جب عیسیٰ کا معاملہ مشتبہ رہ سکتا ہے تو پھر ائمہ ہدای کا معاملہ کیوں مشتبہ نہیں رہ سکتا ؟

ان لوگوں کو یہ جواب دیا جائے گا :-

یہ ضروری تو نہیں کہ ہمارے ائمہ اور عیسیٰ بن مریمؑ میں ہر لحاظ سے مشابہت پائی جائے ، حضرت عیسیٰؑ بغیر والد کے پیدا ہوئے جب کہ ہمارے ائمہ کے والد موجود تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور موت دونوں کو ہی اللہ نے عجیب و غریب بنایا تاکہ دنیا جان لے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وصف امام اور امام کے رتبہ و فضیلت پر آپ کا خطبہ

۱۔ (محذوف اسناد) عبدالعزیز بن مسلم سے مروی ہے کہ جب ہم جناب امام علی رضا علیہ السلام کے ہمراہ مقام مرو میں تھے ، پس بروز جمعہ ہم جامع مسجد میں گئے اور وہاں امرامامت پر بحث شروع ہوئی اور لوگوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ، کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔

جب میں اپنے امام برحق اور سردار مطلق کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے حضور لوگوں کا نظریہ امامت بیان کیا تو امام علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا :-
اے عبدالعزیز ! یہ لوگ بالکل ناواقف ہیں ، ان کی آراء نے ان کو دھوکا دیا ہے ، خداوند بزرگ و برتر نے جب تک دین اسلام کو کامل نہ کر لیا اپنے نبی کو اس وقت تک دنیا سے نہیں بلایا ۔

ان پر قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز حلال و حرام ، حدود و احکام اور تمام انسانی ضروریات کا مفصل بیان مذکور ہے ۔
پس اللہ نے ارشاد فرمایا :-

مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ - (الانعام - ۳۸)

”ہم نے اس کتاب میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔“

اور حجۃ الوداع میں جو حضور کریم کی عمر شریف کا آخری حصہ تھا ، یہ آیت نازل فرمائی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا - (المائدہ - ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر

دیا ہے ، اور میں نے تمہارے لیے یہی دین اسلام پسند فرمایا ہے۔“

اور امر امامت کا تعلق اتمام دین سے ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم نے عقبی کو اس وقت تک اختیار نہ کیا جب تک انہوں نے معالم دین بیان نہ فرمائے اور آنحضرتؐ ان کا راستہ واضح کر کے انہیں راہ حق پر ڈال کر گئے ، اور ان کے لیے علیؑ کو علم اور امام مقرر کر کے گئے ، آپؐ نے ہر اس چیز جس کی امت کو حاجت تھی بیان فرمائی ، لہذا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل نہیں کیا وہ دراصل کتاب خدا کو رد کرتا ہے اور جو کتاب خدا کو رد کرے وہ کافر ہے ۔

عبدالعزیز! جانتے ہو کہ قدر امامت کیا ہے اور کیا امت کے لیے امامت میں تصرف کرنا جائز بھی ہے یا نہیں ؟

امامت کی قدر و منزلت اس کی شان اور اس کا مکان اور اس کے اطراف و جوانب اور اس کی گہرائی اس بات سے کہیں جلیل ، عظیم ، اعلیٰ ، محفوظ اور بعید ہے کہ لوگ اپنی عقلوں سے اس تک پہنچیں یا اپنی آراء سے اس کو حاصل کریں یا امام کو اپنے اختیار سے قائم کریں۔

امامت ایک ایسا جوہر ہے جو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و خلت کے بعد عطا کیا ، پس امامت ، نبوت و خلت کے بعد کا تیسرا درجہ ہے ، پس امامت وہ فضیلت ہے کہ اس سے ان کو شرف عنایت فرمایا اور اسی سے ان کے ذکر کو محکم فرمایا ، پس ارشاد ہوا۔

إِنِّي جَاعِلٌ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۔ (البقرہ - ۱۲۴)

”بالتحقیق میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا۔“

یہ سن کر حضرت خلیلؑ اس مرتبہ عظمیٰ سے خوش ہوئے اور عرض کی :-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۔ (البقرہ - ۱۲۴)

”کیا یہ مرتبہ میری ذریت کو بھی حاصل ہو گا۔“

ارشاد رب العزت ہوا:-

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ - (البقرہ ۱۲۴)

”ہاں پہنچے گا مگر جو ظالم ہیں ان کو نہیں پہنچے گا۔“

پس اس آیت نے ہر ظالم کی امامت کو قیامت تک کے لیے باطل کر دیا اور اس کو صرف معصومین میں باقی رکھا۔

پھر خداوند عالم نے جناب ابراہیم کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کی ذریت میں معصومین و مطہرین کو خلق فرمایا اور ارشاد فرمایا :-

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَالْقَامِ
الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ - (الانبیاء ۷۲، ۷۳)

”ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب عنایت فرمائے اور ان کو صالح بنایا اور ہم نے ان کو امام بنایا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں اور ہم نے ان کو وحی کی کہ کل اچھے کاموں کو بجالائیں اور مخلوقات میں نماز کو قائم کرائیں اور زکوٰۃ دلوائیں اور وہ سب صرف ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے۔“

پس یہ عمدہ امامت جناب ابراہیم کی ذریت میں بطور میراث جاری رہا اور ایک کے بعد دوسرا اس کا وارث ہوتا رہا، یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وارث بنایا اور ارشاد فرمایا:-

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ - (آل عمران ۶۸)

”بالتحقیق وراثت ابراہیم کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مؤمنین کا ولی

ہے۔“

پس یہ عمدہ امامت خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا، جو انہوں نے بطریق سنت خداوندی اپنے بھائی علی بن ابی طالبؑ کو سونپا ، پس علی بن ابی طالب کی ذریت میں اصفیاء و اتقیاء پیدا ہوئے جنہیں خداوند عالم نے علم و ہبی اور ایمان لدنی عنایت فرمایا جس کا بیان اس آیت مجیدہ میں مذکور ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ - (الروم - ۵۶)

”جن لوگوں کو علم اور ایمان خداوند عالم کی طرف سے عطا ہوا ہے ، وہ کہیں گے کہ تم لوگ کتاب خدا کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے۔ تو یہ قیامت کا دن ہے۔“

پس وہ امامت اب اولاد علی بن ابی طالب علیہ السلام میں قیامت تک محصور اور مخصوص ہے ، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے ، پس یہ جاہل لوگ کہاں سے امامت کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ امامت مقام انبیاء اور میراث اوصیاء ہے اور امامت خلافت الہی اور خلافت رسول ہے اور مقام امیر المومنین اور میراث حسن اور حسینؑ ہے۔

امامت سلک دین ہے ، امامت نظام مسلمین ہے ، امامت صلاح دنیا ہے ، امامت مومنین کی عزت ہے اور امامت اسلام عالی کی اصل ہے اور اس کی بلند و بالا شاخ ہے اور امام کی وجہ سے نماز ، زکوٰۃ ، روزہ ، حج اور جہاد اور غنیمت و صدقات کامل ہوتے ہیں اور امام حدود الہی اور احکام خداوندی کو جاری کرتے ہیں اور سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام کرتے ہیں اور حدود الہیہ کو قائم کرتے ہیں اور دین خدا کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے

کی حکمت ، موعظہ حسنہ اور حجت بالغہ سے دعوت دیتے ہیں ۔

امام شمس نصف النہار کی طرح ہے جو اپنی ضیا بارشعاعوں سے عالم کو روشن کرتا ہے اور خود اس قدر بلند مقام پر ہوتا ہے کہ نہ تو وہاں تک کوئی ہاتھ پہنچ سکتا ہے اور نہ نظر کام کر سکتی ہے ۔

امام بدر منیر ، روشن چراغ ، نور ساطع اور تاریک راتوں ، شہروں کے چوراہوں ، چٹیل میدانوں اور بھتے سمندروں میں رہنمائی کرنے والا ستارہ ہے۔

امام پیاسوں کے لیے آب شیریں ہے ، ہدایت کا رہبر ہے ، ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔

امام آگ کے بعد نور کی گرمی کی شدت ہے (اخیائے عرب قحط سالی میں بلند مقام پر آگ روشن کر دیتے تھے تاکہ بھولا بھٹکا شخص اسے دیکھ کر ان کے پاس آجائے)۔

امام سرما خورد کے لیے حرارت ہے اور خوفناک مقامات پر امام رہبر ، ہے ، جو امام کو چھوڑ دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا ، امام برسنے والا بادل ہے ، امام جھری والی گھٹا ہے ، امام ضیا بار سورج ہے ، امام سایہ دار آسمان ہے ، امام پر فضا زمین ہے ، امام بہتا ہوا چشمہ ہے ، امام پانی سے لبریز تالاب ہے ، امام پر بیمار سبزہ زار ہے۔

امام رفیق ساتھی اور شفیق والد اور مربیان بھائی ، شفیق ماں اور آفتوں اور بلاؤں میں جائے پناہ ہے ، امام مخلوقات میں اللہ کا امین ہے اور بندوں پر اللہ کی حجت ہے ، اور اللہ کی سلطنت میں اس کا خلیفہ ہے۔

امام اللہ کی طرف بلانے والا ہے ، امام اللہ کے حرم کا محافظ ہے ، امام گناہوں سے پاک اور عیوب سے بری ہے ، امام علم سے مخصوص ہے ، امام علم سے موسوم ہے ، امام دین کا نظام ہے ، امام مسلمانوں کی عزت ہے اور امام منافقین

کے لیے باعثِ غیظ و غضب ہے اور امام کفار کے لیے پیغامِ ہلاکت ہے۔
 امام اپنے زمانے میں دیکھتا ہوتا ہے ، کوئی اس کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا
 اور نہ کوئی عالم اس کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ تو امام کا بدل مل سکتا ہے اور نہ کوئی
 اس کا مثل و نظیر ہوتا ہے ، تمام فضائل بغیر طلب و اکتساب کے اس کے ساتھ مخصوص
 ہوتے ہیں اور یہ اس کو فضل کرنے اور عطا کرنے والے خدا کی طرف سے
 خصوصیت ملی ہے۔

پس کون ہے جو معرفتِ امام حاصل کرے اور کس کی مجال ہے کہ اپنی مرضی
 سے امام بنائے ، یہ بات بہت دور ہے ، بہت دور ہے ! عقل گمراہ ہے دانش
 پریشان ہے ، خرد حیران ہے ، آنکھیں چندھیا گئی ہیں بڑے بڑے حقیر ہو گئے ہیں
 حکماء متحیر ہیں۔

صاحبانِ دانش قاصر ہیں ، خطباء گنگ ہیں ، دانا جاہل ہیں ، شعراء تھک
 گئے ، ادباء عاجز ہو گئے ، بلغاء رہ گئے اور یہ تمام طبقے امام کی شان یا فضیلت بیان
 کرنے سے عاجز آ گئے۔ اور انہوں نے اپنی عاجزی اور تقصیر کا اعتراف کر لیا اور یہ
 لوگ امام کے اوصاف یا نعت و کثہ بیان کریں تو کیسے کریں جب کہ امام کا کوئی امر
 ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا ؟

کسی کی کیا مجال کہ اپنی جانب سے امام کا قائم مقام ہو سکے یا اس سے
 مستغنی کر سکے۔

برگز نہیں ، کس طرح اور کہاں ! وہ تو ثریا کی طرح لوگوں کے ہاتھوں
 اور تعریف کرنے والوں کی زبانوں سے بلند اور دور ہے۔

پس وہ ایسے صفات نے حامل کو کہاں سے اختیار کر سکتے ہیں اور اس تک
 عقلیں کب ، کیسے پہنچ سکتی ہیں اور ایسا کہاں مل سکتا ہے ؟

اور کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ ایسا شخص آل رسول کے علاوہ کہیں اور مل

سکتا ہے ؟

اللہ کی قسم ! ان کے نفوس نے انہیں دھوکا دیا ہے اور ان کے باطل خیالات نے انہیں جھوٹی آرزو میں مبتلا کیا ہے ، وہ ایک دشوار گزار مملکت مقام پر چڑھ گئے جہاں سے پھسل کر تحت الثریٰ میں گرے اور انہوں نے اپنی متحیر و ناقص عقول اور گمراہ آراء سے امام کے تقرر کا قصد کر لیا ہے ، یہ لوگ اسی وجہ سے امام برحق سے بہت دور چلے گئے۔

قَالَ لَهُمُ اللَّهُ أَنِّي يُؤْفِكُونُ - (التوبہ - ۳۰)

” انہیں خدا مارے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔“

بالتحقیق انہوں نے بڑی جرأت کی اور جھوٹ کہا ہے اور سخت گمراہی میں پڑ گئے اور دیدہ و دانستہ امام برحق کو چھوڑ کر حیران ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے غلط اعمال کو ان کے لینے مزین کر دیا ہے اور راہ حق سے ان کو روک دیا ہے ، اور انہوں نے جان بوجھ کر امام کو چھوڑ دیا ہے ، اور انہوں نے خدا و رسولؐ کے اختیارات کا انکار کر کے اپنے اختیار کو ترجیح دی ہے ، حالانکہ قرآن مجید ان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (القصص - ۶۸)

” اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مختار بناتا ہے ، ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس کو چاہیں اپنا مختار بنالیں ، اللہ ان کے شرک سے پاک ہیں۔“

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ - (النحزب - ۳۶)

”کسی مومن اور مومنہ کو اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنی مرضی سے اس میں تغیر و تبدل کریں۔“
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَحْيَرُونَ أَمْ لَكُمْ آيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔
(القلم۔ ۲۱ تا ۲۶)

”تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو اور تمہارے واسطے اس میں جو کچھ چاہو موجود ہے، یا تمہارا کامل عہد و پیمان قیامت تک ہم سے یہ ہے کہ جو کچھ تم حکم لگاؤ ہمیں منظور ہے؟ اے پیغمبر! ذرا ان سے پوچھئے تو سہی کہ اس بات کا تم میں سے کون ذمہ دار ہے؟ یا ان کے شرکاء ہیں، اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو وہ اپنے شرکاء کو بلائیں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَفْفَاكُهَا۔ (محمد۔ ۲۴)
”یہ لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟“

یا اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے؟
یا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا، حالانکہ نہیں سنتے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ۔

”بالتحقیق اللہ کے نزدیک سب سے برا چلنے پھرنے والا وہ ہے جو کچھ نہیں سنتا اور نہیں سمجھتا اور اگر اللہ کو ان میں کچھ بھلائی نظر آتی تو وہ ضرور ان کو سننے والا بناتا اور اگر سننے والا بناتا تو بھی وہ حق سے اعراض کر کے بھاگتے۔“

یا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا لیکن ہم مخالفت ہی کریں گے (خیر جو کچھ ہو) امامت فضل خدا ہے اور فضل خدا کا وصف یہ ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ-

(جمہور-۴)

”یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

پس کس طرح وہ امام کو خود اختیار کر سکتے ہیں، حالانکہ امام ایسا عالم ہے کہ کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور ایسا داعی ہے کہ تنگ نہیں ہوتا اور وہ تقدس، طہارت، نسک، زہد، علم، عبادت کا منبع اور سرچشمہ ہوتا ہے۔

امام دعوت رسول سے مخصوص ہوتا ہے اور نسل بتوں کا پاک و پاکیزہ فرد ہوتا ہے، اس کے نسب میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور حسب میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، امام خاندان میں قریشی اور ہاشمی الاصل ہوتا ہے، عترت رسول ہوتا ہے، امام اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، اشراف کے لیے مایہ شرافت اور عبد مناف کی شاخ ہے علم میں نامی اور حلم میں کامل ہوتا ہے۔

امام حامل بار امامت اور عالم علم سیاست اور واجب الطاعت قائم بامر اللہ، خیر خواہ عباد اور محافظ دین خدا ہے۔

انبیاء اور ائمہ خدا کی طرف سے توفیق یافتہ ہوتے ہیں اور خداوند عالم انہیں اپنے علم مخزون اور حکمت سے سب سے زیادہ حصہ عنایت فرماتا ہے، ان کا علم کل علمائے زمانہ سے زیادہ ہوتا ہے، جس کا تذکرہ خداوند عالم نے اس آیت میں کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُتَّبَعَ اَمَّنْ لَا يَهْدِيْ اِلَّا

اَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ۔ (یونس۔ ۳۵)

”کیا وہ شخص جو حق کی ہدایت کرتا ہے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جس میں ہدایت کی صلاحیت ہی نہیں اور دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے پس تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (البقرہ۔ ۲۶۹)

”حس کو اللہ کی طرف سے حکمت ملی، اس کو خیر کثیر عطا ہوئی۔“

اور اللہ تعالیٰ نے طالوت کے متعلق ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ

يُؤْتِي مَلَكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (البقرہ۔ ۲۴۷)

”بالتحقیق اللہ نے اس کو تم پر مختار بنا دیا ہے اور اسے علم اور جسم میں تم پر زیادتی عطا فرمائی ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے، اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے فرمایا:-

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ (النساء۔ ۱۱۳)

”اور ہمیشہ سے تم پر اللہ کا عظیم فضل رہا ہے۔“

اور ابراہیم اہل بیتؑ نبی، عزرت نبیؑ اور ذریت نبیؑ کی نسبت ارشاد فرماتا ہے:-

اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا

اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مَّلٰكًا عَظِيْمًا فَمِنْهُمْ مَنْ

اٰمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا۔ (النساء۔ ۵۴، ۵۵)

”کیا ان فضائل پر جو اللہ نے انہیں عطا کیے ہیں لوگ حسد کرتے ہیں، پس

اس سے پہلے بھی ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا تھا،

پس بعض ان میں سے ایمان آئے اور بعض رُک گئے اور جہنم ان کے عذاب کے لیے کافی ہے۔“

اور جب اللہ اپنے بندوں کے امور کے لیے کسی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے سینے کو کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اس کو ہر طرح کا علم الہام کر دیتا ہے۔

پس وہ کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں ہوتا ، اور راہ حق سے کبھی منحرف نہیں ہوتا ، پس وہ معصوم ہے ، مؤید ہے ، موثق ہے ، مسدد ہے ، ہر طرح کی خطا و لغزش سے محفوظ ہے۔

اللہ اس کو ان امور سے مخصوص فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر رحمت ہو اور اس کی مخلوقات پر اس کا شاہد ہو ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ-

(جمہ - ۴)

”یہ خدا کا مخصوص فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے“

پس کیا یہ لوگ ایسے شخص کے انتخاب پر قدرت رکھتے ہیں جو ان صفاتِ حسنہ کا حامل ہو اور کیا ان کا اپنی مرضی سے چنا ہوا شخص مذکورہ صفات سے موصوف ہو سکتا ہے کہ اس کو مقتدا بنائیں ؟

بیت اللہ کی قسم ! یہ لوگ حق سے تجاوز کر گئے ہیں اور کتاب خدا کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ کچھ جانتے ہی نہیں اور حالانکہ کتاب خدا میں ہدایت اور شفا ہے ، پس اس کو تو انہوں نے چھوڑ دیا ہے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کر لی ہے۔

پس خداوند عالم نے ان کی مذمت کی ہے اور ان کو مورد عذاب و ہلاکت قرار دیا ہے ، پس رب العالمین نے ارشاد فرمایا :-

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (القصاص۔ ۵۰)

”اور اس سے بھی بھلا کوئی زیادہ گمراہ ہے جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو، حالانکہ اللہ نے اس کو اس امر کی ہدایت نہیں کی اور اللہ ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں کرتا“

اور رب العزت نے ارشاد فرمایا:-

فَتَعَسَّأَ لَهُمْ وَ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ۔ (محمد۔ ۸)

”پس ہلاکت ہے ان کے لیے اور ان کے سارے اعمال بے کار ہیں۔“

اور ارشاد فرمایا:-

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذْلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (مومن۔ ۳۵)

”اللہ اور اہل ایمان کے ہاں یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے اور اسی طرح

سے اللہ ہر متکبر اور جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔“ (۱)

۲۔ مجھ سے یہ حدیث محمد بن محمد بن عصام کلینی اور علی بن احمد بن محمد بن عمران دقاق اور علی بن عبد اللہ وراق اور حسن بن احمد المؤدب اور حسین بن ابراہیم بن احمد بن ہشام (ہاشم) مؤدب رضی اللہ عنہم نے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث محمد بن یعقوب کلینی سے روایت کی، انہوں نے ابو محمد قاسم بن علا سے یہ حدیث نقل کی، انہوں نے قاسم بن مسلم سے، انہوں نے یہ حدیث عبد العزیز بن مسلم سے روایت کی اور انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے مذکورہ حدیث روایت کی۔

۱۔ شانِ اہمیت پر مشتمل یہ خطبہ جب رات بے لکھے کے قابل ہے مگر اس خطبہ کے علاوہ اہمیت کے لیے کوئی دوسری حدیث نہ بھی ہوتی تو بھی یہ خطبہ شانِ اہمیت کے لیے کافی ہوتا۔

حضرت کی زبانی فاطمہ زہراؑ کی شادی کی روایت

۱۔ ابو الحسن محمد بن علی بن شاہ نے مرو روڈ میں ہمیں یہ حدیث سنائی ، انہوں نے یہ حدیث ابو العباس احمد بن مظفر بن حسین سے سنی ، انہوں نے ابو عبد اللہ محمد بن زکریا بصری سے یہ حدیث سنی ، انہوں نے محمد بن سائق سے ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد علیہ السلام سے ، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے ، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے ، انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے ، انہوں نے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد علی بن ابی طالب نے فرمایا :-

میں نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی کا ارادہ کیا لیکن رسول خداؐ کے سامنے خواستگاری کی مجھ میں جرأت نہیں ہوتی تھی ، اور دن رات میرے ذہن پر یہی سوچ سوار تھی ، ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا :-
”یا علی !“

میں نے عرض کی : ”لبیک یا رسول اللہؐ!“

آپؐ نے فرمایا : ”کیا تم شادی کرنے کی خواہش رکھتے ہو ؟“

میں نے عرض کی : ”اللہ کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔“

میں نے گمان کیا کہ شاید آنحضرتؐ قریش کی کسی عورت سے کہیں میرا نکاح

نہ کر دیں اور اگر ایسا ہوا تو فاطمہ (س) سے محروم ہو جاؤں گا۔

پھر اچانک آنحضرتؐ نے مجھے ام سلمہؓ کے گھر میں بلایا ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا ان کا چہرہ کھل اٹھا اور آپؐ مسکرائے ،

یہاں تک کہ آپؐ کے دانتوں کی چمک مجھے نظر آئی اور آپؐ نے مجھے فرمایا :-
 ”علیٰ ! تمہیں مبارک ہو ، تمہاری شادی کی فکر کے لیے اللہ نے میری
 کفایت کی۔“

میں نے عرض کی : ”یا رسول اللہ ! وہ کیسے ؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ”میرے پاس
 جبریل آئے اور ان کے پاس جنت کا ایک خوشہ اور لونگ تھا ، انہوں نے دونوں
 چیزیں مجھے پکڑا دیں۔“

میں نے انہیں لے کر سونگھا اور میں نے کہا :-

”جبریل ! یہ خوشہ اور یہ لونگ کیسا ہے ؟“

انہوں نے کہا : ”اللہ تعالیٰ نے ملائکہ بہشت اور ساکنین جنت کو حکم دیا کہ وہ جنت
 کی نہروں اور پھلوں اور اشجار اور محلات کو مزین کریں اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم
 دیا ، ہوائے عطر و خوشبو کی لپٹیں نثار کیں اور اللہ تعالیٰ نے حور العین کو حکم دیا کہ وہ
 سورۃ طہ ، طس (سورۃ نمل) اور حمّ عسق (سورۃ شوریٰ) کی تلاوت کریں۔“
 بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذن خدا سے یہ منادی کی :-
 ”اے میرے ملائکہ اور میری جنت میں رہائش پذیر مخلوق ! گواہ رہو میں نے
 فاطمہ بنت محمدؐ کی تزویج علی بن ابی طالبؑ سے کر دی اور یہ تزویج ان دونوں
 اور میری رضامندی سے ہوئی ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ”راحیل“ ہے اور وہ
 تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے ، اس کو خطبہ نکاح پڑھنے کا حکم
 صادر فرمایا ، اس نے حکم الہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس جیسا خطبہ آج
 تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔

پھر منادی نے حق کی طرف سے ندا دی :-

”میرے ملائکہ اور میری جنت کے باسیو! تم علی بن ابی طالب علیہ السلام اور میرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمہ بنت محمد علیہما السلام پر برکت بھیجو، اور میں بھی ان پر برکت بھیجتا ہوں۔“

راحیل فرشتہ نے عرض کی: ”پروردگار! ہم نے علی و فاطمہ علیہما السلام کے لیے جو برکت تیری جنت اور تیری دار کرامت میں دیکھی ہے اس سے زیادہ تو دنیا میں ان پر برکت نازل نہیں کرے گا۔“

خداوند عالم نے فرمایا: ”راحیل! ان دونوں پر میری برکت یہ ہے کہ ان دونوں کو اپنی محبت پر جمع کروں گا اور ان دونوں کو اپنی مخلوق پر حجت بناؤں گا۔ اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں ان دونوں سے مخلوق پیدا کروں گا اور ان سے ان کی ذریت جاری کروں گا، انہیں اپنی زمین میں اپنا خازن بناؤں گا اور اپنی حکمت کا انہیں معدن بناؤں گا، اور انبیاء اور مرسلین کے بعد انہی کے ذریعے سے اپنی مخلوق پر حجت قائم کروں گا۔“

لہذا علی! تمہیں مبارک اور خوشخبری ہو، میں نے تمہارا اسی مہر پر اپنی بیٹی فاطمہ سے نکاح کیا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس مہر پر اللہ راضی ہے، میں بھی اسی مہر پر راضی ہوں۔

تم اپنی زوجہ کو لے جا سکتے ہو، کیونکہ اب میری بہ نسبت تم اس کے زیادہ حقدار ہو، مجھے جبریل امینؑ نے خبر دی ہے کہ جنت اور اہل جنت تم دونوں کے مشتاق ہیں، اگر اللہ نے تم دونوں سے اپنی حجتوں کا ظہور نہ کرانا ہوتا تو اہل جنت اور جنت کی خواہش کے تحت تم دونوں کو فوراً وہاں بھیج دیتا، تم میرے بہترین بھائی اور بہترین داماد اور بہترین ساتھی ہو، رضائے الہی تمہاری رضامندی کے لیے کافی ہے۔

حضرت علیؑ نے کہا: ”پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے عطا کی ہے۔“

رسول خداؐ نے فرمایا: ”آمین!“

۲۔ مجھ سے یہ حدیث علی بن احمد بن محمد بن عمران نے بیان کی، انہوں نے یہ حدیث احمد بن یحییٰ بن زکریا قحطان سے، انہوں نے ابو محمد بحر بن عبد اللہ بن جندب (حبیب) سے، انہوں نے احمد بن حرث (حارث) سے، انہوں نے ابو معاویہ سے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد محمد باقر علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام سے، انہوں نے امام حسین علیہ السلام سے، انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے فاطمہ سے شادی کا ارادہ کیا لیکن میں رسول خداؐ کی خدمت میں خواستگاری کی جرأت نہ کر سکا۔

اس کے بعد مذکورہ حدیث بیان ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث اور بھی کئی طریقوں سے مروی ہے جن کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب مدینۃ العلم میں کیا ہے (۱)

۳۔ (محذوف اسناد) حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے ان کے آباؤں کے آباؤں کی سند سے سنا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: یا علی! قریش کے کئی افراد فاطمہ کے معاملے کی وجہ سے مجھ پر ناراض ہوئے اور مجھ سے کہا:۔

ہم نے آپ سے آپ کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ نے ہمیں رشتہ دینا گوارہ نہ کیا اور علی سے ان کا نکاح کر دیا۔

میں نے انہیں کہا: ”خدا کی قسم! میں نے تمہیں اس رشتہ سے محروم نہیں کیا اور میں نے اپنی مرضی سے علی کو رشتہ نہیں دیا بلکہ تمہیں اللہ نے محروم رکھا اور

۱۔ ”مدینۃ العلم“ شیخ صدوق علیہ السلام کی اہم کتاب ہے لیکن یہ کتاب ہندوئی زمانہ کی وجہ سے تلف ہو چکی ہے

اللہ نے علیؑ کا نکاح کیا ” مجھ پر جبریل نازل ہوئے اور کہا :-

”محمدؐ ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

”اگر میں علیؑ کو پیدا نہ کرتا تو روئے زمین پر فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا ، نہ ہی آدمؑ اور نہ ہی کوئی اور“۔

۴۔ ہم سے یہ حدیث احمد بن زیاد بن جعفر ہمدانی رضی اللہ عنہ نے بیان کی ، انہوں نے یہ حدیث علی بن ابراہیم بن ہاشم سے ، انہوں نے اپنے والد سے ، انہوں نے علی بن معبد سے ، انہوں نے حسین بن خالد سے ، انہوں نے امام علی رضاؑ سے یہ حدیث روایت کی اور آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے درج بالا حدیث نقل کی۔

مصنف کہتے ہیں

میں نے اس روایت کے تمام طرق ”کتاب مولد فاطمہ و فضائلھا“ میں جمع کیئے ہیں۔

آپؐ کی روایت کہ ایمان معرفت بالقلب ، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا مجموعہ ہے۔

۱۔ (حذف اسناد) ابو الصلت ہروی کہتے ہیں ، میں نے امام علی رضاعلیہ السلام سے ان کے آباۓ طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا۔ آپؐ نے فرمایا:-

”ایمان نام ہے معرفت بالقلب ، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا۔“

یعنی تین اجزاء کے مجموعے کا نام ایمان ہے ، دل تصدیق کرے ، زبان اقرار کرے اور اعضاء و جوارح سے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔

۲۔ (حذف اسناد) عبدالسلام بن صالح ہروی نے امام علی رضاعلیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آباۓ طاہرینؑ علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”ایمان معرفت بالقلب ، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔“

۳۔ (حذف اسناد) ابو الصلت ہروی کہتے ہیں ، میں نے امام علی رضاعلیہ السلام سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا :-

”ایمان دل کے عقیدہ اور زبان کے الفاظ اور اعضاء و جوارح کے مجموعہ کا نام ہے ، ایمان اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔“

۴۔ (حذف اسناد) عبدالسلام بن صالح المروی نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آباۓ طاہرینؑ کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:-

”ایمان معرفت بالقلب ، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔“

۵۔ (حذف اسناد) ابو احمد داؤد بن سلیمان غازی نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپ کے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا:-

”ایمان اقرار باللسان ، معرفت بالقلب اور عمل بالارکان کا نام ہے۔“

حمزہ بن محمد علوی رضی اللہ عنہ نے کہا:-

میں نے اپنے والد اور عبدالرحمان بن ابی حاتم سے سنا ، ابو حاتم کہتے تھے اگر اس حدیث کے اسناد کو کسی دیوانہ پر بھی پڑھا جائے تو وہ بھی تندرست ہو جائے گا۔ یعنی امام علی رضا علیہ السلام کے مبارک نام سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام تک یہ پاکیزہ اسماء کو کسی دیوانہ پر بھی دم کیا جائے تو ان پاکیزہ ناموں کی برکت سے وہ شفا یاب ہو جائے گا۔

۶۔ مجھ سے میرے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا، ان سے محمد بن معقل

القرمیسینی (۱) نے بیان کیا ، ان سے محمد بن عبداللہ بن طاہر نے بیان کیا:-

میں اپنے والد کے سر ہانے کھڑا تھا ، اور اس وقت ہمارے گھر میں ابو الصلت ہروی اور اسحاق بن راہویہ اور احمد بن محمد بن حنبل موجود تھے ۔

میرے والد نے کہا:-

تم میں سے ہر شخص ایک ایک حدیث پڑھے۔

چنانچہ ابو الصلت ہروی نے یہ حدیث پڑھی۔

حدثنی علی بن موسیٰ الرضا وکان واللہ رضی کما سمی

۱۔ یہ لفظ ”کرمان شای“ کا معرب ہے۔

الایمان قول و عمل۔

”ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔“

جب ہم نکلے تو احمد بن محمد بن حنبل نے کہا :-

”یہ کیسے اسناد ہیں؟“

میرے والد نے کہا :-

”یہ پاگلوں کی نسوار ہے، جب پاگلوں پر یہ نام پڑھے جاتے ہیں تو وہ تندرست ہو جاتے ہیں۔“

حضرت کی زبانی عترت اور امت کا فرق

۱۔ (حذف اسناد) ریان بن صلت بیان کرتے ہیں :-

امام علی رضا علیہ السلام ”مرو“ میں مامون کے دربار میں تشریف لائے ، اس وقت دربار میں عراق و خراسان کے علماء جمع تھے۔ مامون نے علماء سے کہا : آپ حضرات مجھے قرآن کی اس آیت مجیدہ کے متعلق بتلائیں۔

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا - (فاطر-۳۲)

”پھر ہم نے کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں اپنے بندوں میں سے چن لیا۔“

علماء نے کہا : اس سے مراد پوری امت ہے۔

مامون نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا : ابوالحسن ! آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا : میں وہ نہیں کہتا جو انہوں نے کہا ہے ، اس کے لیے میرا قول یہ ہے

”اللہ نے اس سے عترت طاہرہ مراد لی ہے۔“

مامون نے کہا : امت کو چھوڑ کر اللہ نے عترت کیسے مراد لی ہے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا : ”اگر اس سے امت مراد ہوتی تو پوری کی پوری امت ہی جنتی ہوتی ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور پوری آیت یوں ہے۔

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ - (فاطر-۳۲)

”پھر ہم نے کتاب کا وارث ان کو قرار دیا جنہیں اپنے بندوں میں سے چن لیا کیونکہ بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض اعتدال پسند ہیں اور بعض خدا کی اجازت سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور در حقیقت یہ بڑا فضل و شرف ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے سب کو جنت میں جمع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ۔ (فاطر-۳۳)

”یہ لوگ ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل ہوں گے ، انہیں سونے کے کنگن اور موتی کے زیورات پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس جنت میں ریشم کا ہو گا۔“

اسی لیے وراثت کتاب عترت طاہرہ کے لیے مخصوص ہے ، اس سے ان کے غیر مراد نہیں ہیں۔“

مامون نے کہا: عترت طاہرہ کون ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”عترت طاہرہ وہی ہے جن کی توصیف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ
كُمُ تَطْهِيرًا۔ (احزاب-۳۳)

”بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“

اہل بیت وہی ہیں جن کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ ہیں

اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیتؑ، یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں ، دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو، تم انہیں تعلیم مت دینا، وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔

علماء نے کہا: ابوالحسن! آپ ہمیں یہ بتائیں کہ عترت سے مراد آل ہے یا آل کے علاوہ کچھ اور ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”عترت سے مراد آل ہے“
علماء نے کہا: رسول خدا سے مروی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: میری امت میری آل ہے، اور اصحاب رسول نے روایت کی ہے کہ آل محمدؐ سے مراد امت محمدؐ ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے یہ بتاؤ کہ کیا آل پر صدقہ حرام ہے؟“

تمام علماء نے کہا: بے شک آل پر صدقہ حرام ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کیا امت پر بھی صدقہ حرام ہے؟“
علماء نے کہا: نہیں! امت پر صدقہ حرام نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ”یہ آل اور امت کا پہلا فرق ہے، تم پر افسوس ہے تم کہاں جا رہے ہو اور جان بوجھ کر نصیحت سے اعراض کر رہے ہو اور کیا تم مسرفین تو نہیں ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ وراثت و طہارت، مصطفیٰ اور ہدایت یافتہ افراد کے لیے مخصوص ہے، دوسروں کے لیے نہیں ہے۔“

علماء نے کہا: آپؑ کے اس قول کی بنیاد کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ”قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ

وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ۔ (الحیدر-۲۶)

”اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی ذریت میں نبوت و کتاب کو رکھا پس ان میں کچھ ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے زیادہ تعداد فاسقین کی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے وراثت و نبوت کے لیے ہدایت یافتہ افراد کا انتخاب کیا۔ اور فاسقین کو اس سے محروم رکھا۔

(اسی لیے وراثت قرآن بھی ہدایت یافتہ افراد کے لیے مخصوص ہے ، بدکار افراد قرآن کے وارث نہیں ہو سکتے)

اور کیا تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ جب نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا غرق ہونے لگا تو انہوں نے اس کی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے عرض کی تھی۔

رَبِّ اِنَّ اَبْنٰی مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

الْحَاکِمِیْنَ۔ (ہود-۴۵)

”پروردگار ! بیشک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔“

یہ الفاظ حضرت نوح علیہ السلام نے اس وجہ سے کہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اور اس کے اہل کو طوفان سے نجات دے گا، اسی لیے انہوں نے خدا کو وعدہ یاد دلاتے ہوئے عرض کیا تھا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو جواب دیا:-

قَالَ یٰ نُوحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعْطٰکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ۔

(ہود - ۴۶)

”ارشاد ہوا کہ نوحؑ یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، یہ عمل غیر صالح ہے، لہذا مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہارا شمارا جاہلوں میں نہ ہو جائے۔“

مامون نے کہا: ابو الحسن! کیا اللہ تعالیٰ نے عترت کو دوسرے لوگوں پر فضیلت دی ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر عترت کی فضیلت کو اپنی محکم کتاب میں بیان کیا ہے۔“

مامون نے کہا: وہ اللہ کی کتاب میں کہاں ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: عترت کی فضیلت ان آیات سے ثابت ہوتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ
عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

(آل عمران - ۳۳، ۳۴)

”بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے منتخب کیا ہے یہ ایک نسل ہے جس ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :-

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا
آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (النساء - ۵۴)

”یا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے، یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب حکمت اور ملک عظیم سب کچھ عطا کیا ہے“

پھر ان چند آیات کے بعد اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
الْأَمْرِ مِنْكُمْ --- (النساء - ۵۹)

”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں۔“

یعنی اللہ نے انہیں کتاب و حکمت عطا کی ہے اور اسی لیے باقی دنیا نے ان سے حسد کیا اور اللہ نے انہیں ملک عظیم عطا کیا، اور یہاں ”ملک“ سے مراد ان کی اطاعت ہے۔

قرآن میں بارہ (۱۲) مقامات پر عترت اہل بیتؑ کی

فضیلت، اصطفاء اور انتخاب کا تذکرہ ہے

علماء نے کہا: ابو الحسن! آپ یہ بتائیں کہ عترت کے انتخاب کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیسے موجود ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”باطن قرآن سے قطع نظر اللہ تعالیٰ نے ظاہر قرآن میں بارہ مقامات پر عترت اہل بیتؑ کے اصطفاء و انتخاب کا تذکرہ کیا ہے۔“

پہلی آیت

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (ورہطک المخلصین) (الشعراء - ۲۱۴)
”اور اے پیغمبر، آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے (اور اپنے مخلص

گروہ کو ڈرائیے)۔“

یاد رکھیں! ”رَهْطُكَ الْمَخْلَصِينَ“ کے الفاظ اہل بن کعب کی قرأت میں ہیں اور عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں لہذا دعوت اسلامیہ کے آغاز کے لیے قریبی رشتہ داروں کا انتخاب عترت کے لیے ایک عظیم اعزاز ہے، چنانچہ یہ عترت کی پہلی فضیلت ہے۔

دوسری آیت

اس آیت کا تعلق اہل بیتؑ کے اصطفاء سے ہے، چنانچہ رب العزت کا ارشاد ہے۔
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب- ۳۳)

”اے اہل بیتؑ! اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ وہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“
 اہل بیتؑ کی اس فضیلت سے کوئی ضد کرنے والا جاہل ہی انکار کر سکتا ہے کیونکہ اہل بیتؑ کی طہارت قرآن مجید سے ثابت ہے۔

تیسری آیت

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے پاک و پاکیزہ افراد کا انتخاب کر لیا اور ان کے حق میں آیت تطہیر نازل کردی تو اس نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ وہ ان افراد کو لے کر نصاریٰ سے مباہلہ کریں، چنانچہ ارشاد ہوا:-

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران - ۶۱)

”پھر جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو بلاؤ، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں۔“

اس آیت کے بعد آنحضرتؐ نے علی اور حسن و حسین اور فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کو بلایا اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ شامل کیا، اور مباہلہ کے لیے چل دیئے۔ امام علیہ السلام نے اہل دربار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

جانتے ہو ”اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ“ سے کون مراد ہیں؟

علماء نے کہا: اس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات مراد ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”نہیں! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، اس سے مراد علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں، علی ہی نفس رسولؐ ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے آپؐ نے فرمایا:-

لَيَنْتَهِيَنَّ بَنُو وَلِيْعَةٍ اَوْ لَا بَعَثْنَا اِلَيْهِمْ رَجُلًا كَنْفَسِي يَغْنَى عَلٰی

ابن ابی طالب ۔

”بنو ولیعہ باز آجائیں ورنہ میں ان کی طرف اسے روانہ کروں گا جو میرے نفس کی مانند ہو گا، اس سے مراد علی بن ابی طالبؑ ہیں۔“

اور ”ابناء“ سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام مراد ہیں اور ”نساء“ سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا مراد ہیں۔

اور یہ عترت طاہرہ کی وہ خصوصیت ہے کہ کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بشر ان کا شریک نہیں ہو سکتا، اور اس شرف

میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس علی کو نفس محمدؐ قرار دیا ہے ، یہ تیسری فضیلت ہے۔

چوتھی فضیلت

مسجد نبوی میں صحابہ کے دروازے کھلتے تھے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عترت طاہرہ کے علاوہ سب دروازے بند کرا دیئے۔

اس پہلوگوں نے بہت باتیں بنائیں اور آنحضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرتؐ سے اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا:-

یا رسول اللہ ! آپؐ نے علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا اور ہمیں آپؐ نے باہر نکال دیا ؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

مَا أَنَا تَرَكْتُهُ وَأَخْرَجْتُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ تَرَكَهُ وَأَخْرَجَكُمْ۔

”میں نے اپنی مرضی سے علیؑ کو نہیں رہنے دیا اور تمہیں اپنی مرضی سے نہیں نکالا، اللہ نے اسے رہنے دیا اور تمہیں نکال دیا۔“

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل سے اپنی حدیث کا عملی ثبوت فراہم کیا۔

يَا عَلِيُّ أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى۔

”علیؑ ! تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی“

علماء نے کہا: ابو الحسن ! اس کا قرآن مجید میں بھی کوئی حوالہ ہے ؟
آپؐ نے فرمایا: ”جی ہاں ! اس کے لیے میں تمہیں قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سناتا ہوں۔“

علماء نے کہا: آپ ہمیں سنائیں۔
پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰی مُوسٰی وَاَخِيْهِ اَنْ تَبُوۡا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ يُثُوۡتًا
وَاجْعَلُوۡا يُّثُوۡتِكُمْ قِبْلَةً (یونس۔ ۸۷)

”اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ قرار دو۔“

اس آیت سے حضرت ہارونؑ کی منزلت ظاہر ہوتی ہے اور رسول خداؐ نے تمام دروازوں کو بند کر کے علیؑ کا دروازہ کھول کر ہارون محمدیؑ یعنی علیؑ کی فضیلت ظاہر کی، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

یہ مسجد کسی جنابت والے کے لیے حلال نہیں ہے سوائے محمدؐ اور آل محمدؐ کے۔
علماء نے حضرتؑ کا استدلال سن کر کہا: ابو الحسن! یہ شرح اور یہ بیان صرف اہل بیت رسولؐ کے پاس ہی مل سکتا ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: اس کا انکار کون کر سکتا ہے، کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ، بَابُهَا فَمَنْ ارَادَ الْعِلْمَ فَلْيَا تَهَا مِنْ بَابِهَا
”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے علم کی ضرورت ہو وہ دروازہ پر آئے۔“ (۱)

۱۔ اس حدیث کو اہل سنت محدثین نے بھی اپنے طرق سے نقل کیا ہے۔

ترمذی میں ہے۔ انا دار الحکمة وعلی بابها ۔

”میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔“ طبرانی نے مرقعۃ حضرت علیؑ سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے

فرمایا انا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بابها ۔ اور صفحہ ۳۵ پر ہے

اَنَا دَارُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

یعنی مصباح میں ابو عمرؒ کی روایت سے لکھتے ہیں۔

انا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ ارَادَ الْعِلْمَ فَلْيَا تَهَا مِنْ بَابِهَا ۔

اور ہم نے عترت طاہرہ کی فضیلت و شرف اور بزرگی و اصطفاء و طہارت کے لیے جو وضاحت کی ہے اس کا انکار صرف بد بخت دشمن ہی کر سکتا ہے۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

پانچویں آیت

عزیز و حکیم خدا نے اہل بیت پیغمبر کو مخصوص اور امت میں سے ان کا انتخاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا الْقُرْبٰی حَقَّہُ (بنی اسرائیل - ۲۶)
”اور آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں“

جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا:-

”فاطمہ کو بلاؤ، چنانچہ سیدہ (س) کو بلایا گیا۔“

تو آپ نے فرمایا: ”فاطمہ!“

انہوں نے کہا: ”لبیک یا رسول اللہ!“

آنحضرت نے فرمایا: ”یہ فدک ہے، اس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے، یہ میری ذاتی جاگیر ہے، اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور میں یہ جاگیر حکم خدا کے تحت تمہیں دے رہا ہوں تم اسے لے لو، یہ جاگیر تیرے اور تیری اولاد کے لیے ہے۔“
یہ پانچویں خصوصیت ہے۔

چھٹی آیت

رب العزت کا فرمان ہے :-

قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ (انشوری - ۲۳)

”آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا ، علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا تو ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے ، بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور قدر دان ہے۔“

یہ خصوصیت صرف آل کو حاصل ہے کہ ان کی مودت اجر رسالت ہے ، انبیائے سابقین نے اپنی رسالت کی اجرت طلب نہیں کی تھی ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا یہ فرمان قرآن مجید میں موجود ہے ۔

يَا قَوْمِ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَّا إِنِّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَّا قُورَانِهِمْ وَلَا كَيْتَىٰ أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ۔ (ہود - ۲۹)

”اے میری قوم! میں تم سے کوئی مال تو نہیں چاہتا ہوں، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور میں صاحبان ایمان کو نکال بھی نہیں سکتا کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کرنے والے ہیں ، البتہ میں تم کو ایک جاہل قوم تصور کر رہا ہوں۔“

حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

يَا قَوْمِ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنِّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (ہود - ۵۱)

”قوم والو! میں تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اس پروردگار کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔“
 الغرض انبیائے سابقین میں سے کسی نے بھی اجرت طلب نہیں کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو حکم دیا کہ وہ اجرت طلب کریں۔

قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ (الشوریٰ - ۲۳)
 ”آپؐ کہہ دیں میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، مگر یہ کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے عترت طاہرہ کی مودت کو اس لیے اجر رسالت قرار دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ دین سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے اور کبھی بھی گمراہی کو اختیار نہیں کریں گے۔

علاوہ ازیں یہ اصول فطرت ہے کہ اگر کوئی کسی شخص سے محبت کرتا ہو لیکن اس کے افراد خانہ میں سے کسی سے دشمنی رکھتا ہو تو محبوب یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسے مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے، کیونکہ اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو پھر میرے پیاروں سے بھی محبت کرتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عترت طاہرہ کی مودت فرض کی تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقین کر لیں کہ میرے کلمہ پڑھنے والوں کو مجھ سے حقیقی محبت ہے، اسی لیے جو شخص عترت سے محبت کرے گا، رسول خداؐ اس سے کبھی نفرت نہیں کریں گے اور جو شخص حضورؐ کے افراد خانہ سے نفرت کرے گا تو یقیناً حضور اکرمؐ کبھی بھی اسے اپنا محب تصور نہیں کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے، اس سے بڑھ کر فضیلت و شرف اور کیا ہو کہ عترت طاہرہ کی حجت اللہ نے اجر رسالت قرار دیتے ہوئے فرمایا :-

قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ (الشوریٰ - ۲۳)
 ”آپؐ کہہ دیں میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، مگر

یہ کہ میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔“

جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کے درمیان خطبہ دیا ، حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا :-

لوگو! اللہ نے تم پر میرا ایک حق واجب کیا ہے ، کیا تم وہ حق ادا کرو گے ؟

کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: لوگو! میرا حق سونے چاندی اور کھانے پینے کی شکل میں نہیں ہے۔

لوگوں نے کہا: پھر آپؐ بیان فرمائیں ، اللہ نے آپؐ کا کون سے حق ہم پر فرض کیا ہے ؟

اس وقت آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی تو لوگوں نے یہ آیت سن کر کہا کہ یہ ٹھیک ہے ، لیکن اس کے باوجود اکثریت نے اس وعدے کو پورا نہیں کیا۔

حضور اکرمؐ سے پہلے جتنے بھی نبی آئے ، اللہ نے ان سب کو وحی فرمائی

کہ تم قوم سے اجر رسالت طلب نہ کرنا ، میں تمہیں اس کا اجر عطا کروں گا۔

جب محمد رسول اللہؐ کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت اور ان کے

قرابت داروں کی مودت کو واجب کر دیا اور اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اجر رسالت کو مودت اہل بیتؑ کی صورت میں طلب کریں اور یہ قاعدہ ہے کہ محبت ایسے نہیں ہوتی ، محبت کسی کی فضیلت و کمال کو دیکھ کر ہی کی جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کی محبت اس لیے فرض کی

کہ اللہ جانتا تھا کہ خاندان محمدؐ صاحب فضیلت بھی ہے اور صاحب کمال بھی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آل محمدؐ کی مودت کو فرض کیا تو کئی لوگوں پر یہ بات

گراں گذری کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ جس سے مودت کی جائے اس کے

فرمان پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

اس کے بعد جن لوگوں نے خدا سے وفا کا عہد و پیمان کیا ہوا تھا بس وہی اس پر ثابت قدم رہے اور بغض و نفاق رکھنے والوں نے اس کی ناجائز تاویلات شروع کر دیں ، اور حکم خدا کو اس کی حدوں سے باہر لے جانے کی مذموم کوششیں کیں۔ انہوں نے یہاں تک کہا :-

قربت سے مراد سارا عرب ہے اور تمام مسلمان ہیں۔

بہر نوع اگر ان کی یہ بات بھی مان لی جائے تو عرب سے محبت اس لیے ضروری قرار پائی کہ وہ حضور اکرمؐ سے عجم کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں ، اسی طرح سے اہل مکہ و مدینہ سے محبت کی وجہ یہ ہوگی کہ ان دو شہروں کے افراد آنحضرتؐ کے اور زیادہ قریب ہیں اور قریش سے محبت کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ قبیلہ اور قبیلوں کی بہ نسبت آپؐ سے زیادہ قریب ہے ، تو جو جتنا بھی قریب ہوتا جائے گا محبت کے قابل بتا جائے گا۔

جب عرب صرف زبان کی بنیاد پر اور اہل مکہ و مدینہ صرف ہم شر ہونے کی بنیاد پر اور قریش ہم قبیلہ ہونے کی بنا پر لائق مودت بن سکتے ہیں تو جو افراد حضورؐ کا خون اور گوشت پوست ہوں تو ان کے ساتھ مودت تو اور زیادہ ضروری قرار پائے گی۔

اسی لیے اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ عترت طاہرہ سے مودت کریں اور اسی مودت کے صلہ میں اللہ سے جنت حاصل کریں ، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے :-
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنَّا الْمَوَدَّةُ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ - ۲۲، ۲۳)

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ جنت کے باغات میں رہیں گے اور ان کے لیے پروردگار کی بارگاہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کے وہ خواہش مند ہوں گے، یہ بہت بڑا فضل پروردگار ہے، یہی وہ فضل عظیم ہے جس کی بشارت پروردگار اپنے بندوں کو دیتا ہے، جنہوں نے ایمان اختیار کیا ہے اور نیک اعمال کیے ہیں تو آپ کہہ دیجئے میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا، علاوہ اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔“

پھر امام علیہ السلام نے اس آیت کے شان نزول کے متعلق فرمایا :-
مجھ سے میرے والد نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے بیان کیا ہے۔
مہاجرین و انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

یا رسول اللہ! آپ کو کافی خرچے کی ضرورت ہے اور آپ کے پاس وفود بھی آتے رہتے ہیں، ہم اپنے مال اور اپنی جانیں آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں، آپ جو حکم کریں گے اس کی تعمیل ہو گی اور جسے چاہیں عطا کریں اور جس سے چاہیں روک لیں، آپ ہمارے اموال کے مالک و مختار ہیں۔
اس وقت اللہ تعالیٰ نے روح الامین کو آپ پر نازل کیا جنہوں نے آپ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

”کہ میری رسالت کا اجر یہی ہے کہ تم میرے بعد میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔“

اللہ کا یہ حکم سن کر مہاجرین و انصار چلے گئے۔

اس آیت کے نزول کے بعد منافقین نے یہ کہا:-

آنحضرتؐ نے ہماری پیش کش کو اس لیے ٹھکرایا ہے کہ وہ ہمیں اپنے قرابت داروں کی مودت کی ترغیب دے سکیں اور انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے

گھڑ لی ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (الشوری - ۲۴)

”کیا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ رسولؐ نے اللہ پر جھوٹا بہتان تراش لیا ہے جب کہ خدا چاہے تو تمہارے قلب پر مہر بھی لگا سکتا ہے اور خدا تو باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے ثابت اور پائیدار بنا دیتا ہے، یقیناً وہ دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔“

رسول خداؐ نے قاصد بھیج کر ان لوگوں کو اپنے ہاں طلب کیا اور فرمایا :-
کیا اس طرح کی باتیں ہوئی ہیں ؟
لوگوں نے کہا :-

جی ہاں ! ہم میں سے کچھ لوگوں نے اس طرح کی باتیں کی ہیں اور وہ ہمیں ناگوار گزری ہیں۔

آنحضرتؐ نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی، اہل ایمان یہ آیت سن کر رونے لگے اور ان کے رونے کی آوازیں کافی بلند ہوئیں تو اللہ کو ان پر رحم آگیا اور یہ آیت نازل فرمائی :-

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ۔ (الشوری - ۲۵)

”اور وہی وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف کرتا ہے اور وہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔“
چنانچہ یہ اہل بیتؑ کی چھٹی خصوصیت ہے۔

ساتویں آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا - (احزاب-۵۶)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام کرو جیسا کہ سلام کرنے کا حق ہے۔“

جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو صحابہ نے آنحضرتؐ سے عرض کی :-
یا رسول اللہ! ہمیں آپؐ پر سلام کرنے کا تو علم ہے، آپؐ پر صلوات کیسے پڑھی جائے؟

آپؐ نے فرمایا :-
تم یہ کہو :-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ -

”او گویا تمہیں اس مسئلے میں کوئی اختلاف ہے؟

تمام حاضرین نے کہا :-

نہیں! ہمیں اس بات سے کوئی اختلاف نہیں ہے، پوری امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے۔“

مامون نے کہا :-

ایوا الحسن! کیا آل کے متعلق قرآن مجید میں اس سے زیادہ واضح آیت بھی

موجود ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”وگو! مجھے قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ کے متعلق بتاؤ۔“

يَسْ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَى صِرَاطِ

مُسْتَقِيمٍ۔

لفظ یاسین سے کون مراد ہیں ؟“

علماء نے کہا :-

ابوالحسن! سیدھی سی بات ہے کہ ”یاسین“ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور اس کے متعلق کوئی شک نہیں ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”سنو! اللہ تعالیٰ نے محمد و آل محمد علیہم السلام کو وہ فضیلت عطا کی ہے جس

کی حقیقت تک لوگوں کی عقل پرواز نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر سلام بھیجا ہے لیکن کسی نبی کی آل پر سلام نہیں بھیجا،

چنانچہ فرمان الہی ہے :-

سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ۔ (الصافات - ۷۹)

”عالمین میں نوح پر سلام ہو“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ۔ (الصافات - ۱۰۹)

”ابراہیم پر سلام ہو“

اور فرمایا :-

سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ۔ (الصافات - ۱۲۰)

”موسیٰ و ہارون پر سلام ہو“

اس کے برعکس پورے قرآن میں اللہ نے یہ نہیں کہا :-

کہ آل نوح پر سلام ہو، آل ابراہیم پر سلام ہو، آل موسیٰ و ہارون پر

سلام ہو ، لیکن جب آل محمد کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یَاسِیْنَ - (احسانات-۱۳۰)

”آل یاسین پر سلام ہو ، یعنی آل محمد پر سلام ہو۔“

امام علیہ السلام کا یہ بیان سن کر مامون نے کہا :-

میں مان گیا ہوں کہ معدن نبوت ہی ایسی تشریح کر سکتے ہیں۔

آٹھویں آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَاعْلَمُوْا اَنْمَّا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُوْلِ

وَ لِذِی الْقُرْبٰی - (انفال-۴۱)

” اور جان لو جو کچھ تمہیں غنیمت حاصل ہو ، اس میں پانچواں حصہ اللہ

اور رسول اور ان کے قرابت داروں کا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عترت طاہرہ کا حصہ اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ شامل کیا ، یہ آل کا عظیم شرف ہے ، اور اللہ تعالیٰ نے عترت طاہرہ کے حصے کو اپنے اور رسول کے حصے سے متصل کیا اور باقی خمس کے حق داروں کو جدا اور علیحدہ رکھا ، اللہ نے اپنی ذات سے ابتدا کی اور دوسرے نمبر پر اپنے رسول کا تذکرہ کیا اور تیسرے درجہ پر عترت طاہرہ کا تذکرہ کیا ۔

یہ اس کتاب کا فرمان ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ کتاب ہے کہ جس کے آگے اور پیچھے باطل نہیں آ سکتا جو صاحب حکمت اور لائق حمد کی نازل کردہ ہے ۔

خمس کے تین مذکور طبقات کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے مستحقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :-

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ - (انفال-۳۱)

”خمس یتیموں اور مساکین اور مسافرین کے لیے ہے۔“

اب قابل توجہ بات یہ ہے کہ یتیم خمس کا حقدار ہے، لیکن جب یتیم بالغ ہو جائے تو وہ خمس کا حق دار نہیں رہے گا، اور اس طرح سے جب مسکین آسودہ حال ہو جائے تو اسے بھی غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا اور جب مسافر اپنے گھر پہنچ جائے تو وہ بھی غنیمت میں سے حصہ نہیں لے گا۔

اور ان تینوں طبقات کے برعکس ”ذی القربی“ کا حصہ قیامت تک قائم رہے گا، چاہے وہ امیر ہوں یا غریب ہوں، پھر بھی خمس میں ان کا حصہ موجود رہے گا، کیونکہ ان کے حصہ کا تذکرہ اللہ اور رسول کے حصے کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اللہ اور رسول ہرگز غریب نہیں ہیں۔

جس طرح سے خدا نے خمس و غنیمت میں پہلے اپنا تذکرہ کیا پھر اپنے رسول کا تذکرہ کیا اور پھر عترت طاہرہ یعنی ”ذی القربی“ کا تذکرہ کیا، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے وجوب اطاعت کے لیے پہلے اپنا ذکر کیا، پھر اپنے رسول کا ذکر کیا پھر اہل بیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ - (انعام-۵۹)

”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں۔“

اور آیت ولایت میں بھی اللہ نے پہلے اپنی ولایت پھر اپنے نبی کی ولایت پھر عترت کی ولایت کا تذکرہ کیا، چنانچہ ارشاد ہوا:-

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ - (المائدہ-۵۵)

”اہل ایمان (تمہارا ولی جس اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن تمہارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“ (۱)
 اللہ تعالیٰ نے غنیمت و فے کے غم میں انہیں اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ شامل کیا اور اطاعت میں بھی انہیں اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ شامل کیا اور ولایت میں بھی اللہ نے اپنی اور اپنے رسول کی ولایت کے ساتھ عزت طاہرہ کی ولایت کو شامل کیا۔

اس سے خود اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت پر کتنی نعمتیں نازل کی ہیں۔

اور جب زکوٰۃ و صدقات کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْعَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ۔ (التوبہ۔ ۶۰)

”صدقات فقراء اور مساکین اور اس کے عاملین اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کا قرض اتارنے اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے۔“

۱۔ علامہ علی رحمہ اللہ اپنی کتاب فتح الحق کی بحث امامت میں لکھتے ہیں :-

امیر المومنین علیہ السلام کی امامت مقبول اور سنت متواترہ سے امامت ہے۔ قرآن مجید میں اس سلسلے کی بیست سی آیات ہیں، جن میں پہلی آیت یہ ہے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِرُونَ

(انعام۔ ۵۵)

تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت امیر المومنین کے حق میں نازل ہوئی اور کتاب ”الجمع بین الصحاح والریع“ میں مذکور ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علیؑ نے حالت رکوع میں ایک سال کو اپنی آغوشی خیمات میں دی تھی۔ اور ”ولی“ متصرف کو کہتے ہیں، اللہ نے اپنی ذات کی ولایت امامت کی پھر اپنے رسول کی ولایت امامت کی اور پھر امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت امامت کی۔

اللہ کی ولایت عام ہے، اسی طرح سے رسول اور علیؑ کی ولایت بھی عام ہے۔

صدقات میں اللہ ے اپنا کوئی حصہ نہیں رکھا اور اپنے رسولؐ کا بھی کوئی حصہ مقرر نہیں کیا، اسی طرح سے عترت طاہرہ کا بھی صدقات میں کوئی حصہ نہیں رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ اور ان کے اہل بیتؑ پر صدقہ حرام کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ لوگوں کے ہاتھ کی میل کچیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرح کے میل کچیل سے پاک و پاکیزہ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کو طاہر بنایا اور انہیں اپنی رضا کے لیے چن لیا اور ذات احدیت نے جو کچھ اپنے لیے پسند کیا وہی کچھ اہل بیتؑ کے لیے پسند کیا، اور جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کیا، اسے اہل بیتؑ کے لیے بھی ناپسند کیا۔

نویں آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل - ۴۳)

”اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔“

لوگو! ہم اہل ذکر ہیں اور اگر تم لا علم ہو تو ہم سے پوچھو۔“

علماء نے کہا :-

ابو الحسن ! ”اہل ذکر“ سے تو یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”سبحان اللہ ! اگر اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں تو امت اسلامیہ جب ان

سے سوال کرے گی تو وہ تو اپنے دین کی دعوت دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔

بھلا اس صورت میں تم کیا کرو گے ؟“

مامون نے کہا :-

ابوالحسن ! پھر اس آیت کی تفسیر کیا ہو سکتی ہے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”ذکر“ سے رسول خدا مراد ہیں اور ہم اہل ذکر ہیں ، اللہ تعالیٰ نے سورہ

طلاق میں ارشاد فرمایا :-

قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا - (طلاق - ۱۰، ۱۱)

”اللہ نے تمہارے پاس رسول کو ذکر بنا کر نازل کیا۔“

لہذا ”ذکر“ رسول اکرمؐ ہیں اور ہم ان کے اہل ہیں، لہذا ہم ہی ”اہل

الذکر“ ہیں۔

یہ ہماری نویں خصوصیت ہے۔

دسویں آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ - (النساء - ۲۳)

”تم پر تمہاری مائیں ، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں حرام کی گئیں۔“

اب آپ حضرات مجھے یہ جواب دیں کہ کیا میری بیٹی ، یا میری نواسی یا میرے

صلب سے پیدا ہونے والی کوئی لڑکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

حلال ہے اگر آپ زندہ ہوں ؟“

حاضرین نے کہا :-

نہیں !

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”اچھا یہ بتاؤ ! اگر بالفرض رسول خداؐ زندہ ہوں تو کیا تمہاری بیٹیاں ان

کے لیے حلال ہوں گی یا حرام ہوں گی؟“

حاضرین نے کہا :-

ہماری بیٹیاں حلال ہوں گی ۔

امام علی رضاعلیہ السلام نے فرمایا :-

”بس اس سے ثابت ہو گیا کہ میں اور ہوں اور تم اور ہو، میں آل میں سے ہوں اور تم آل میں سے نہیں ہو، اگر تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل ہوتے تو تمہاری بیٹیاں بھی میری بیٹیوں کی طرح آنحضرتؐ کے لیے حرام ہوتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ میں آنحضرتؐ کی آل ہوں اور تم ان کی امت ہو، یہ آل اور امت کا فرق ہے، آل آنحضرتؐ کا جزو ہیں اور امت آپؐ کا جزو نہیں ہے۔“

گیارہویں آیت

اللہ تعالیٰ نے مومن آل فرعون کے قول کو نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ۔

(مومن - ۲۸)

”اور مرد مومن نے کہا جس کا تعلق آل فرعون سے تھا جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا، کیا تم اس شخص کو قتل کرو گے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے اور وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔“

مومن آل فرعون رشتہ میں فرعون کے ماموں کا بیٹا تھا، وہ اگرچہ فرعون کے مسلک کا مخالف تھا، اللہ تعالیٰ نے نسب کی وجہ سے اسے آل فرعون قرار دیا، جب ایک شخص نظریاتی مخالف ہونے کے باوجود صرف نسب کی وجہ سے کسی کی آل قرار پاتا ہے تو ہم حضور اکرمؐ کے نسب میں بھی شریک ہیں اور دین میں بھی

شریک ہیں تو ہمارے آل ہونے کا کتنا بلند مقام ہوگا ؟
یہ آل اور امت کا گیارہواں فرق ہے ۔

بارہویں آیت

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ (طہ۔ ۱۳۲)

”اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے لیے ہمیں مخصوص فرمایا ، کیونکہ تمام امت کے ساتھ ہمیں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ، اور پھر امت سے علیحدہ کر کے اپنے حبیب کو کہا کہ وہ ہمیں نماز کا حکم دیں۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد رسول خدا پورے نو مہینے تک ہر نماز کے وقت علی و بتول علیہما السلام کے دروازے پر روزانہ پانچ بار آتے تھے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔

الصَّلَاةُ رَحِمَكُمُ اللَّهُ ۔

”خدا تم پر رحم کرے ، نماز کا وقت ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی اولاد کو وہ عزت و عظمت عطا نہیں کی جو عزت و عظمت اہل بیت مصطفیٰ کو عطا کی۔

مامون اور دوسرے علماء نے کہا :-

اے اہل بیت پیغمبر ! خدا تمہیں اس امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے ، جو حقائق ہماری فہم و فراست سے بلند ہوتے ہیں ، ان کی تشریح اور بیان آپ کی طرف سے ہی ہمیں نصیب ہوتے ہیں۔

آپؐ کی زبانی، شامی کے سوالات اور امیر المومنینؑ کے جوابات

۱۔ (حذف اسناد) ابو القاسم عبداللہ بن احمد بن عامر طائی نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا، امام علی رضاعلیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے تو مجمع میں سے ایک شامی نے اٹھ کر کہا :-

امیر المومنین ! میں آپؐ سے چند چیزوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: سمجھنے کے لیے سوال کرو اور ضد بازی کے لیے سوال نہ کرو۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے نوگ اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

(ہم سوالات و جوابات کو مکالمہ کی شکل میں لکھیں گے۔)

شامی: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟

امیر المومنینؑ: اللہ نے نور کو پیدا کیا۔

شامی: آسمانوں کو کس چیز سے خلق کیا گیا؟

امیر المومنینؑ: پانی کے بخارات سے

شامی: زمین کس چیز سے بنائی گئی؟

امیر المومنینؑ: پانی کی جھاگ سے۔

شامی: پہاڑ کس چیز سے بنائے گئے؟

امیر المومنینؑ: پانی کی موجوں سے۔

شامی: مکہ کو ”ام القریٰ“ کیوں کہا جاتا ہے ؟

امیر المومنینؑ: کیونکہ زمین اس کے نیچے سے پچھائی گئی۔

شامی: آسمان دنیا کس چیز سے بنا ؟

امیر المومنینؑ: رکی ہوئی فوج سے ۔

شامی: سورج اور چاند کا طول و عرض کیا ہے ؟

امیر المومنینؑ: نو سو فرسخ ضرب نو سو فرسخ (۹۰۰×۹۰۰ فرسخ)۔

شامی: ستارے کا طول و عرض کیا ہے ؟

امیر المومنینؑ: بارہ فرسخ ضرب بارہ فرسخ (۱۲×۱۲ فرسخ)

شامی: سات آسمانوں کے رنگ اور ان کے علیحدہ علیحدہ نام بتائیں ؟

امیر المومنینؑ:

آسمان دنیا کا نام ”رفیع“ ہے اور وہ پانی اور دھوئیں سے بنا ہوا ہے

آسمان دوم کا نام ”قیدوم“ ہے اس کا رنگ تانبے جیسا ہے ۔

آسمان سوم کا نام ”مادون“ ہے اس کا رنگ ملتا جلتا ہے ۔

آسمان چارم کا نام ”ارفلون“ ہے ، اس کی رنگت چاندی جیسی ہے۔

آسمان پنجم کا نام ”نیکون“ ہے ، اس کی رنگت سونے جیسی ہے۔

آسمان ششم کا نام ”عروس“ ہے اور وہ سبز یا قوت کا ہے ۔

آسمان ہفتم کا نام ”عجماء“ ہے اور وہ سفید موتی کا ہے ۔

شامی: ہیل ہمیشہ کیوں سر جھکائے رہتا ہے اور کبھی بھی آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف

نہیں دیکھتا ؟

امیر المومنینؑ: جب سے بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پوجا کی ہے ، اس دن

سے ہیل بے چارہ شرم کی وجہ سے آسمان کی جانب آنکھ نہیں اٹھاتا ۔

شامی: وہ نبی کون ہیں جنہوں نے بیک وقت دو بہنوں سے نکاح کیا تھا ؟

امیر المومنین: وہ حضرت یعقوب بن اسحاق تھے، جنہوں نے حبار اور راحیل دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کو حرام کر دیا۔

شامی: مدجزر کیا ہے؟

امیر المومنین: اللہ تعالیٰ نے سمندروں پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جس کا نام ”رومان“ ہے، جب وہ اپنے قدم سمندر میں رکھتا ہے تو مد پیدا ہوتی ہے اور جب وہ پاؤں نکالتا ہے تو جزر پیدا ہوتی ہے۔

شامی: جنات کا باپ کون تھا؟

امیر المومنین: جنات کے جد اعلیٰ کا نام ”شومان“ ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے آگ کے شعلہ سے پیدا کیا تھا۔

شامی: کیا اللہ تعالیٰ نے قوم جنات کی طرف کسی نبی کو مبعوث کیا؟

امیر المومنین: جی ہاں! اللہ نے ایک نبی کو ان کی طرف مبعوث کیا تھا جس کا نام ”یوسف“ تھا، نبی نے انہیں اللہ کی دعوت دی، انہوں نے اس نبی کو قتل کر دیا تھا۔

شامی: ابلیس کا آسمان میں کیا نام تھا؟

امیر المومنین: آسمان میں اس کا نام ”حارث“ تھا۔

شامی: آدم کا نام ”آدم“ کیوں رکھا گیا؟

امیر المومنین: کیونکہ وہ ”اوسم ارض“ زمین کی کھال سے بنائے گئے تھے۔

شامی: میراث میں مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ کیوں ہے؟

امیر المومنین: حوٹ نے خوشہ اٹھایا، اس پر تین دانے تھے، ایک اس نے خود کھایا اور دو دانے آدم کو کھلائے اسی لیے عورت کا ایک حصہ اور مرد کے دو حصے مقرر ہوئے۔

شامی : کون سے انبیاء ”مختون“ پیدا ہوئے ؟

امیر المومنینؑ : اللہ تعالیٰ نے آدم ، شیث ، اوریس ، نوح ، سام بن نوح ، ابراہیم ، داؤد ، سلیمان ، لوط ، اسماعیل ، موسیٰ ، عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ علیہم السلام کو ”مختون“ پیدا کیا ۔

شامی : آدم کی عمر کتنی تھی ؟

امیر المومنینؑ : نو سو تیس سال ۔

شامی : سب سے پہلے شعر کس نے کہے ؟

امیر المومنینؑ : آدم نے ۔

شامی : اس نے شعر کب اور کیوں کہے ؟

امیر المومنینؑ : جب آدم زمین پر اترے تو انہوں نے زمین کی خاک اور وسعت اور ہوا کو دیکھا اور پھر جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ شعر کہے تھے ۔

تغیرت البلاد و من علیہا فوجہ الارض مغیر قبیح
تغیر کل ذی طعم و لون و قل بشاشۃ الوجه الملیح
اری طول الحیاة علی غمّا و هل انا من حیاتی مستریح ؟
و مالی لا اجود بسکب دمع و هایل تضمنه الضریح
قتل قابیل هایلّا اخاه فوا حزنی لقد فقد الملیح
”شر اور ان کے رہنے والے بدل گئے اور زمین کا چہرہ خراب اور گرد آلود ہو چکا ہے۔“

ہر رنگ و ذائقہ رکھنے والی چیز بدل گئی ہے اور خوبصورت چہرے کی بھاشت ماند پڑ گئی ہے۔

میں اپنے لیے طول حیات کو باعث غم سمجھتا ہوں ، اور کیا زندگی کے خاتمہ

کی وجہ سے مجھے چین مل سکے گا ؟

میں آنسو آخر کیوں نہ بہاؤں کیونکہ ہابیل: قبر میں مدفون ہو چکا ہے ۔

قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا ہے ، ہائے غم و حسرت کہ سانولا سلونا پینا گم ہو گیا ۔“

جب حضرت آدمؑ نے ہابیل کا یہ مرثیہ پڑھا تو ابلیس لعین نے جواب میں یہ شعر پڑھے ۔

تنح عن البلاد و ساکنیہا فبی فی الخلد ضاق بك الفسیح
و كنت بها و زوجك فی قرار و قلبك من أذى الدنيا مریح
فلم تنفك من کیدی و مکرى الى ان فانك الثمن الريح
”تو شروروں اور شر والوں سے دور ہو جا ، میری وجہ سے تیرے لیے
وسیع جنت تنگ ہوئی تھی ۔

جہاں تو اور تیری زوجہ سکون و قرار سے رہتے تھے اور دنیا کی تکلیف سے
تیرا دل آزاد تھا۔

تو میرے فریب اور مکر سے نہ بچ سکا اور تجھ سے قیمتی سرمایہ چلا گیا ۔“
شامی: حضرت آدمؑ فراق جنت میں کتنے روتے اور انہوں نے کس قدر آنسو بہائے تھے ؟
امیر المومنینؑ: حضرت آدمؑ فراق جنت میں ایک سو سال تک روتے رہے اور
ان کی دائیں آنکھ سے دجلہ اور بائیں آنکھ سے فرات جتنے آنسو نکلے تھے۔

شامی: حضرت آدمؑ نے کتنے حج کیے تھے ؟

امیر المومنینؑ: انہوں نے ستر حج پاپیادہ کیے تھے، جب وہ پہلا حج کرنے گئے تھے
تو ایک لٹورا (۱) ان کے ساتھ تھا جو انہیں پانی کے مقامات کی رہنمائی کرتا تھا اور وہ پرندہ
ان کے ہمراہ جنت سے آیا تھا ، اسی لیے لٹورا اور خطاف (۲) کے کھانے سے منع

۱۔ لٹورا ایک پرندہ ہے جس کا سر سوہ اور پیٹ سفید اور چپڑے سر ہوتی ہے۔ چپڑے پرندوں کو خطاف کے کہتے ہیں۔

۲۔ یہ ایک پرندہ ہے جس کے بازو اور پاؤں چپڑے اور رنگ سیاہ ہوتا ہے۔

کیا گیا ہے۔

شامی: خطاف اپنے پاؤں پر کیوں نہیں چلتا۔

امیر المومنینؑ: اس نے چالیس برس تک بیت المقدس کا طواف کیا اور اس کا نوحہ کرتا رہا اور آدمؑ کے ساتھ ہمیشہ روتا رہتا تھا، اسی لیے اس نے گھروں میں رہائش رکھی اور اسی پرندہ کے پاس اللہ کی کتاب کی نوایات تھیں جن کی آدمؑ جنت میں تلاوت کیا کرتے تھے، اور وہ نوایات قیامت تک اس کے پاس رہیں گی، اور وہ آیات یہ ہیں۔

سورہ کف کی پہلی تین آیات اور سورہ بنی اسرائیل کی تین آیات جو کہ ”اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ“ سے شروع ہوتی ہیں (یعنی سورہ بنی اسرائیل کی ۴۵ تا ۴۷ آیات) اور سورہ یاسین کی تین آیات جو کہ ”وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا“ سے شروع ہوتی ہیں (یعنی سورہ یاسین کی آیت ۹ سے ۱۱ تک)۔

شامی: کفر کی ابتدا کس نے کی اور پہلا کافر کون تھا؟

امیر المومنینؑ: کفر کی ابتدا ابلیس سے ہوئی اور وہی کائنات کا پہلا کافر ہے۔

شامی: نوح علیہ السلام کا اصل نام کیا تھا؟

امیر المومنینؑ: نوح کا اصل نام ”سکن“ تھا، انہیں نوح کہنے کی وجہ

یہ ہے کہ انہوں نے نو سو پچاس برس تک قوم پر نوحہ کیا تھا۔

شامی: کشتی نوح کا طول و عرض کیا تھا؟

امیر المومنینؑ: اس کا طول آٹھ سو باتھ اور عرض پانچ سو باتھ اور سطح زمین

سے اس کی بلندی اسی باتھ تھی۔

اس کے بعد وہ شامی بیٹھ گیا اور ایک اور شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے

آپؐ سے یہ سوالات پوچھے۔

(ہم قارئین کی سمولت کے لیے سوالات و جوابات کو نیکال کی شکل میں نکھیں)

گے۔ من المترجم عفی عنہ)

سائل: زمین پر سب سے پہلے کون سا درخت کاشت کیا گیا؟

امیر المومنینؑ: عوجہ نامی درخت سب سے پہلے کاشت کیا گیا اور حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی اسی درخت سے تعلق رکھتا تھا۔

سائل: وہ کون سا درخت ہے جو سب سے پہلے زمین پر اگا؟

امیر المومنینؑ: سب سے پہلے کدو پیدا ہوا۔

سائل: آسمان والوں میں سے سب سے پہلے حج کس نے کیا تھا؟

امیر المومنینؑ: جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے حج کیا تھا۔

سائل: طوفانِ نوحؑ کے زمانہ میں کس سر زمین کو سب سے پہلے پھیلایا گیا تھا؟

امیر المومنینؑ: مقام کعبہ کو اور وہ سبز زرد کا تھا۔

سائل: روئے زمین پر سب سے قابل احترام وادی کون سی ہے؟

امیر المومنینؑ: سرندیب کی وادی، حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے یہیں اترے تھے۔

سائل: روئے زمین کی بدترین وادی کون سی ہے؟

امیر المومنینؑ: یمن میں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے اور وہ دوزخ کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

سائل: وہ قید خانہ کون سا ہے جو اپنے قیدی کو لے کر چلتا رہا؟

امیر المومنینؑ: وہ وہی مچھلی ہے جس کے شکم میں یونس بن متیٰ تھے وہ انہیں لے کر چلتی رہی۔

سائل: آپ ان چھ چیزوں کے نام بتائیں جو رحمِ مادر میں نہیں رہیں؟

امیر المومنینؑ: وہ یہ ہیں۔

6۔ وہ چکاڈر جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنایا تھا اور جو اذن خدا سے اڑا تھا۔
سائل: آپ اس مہتمم کے متعلق بتائیں جو نہ تو انسان تھا اور نہ ہی جن تھا اور اس پر تہمت بھی لگائی گئی؟

امیر المومنینؑ: وہ بھیڑیا تھا جس کے متعلق برادران یوسف نے تہمت لگائی تھی۔
سائل: اس چیز کا نام بتائیں جو نہ تو انسان ہے اور نہ ہی جن ہے مگر اس کی طرف اللہ نے وحی کی ہو؟

امیر المومنینؑ: وہ شد کی مکھی ہے۔

سائل: وہ پاکیزہ ترین جگہ کون سی ہے جہاں نماز جائز نہیں ہے؟

امیر المومنینؑ: کعبہ کی چھت۔

سائل: وہ جگہ بتائیں جہاں صرف ایک مرتبہ سورج چکا پھر نہیں چکا؟

امیر المومنینؑ: یہ وہ سمندر ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر گئے تھے، ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے گزرنے کی جگہ کو اللہ نے خشک کر دیا تھا اور وہاں سورج چکا تھا، پھر وہاں آج تک سورج نہیں چکا۔

سائل: وہ کون سی چیز ہے جب زندہ تھی تو پیتی تھی اور جب مر گئی تو کھاتی تھی؟

امیر المومنینؑ: وہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے جب تک تروتازہ تھا، پانی پیتا تھا اور جب خشک ہو کر موسیٰ کے ہاتھ میں آیا تو جادو گروں کی رسیوں کو کھا گیا۔

سائل: وہ ڈرانے والا کون تھا جس نے اپنی قوم کو ڈرایا مگر وہ نہ تو انسان تھا اور نہ ہی جن تھا؟

امیر المومنینؑ: وہ وہی چیونٹی تھی جس نے اپنی قوم کو لشکر سلیمان سے ڈرایا تھا، وہ نہ تو انسان تھا اور نہ ہی جن تھی۔

سائل: سب سے پہلے ختنہ کرانے کا حکم کس نے جاری کیا؟

امیر المومنینؑ: ابراہیم علیہ السلام نے۔

سائل: وہ کون سی عورت تھی جس کا سب سے پہلے ختنہ ہوا؟

امیر المومنین: وہ ہاجرہ تھیں جن کا ختنہ سارہ نے کیا تھا تا کہ وہ ان کی کنیزوں سے آزاد ہو جائیں۔

سائل: وہ عورت کون تھی جس نے سب سے پہلے اپنے تہ بند کو لٹکایا؟

امیر المومنین: وہ ہاجرہ تھیں، جب وہ سارہ سے بھاگیں تو انہوں نے اپنے تہ بند کو لٹکایا اور زمین پر خط دیتی ہوئی روانہ ہوئیں۔

سائل: اس مرد کا نام بتائیں جس نے سب سے پہلے اپنے تہ بند کو لٹکایا؟

امیر المومنین: وہ قارون تھا۔

سائل: سب سے پہلے جو تাকس نے پہنا؟

امیر المومنین: ابراہیم علیہ السلام نے۔

سائل: ازروئے نسب سب سے زیادہ معزز کون ہیں؟

امیر المومنین: وہ یوسف بن یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق ذی اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔

سائل: وہ کون سے چھ نبی ہیں جن کے دو دو نام ہیں؟

امیر المومنین: وہ یہ ہیں۔

1۔ یوشع بن نون، ان کا دوسرا نام ”ذوالکفل“ ہے۔

2۔ یعقوب، ان کا دوسرا نام ”اسرائیل“ ہے۔

3۔ خضر، ان کا دوسرا نام ”حلقیا“ ہے۔

4۔ یونس، ان کا دوسرا نام ”ذوالنون“ ہے۔

5۔ عیسیٰ، ان کا دوسرا نام ”مسیح“ ہے۔

6۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کا دوسرا نام ”احمد“ ہے۔

سائل: وہ کون سی چیز ہے جو سانس تو لیتی ہے مگر اس میں گوشت اور خون نہیں ہے؟

امیر المؤمنین: وہ صبح ہے ”وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ“۔ (التکویر۔ ۱۸)
 ”اور صبح کی قسم جب سانس لینے لگی“

سائل: وہ پانچ نبی کون سے تھے جو عربی میں کلام کرتے تھے؟
امیر المؤمنین: وہ ہود، شعیب، صالح، اسماعیل اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

پھر وہ سائل بیٹھ گیا اور ایک اور شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے حضرت سے عرض کیا:-

سائل: امیر المؤمنین! آپ قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق ہمیں بتائیں۔
 يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبْنَيْهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ۔ (مس از ۲۴ تا ۳۷)

”جس دن انسان اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، اس دن ہر شخص اپنی پریشانی میں مبتلا ہوگا جس کی وجہ سے وہ کسی پر توجہ نہیں کرے گا۔“

مذکورہ افراد کون ہیں؟

امیر المؤمنین: قیامت کے دن قابیل اپنے بھائی ہابیل سے بھاگے گا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ سے بھاگیں گے (۱)، ابراہیم علیہ السلام اپنے مرئی باپ آزر سے بھاگیں گے نہ کہ حقیقی والد سے۔

لوط علیہ السلام اپنی زوجہ سے بھاگیں گے اور نوح علیہ السلام اپنے ناولل بیٹے کنعان سے بھاگیں گے۔

سائل: وہ کون تھے جن کی سب سے پہلے اچانک وفات ہوئی تھی؟

۱۔ مصنف کتاب حدیث اپنی دوسری کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس لیے اپنی والدہ سے گریزاں ہوں گے مہدان کی خدمت میں کوئی کی روٹی دو اور ابراہیم علیہ السلام اپنے مشرک مرئی آزر سے بھاگیں گے نہ کہ اپنے حقیقی والد سے۔

امیر المومنینؑ: وہ داؤد علیہ السلام تھے، بدھ کے دن اچانک اپنے منبر پر وفات پا گئے تھے۔

سائل: وہ کون سی چار چیزیں ہیں جو چار چیزوں سے سیر نہیں ہوتیں؟

امیر المومنینؑ: 1۔ زمین بارش سے۔ 2۔ عورت مرد سے۔

3۔ آنکھ دیکھنے سے۔ 4۔ عالم علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔

سائل: سب سے پہلے درہم و دینار کا سکہ کس نے رائج کیا؟

امیر المومنینؑ: نوح علیہ السلام کے بعد نمرود بن کنعان نے۔

سائل: لواطت کو کس نے سب سے پہلے رائج کیا؟

امیر المومنینؑ: لواطت کو سب سے پہلے ابلیس نے متعارف کرایا اور اسی لعین

نے اپنے نفس کو لواطت کے لیے پیش کیا۔

سائل: راعبی (کبوتر) اپنی گنگناہٹ میں کیا کہتے ہیں؟

امیر المومنینؑ: یہ ڈھول تاشے اور پیئڈ باجے والوں کو بد دعا دیتے ہیں۔

سائل: براق کی کنیت کیا ہے؟

امیر المومنینؑ: ابو ہلال (ابو ہزال)۔

سائل: بادشاہ تبع کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

امیر المومنینؑ: یہ بادشاہ دراصل پہلے پہل ایک اور بادشاہ کا کاتب تھا اور جب

وہ بادشاہ کا کوئی خط لکھتا تو اس کے سرنامہ پر یہ عبارت لکھا کرتا تھا۔

”بسم اللہ الذی خلق صبحاً وریحاً“۔

”اس اللہ کے نام کے سہارے جس نے صبح اور ہوا کو پیدا کیا“۔

بادشاہ نے کہا: تم یہ الفاظ لکھنے کی بجائے یہ لکھا کرو۔

”باسمک ملک الرعد“۔

”کڑک کے فرشتے کے نام سے“۔

اس نے کہا: نہیں! میں خط کا آغاز اپنے پروردگار کے نام سے ہی کروں گا پھر آپ کا مقصد تحریر کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آئی اور خدا نے اسے اس ملک کا بادشاہ بنا دیا، پھر لوگوں نے اس کے الفاظ کی تقلید کی، اسی لیے وہ ”تُبَّعَ“ کے نام سے مشہور ہوا۔

سائل: یہ بتائیں کہ بحری کی دم اوپر کی جانب کیوں اٹھی ہوئی ہے اور اس کی شرم گاہ کیوں ظاہر ہے؟

امیر المومنینؑ: جب حضرت نوحؑ کی کشتی پہ بحری سوار ہونے لگی تھی تو اس نے نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی اور انہوں نے اس کی دم کو توڑ دیا تھا اور اس کے برعکس بھیر کی شرم گاہ اس لیے چھپی ہوئی ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا تھا اور جلدی سے کشتی میں سوار ہو گئی تھی، حضرت نوحؑ نے اس کی دم پر دست شفقت پھیرا تھا، اسی لیے بھیر کی شرم گاہ پوشیدہ رہتی ہے۔

سائل: اہل جنت کس زبان میں اور اہل دوزخ کس زبان میں گفتگو کریں گے؟

امیر المومنینؑ: اہل جنت کی زبان عربی ہوگی اور اہل دوزخ کی زبان مجوسیوں والی ہوگی۔

سائل: نیند کی کتنی قسمیں ہیں؟

امیر المومنینؑ: نیند چار قسم کی ہوتی ہے۔

1۔ انبیاء سیدھے سوتے ہیں اور وہ سوتے میں بھی وحی الہی کے منتظر ہوتے

ہیں۔

2۔ مومن قبل موعہ ہو کر دائیں کروٹ کے بل سوتا ہے۔

3۔ بادشاہ اور ان کی اولاد بائیں کروٹ کے بل سوتے ہیں تاکہ ان کی غذا

ہضم ہو سکے۔

4۔ ابلیس اور اس کے بھائی بند اور دیوانے اور آفت رسیدہ افراد منہ کے بل اٹے سویا کرتے ہیں۔

اس کے بعد وہ ساکلی بیٹھ گیا اور ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا :-
سائل : امیر المومنین ! آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم بدھ کے دن کو منحوس کیوں سمجھتے ہیں اور اسے اپنے لیے گراں کیوں قرار دیتے ہیں اور وہ بدھ کون سا ہے جو کہ نحس ہے ؟

امیر المومنین : وہ مہینہ کے آخر میں آنے والا بدھ ہے جو کہ ایام محاق میں آئے (ایم محاق سے مراد ہر قمری مہینے کی آخری تین تاریخیں ہیں جن میں چاند نظر نہیں آتا) اس بدھ میں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا ، اور اس بدھ کے روز ابراہیم علیہ السلام کو نار نمرود میں ڈالا گیا تھا اور انہیں منجھنق میں بٹھایا گیا تھا ، اور بدھ کے دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا اور بدھ کی شب قوم لوط کی زمین کو الٹا دیا گیا اور اس کے اوپر والے حصے کو نیچے کر دیا گیا ، اور بدھ کے دن قوم عاد پر اللہ نے ہوا کا عذاب نازل کیا اور اس علاقہ کو ایسا کر دیا جیسا کہ کھیت سے فصل کٹ گئی ہو ۔

اور بدھ کے دن نبی اللہ نے نمرود پر مجھڑ کو مسلط کیا تھا ، اور بدھ کے دن فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور بدھ کے دن ہی ایک نافرمان گروہ پر چھت آگری تھی اور بدھ کے دن فرعون نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کا اعلان صادر کیا اور بدھ کے دن بیت المقدس ویران ہوا اور بدھ کے دن کوہ فارس کے علاقہ اصطر میں سلیمان بن داؤد کی مسجد کو نذر آتش کیا گیا اور بدھ کے دن یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو شہید کیا گیا۔ اور بدھ کے دن فرعون پر عذاب کا آغاز ہوا ، بدھ کے دن قارون کو زمین میں دھنسیا گیا۔

اور بدھ کے دن ایوب علیہ السلام کی آزمائش ہوئی جس میں ان کے اہل و

عیال اور مال و متاع سب ختم ہو گیا اور بدھ کے دن یوسف علیہ السلام کو زندان میں ڈالا گیا اور وہ دن بھی بدھ کا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّا دَمَرْنَا لَهُمْ وَقُومَهُمُ أَجْمَعِينَ - (النمل - ۵۱)

”ہم نے انہیں اور ان کی تمام قوم کو تباہ کر دیا“۔

اور بدھ کے دن ہی چنگھاڑ سنائی دی تھی ، اور بدھ کے دن ہی کنکریوں کی بارش ہوئی تھی ، اور بدھ کے دن آنحضرتؐ زخمی ہوئے اور ان کے دندان شہید ہوئے ، بدھ کے دن عمالقہ تابوت سکی نہ کولے گئے تھے۔

سائل : یہ بتائیں کہ کونسا کام کس دن سر انجام دینا چاہیے ؟

امیر المومنینؑ : ہفتہ کا دن مکاری اور دھوکے کا دن ہے ۔ اتوار کاشت اور تعمیر کا دن ہے ۔ پیر (سوموار) جنگ اور خون کا دن ہے (دوسری روایت کے مطابق سوموار سفر اور طلب کا دن ہے)۔ منگل سفر اور طلب کا دن ہے (دوسری روایت کے مطابق منگل جنگ اور خون کا دن ہے)۔ بدھ نحس ہے اور لوگ اس سے بد شگونی لیتے ہیں۔ جمعرات حکام کے پاس جانے اور حاجات کے پورا ہونے کا دن ہے۔ جمعہ نکاح اور منگنی کا دن ہے۔

۲۔ (مخفف اسناد) احمد بن طائی روایت کرتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام

نے فرمایا :-

بدھ کا دن قوم عاد کی تباہی کا دن اور مستقل منحوس دن ہے جو اس دن فصہ کھلائے تو اس کے متعلق خطرہ ہے کہ اس کی رگیں کہیں سبز نہ ہو جائیں اور جو اس دن ”نورہ“ لگائے اس کے متعلق برص کا اندیشہ ہے ۔ (۱)

۱۔ نورہ چھلنے کے ساتھ چند دیگر اشیاء سے مرکب ضماد سے تیار کیا جاتا ہے جسے غیر ضروری باتوں کی صفائی کے لیے باتوں کے مخصوص مقامات پر لگایا جاتا ہے۔

حضرت کا زید شہید کے متعلق فرمان

۱۔ (محذوف اسناد) ابن ابی عبدون نے اپنے والد سے روایت کی۔

انہوں نے کہا: زید بن موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بصرہ میں بغاوت کی اور بنی عباس کے مکانات نذر آتش کیے، آخر کار وہ گرفتار ہوئے اور اسے مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو مامون نے امام علی رضا علیہ السلام کی وجہ سے اس کو معاف کر دیا اور اس نے امام علیہ السلام سے کہا:-

آپ کے بھائی نے بغاوت کی اور اس نے جو کچھ کرنا تھا کیا، آپ جانتے ہیں کہ اس سے پہلے زید بن علی زین العابدینؑ نے بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی تھی، اسے بنی امیہ نے قتل کر دیا تھا اور میں نے آپ کے بھائی زید کو صرف آپ کی وجہ سے معاف کیا ہے، اگر یہ آپ کا بھائی نہ ہوتا تو میں اسے قتل کرا دیتا، اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”بادشاہ سلامت! آپ میرے بھائی زید کا قیاس زید بن علی زین العابدینؑ پر نہ کریں، زید شہیدؑ آل محمد کے علما میں سے تھے، وہ اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے اور انہوں نے دشمنان خدا سے جہاد کیا اور بالآخر شہید ہوئے۔“

میرے والد علیہ السلام نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: اللہ میرے چچا زیدؑ پر رحم کرے، انہوں نے آل محمد کی رضا کی دعوت دی تھی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو وہ اپنی دعوت کی شرط کو ضرور پورا کرتے انہوں نے خروج کے لیے مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا اور میں نے انہیں کہا تھا:-

” چچا جان ! اگر آپ قتل ہونا چاہتے ہیں اور کوفہ کے محلہ کناسہ میں صلیب پر لٹکنے کے خواہش مند ہیں تو خروج کریں ورنہ نہیں۔“

جب زید امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس سے باہر گئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اس پر افسوس اور تباہی ہو جو ان کی دعوت لی آواز سن کر اس پر لبیک نہ کہے۔“

مامون نے کہا: ابوالحسن ! مگر جو ناحق امامت کا دعویٰ کرے تو اس کا عذاب بھی تو احادیث میں موجود ہے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ” انہوں نے سرے سے امامت کا ناحق دعویٰ ہی نہیں کیا تھا اور وہ خوف خدا رکھنے والے انسان تھے ، انہوں نے صرف رضائے آل محمد کی دعوت دی تھی۔“

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ان افراد کی مذمت کی گئی ہے جو ناحق امامت کا دعویٰ کرتے ہوئے کہیں کہ انہیں اللہ کی طرف سے منصب امامت عطا ہوا ہے ، پھر دین خداوندی کی مخالفت کی دعوت دیں اور علم کے بغیر لوگوں کو راہ راست سے بھڑکائیں ۔

حضرت زید ایسے ہرگز نہ تھے ، وہ تو قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق تھے ۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَكُمْ۔ (الحج۔ ۷۸)

” اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے ، اس نے تمہیں

چن لیا ہے ۔“

معصومین کی زبانی زید شہید کی فضیلت

مصنف کتاب ہذا محمد بن علی بن حسین کہتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام کے علاوہ دیگر معصومین نے بھی زید شہیدؑ کے فضائل بیان کیے ہیں، موقع و مقام کی مناسبت سے میں چند احادیث لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کتاب کے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ امامیہ کی نظر میں زید شہید کا کیا مقام ہے۔

۲۔ یہ حدیث مجھ سے احمد بن ہارون الفامی نے ۳۵۴ ہجری میں مسجد کوفہ میں بیان کی، اس نے یہ حدیث محمد بن عبد اللہ بن جعفر حمیری سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے محمد بن حسین بن ابی الخطاب سے، انہوں نے حسین بن علوان سے، انہوں نے عمر بن ثابت سے، انہوں نے داؤد بن عبد الجبار سے، انہوں نے جابر بن یزید جعفی سے، انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے آباء طاہرین کی سند سے علی علیہ السلام سے روایت کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین علیہ السلام سے فرمایا:-

حسین! تیری نسل میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام زید ہو گا، قیامت کے دن زید اور اس کے ساتھی سفید چہرے لیئے ہوئے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔“

۳۔ (حذف اسناد) عمرو بن خالد بیان کرتے ہیں کہ زید بن علی زین العابدین علیہ السلام نے اس کے بالوں کو پکڑ کر کہا:-

”میرے والد علی زین العابدین علیہ السلام نے میرے بال پکڑ کر مجھ سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میرے والد امام حسین علیہ السلام نے میرے بال پکڑ کر مجھ سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا میرے والد علی بن ابی طالب

علیہ السلام نے میرے بال پکڑ کر مجھ سے یہ حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بال پکڑ کر فرمایا :-

جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی ، اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں گے۔“

۴۔ (بخاری اسناد) معمر کہتے ہیں :-

ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھ ہوئے تھے ، اسنے میں زید بن علی زین العابدین آئے اور وہ دروازے کے بالائی کناروں کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : ”چچا جان ! میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ کہیں تمہیں کوفہ کے محلہ کناسہ میں صلیب پر نہ چڑھایا جائے۔ زیدؓ کی والدہ نے حضرت کے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے حضرت سے کہا :-

آپ نے یہ الفاظ میرے بیٹے سے حسد کی بنا پر کہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا : کاش ! یہ الفاظ حسد کی وجہ سے ہی ہوتے ، آپ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے ۔

مجھ سے میرے والد نے بیان کیا ، انہوں نے کہا کہ ان کے جد اطہر نے فرمایا تھا :-

ان کی نسل سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام زید ہو گا ، وہ کوفہ میں قتل ہو گا اور کناسہ میں صلیب پر لٹکایا جائے گا ، اسے قبر سے نکال کر صلیب پر چڑھایا جائے گا اور اس کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے ، اہل زمین و آسمان اس پر فخر کریں گے ، اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز رنگ کے ایک پرندے کے پوٹے میں رکھے گا ، وہ اپنی مرضی سے جنت کی سیر کریں گے۔“

۵۔ (محذوف اسناد) جابر جعفی کہتے ہیں :-

میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ، اس وقت ان کے پاس ان کے بھائی زید بیٹھے ہوئے تھے ، اسی اثناء میں معروف بن خریذ کی بھی ان کی خدمت میں آئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا : معروف ! ہمیں کوئی اپنا عمدہ سا شعر سناؤ۔

چنانچہ معروف نے یہ شعر پڑھے۔

لعمرك ما ان ابو مالك بوان و لا بضعيف قواه
و لا بالذ لذي قوله يعادى الحكيم اذا مانهاه
و لكنه سيد بارع كريم الطبايع حلو ثناه
اذا سدت سدت مطواعة و مهما و كلت اليه كفاه
”تیری حیات کی قسم ! ابو مالک نہ تو کمزور ہے اور نہ ہی اس کے قوی
ضعیف ہیں اور جب کوئی دانا اسے کسی کام سے روکے تو وہ اس سے الجھنے والا نہیں
ہے ، وہ تو ایک عظیم المرتبت سردار ہے ، جو کہ شریفانہ طبیعت رکھتا ہے اور اس
کی تعریف اچھی لگتی ہے۔

اور جب تو اسے روکے گا تو ایک اطاعت گزار کو روکے گا اور جب تو کوئی
کام اس کے سپرد کرے گا تو وہ اسے پورا کرے گا۔“

امام محمد باقر علیہ السلام نے زید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا :-
”ابو الحسن ! یہ تو تمہاری وصف ہے۔“

۶۔ (محذوف اسناد) عبد اللہ بن سیاہ بیان کرتے ہیں :-

ہم سات افراد کوفہ سے مدینہ آئے اور ہم امام جعفر صادق علیہ السلام
کے پاس گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہم سے فرمایا :-

تمہارے پاس میرے بیچا زید کے متعلق کوئی خبر ہے ؟

ہم نے کہا: اب تک خروج کر چکے ہوں گے یا کرنے ہی والے ہوں گے۔

آپؑ نے فرمایا: اگر تمہیں ان کے متعلق کوئی خبر موصول ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔

ہم چند روز مدینہ میں ٹھہرے رہے ، ایک دن ہمام صراف کا قاصد خط لے کر آیا جس میں اس نے لکھا تھا۔

زید بن علیؑ نے ماہ صفر میں بدھ کے دن خروج کیا اور بدھ اور جمعرات تک زندہ رہے اور جمعہ کے دن قتل ہو گئے اور ان کے ساتھ فلاں فلاں افراد شہید ہو گئے۔

ہم امام علیہ السلام کے پاس گئے اور وہ خط ان کے سامنے رکھا۔

امام علیہ السلام خط پڑھ کر رونے لگے اور کہا :-

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - (البقرہ: ۱۵۶)

”ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں“

میں اس مصیبت کا اجر خدا سے طلب کرتا ہوں ، وہ بہترین چچا تھے اور وہ ہماری دنیا اور آخرت کے لیے کار آمد فرد تھے۔

خدا کی قسم ! میرے چچا اس دنیا سے شہید ہو کر گئے اور انہیں ان شہیدوں کا مقام حاصل ہو گیا جو رسول خدا ، علی مرتضیٰ اور حسن و حسین علیہم السلام کی معیت میں شہید ہوئے تھے۔“

۷۔ (بخاری شناد) فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ جس دن زیدؑ نے کوفہ میں خروج کیا ، میں اسی صبح کو کوفہ میں پہنچ گیا تھا۔

میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: ”کوئی ہے جو شام کے دہقانوں کے ساتھ جنگ میں میری مدد کرے ، مجھے اس ذات کی قسم جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، تم میں سے جو بھی شخص ان کے مقابلے میں میری مدد کرے گا، قیامت کے دن میں اس کا ہاتھ پکڑ کر حکم خدا جنت میں لے جاؤں گا۔

جب زید شہید ہو گئے تو میں نے ایک جانور کرایہ پر لیا اور مدینہ کا رخ کیا اور دل میں یہ ارادہ تھا کہ میں یہ خبر امام جعفر صادق علیہ السلام کو جا کر سناؤں گا۔ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا: ”میرے چچا زید کا کیا بنا؟“ میری آواز گلے میں رندھ گئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ظالموں نے انہیں قتل کر دیا؟“ میں نے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کیا ظالموں نے انہیں صلیب پہ بھی لٹکایا؟“ میں نے کہا: جی ہاں! لوگوں نے انہیں صلیب پر بھی چڑھایا۔ یہ سن کر امام علیہ السلام کی آنکھوں سے بارش کی طرح آنسو برسنے لگے اور مجھ سے فرمایا:۔

”فضیل! کیا تو نے میرے چچا کے ساتھ مل کر اہل شام سے جنگ کی تھی؟“

میں نے عرض کیا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”تم نے کتنے افراد کو قتل کیا تھا؟“

میں نے کہا: میں نے چھ افراد کو قتل کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: ”تو کیا ان کے قتل کرنے کے متعلق تمہیں کوئی شک و تردد لاحق ہے؟“

میں نے عرض کیا: اگر مجھے شک ہوتا تو میں ان کو قتل ہی کیوں کرتا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ”اللہ مجھے اس خون میں شریک کرے زید حضرت علی بن ابی

طالب اور ان کے ساتھیوں کی راہ پر چلتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔“

مختلف امور کے متعلق حضرت سے مروی روایات

۱۔ (حذف اسناد) آپ کے غلام، عباس سے روایت ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

”جو شخص آذان صبح اور آذان مغرب سن کر یہ دعا پڑھے اور اگر وہ اس دن یا اس رات مر جائے تو تائب ہو کر مرے گا۔

دعا یہ ہے -

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاقْبَالِ نَهَارِكَ وَ اِدْبَارِ لَیْلِكَ وَ حَضْرِ صَلَواتِكَ وَ اَضْوَآتِكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اَنْ تُتُوْبَ عَلٰی اِنَّكَ التَّوَابُ الرَّحِیْمُ۔

”خدا یا! میں تجھ سے تیرے دن کی آمد اور رات کے جانے اور تیری نمازوں کا وقت ہونے اور تیری دعاؤں کی آوازوں کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

۲۔ (حذف اسناد) دعلیل بن علی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا، انہوں نے اپنے آباؤں کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:-

”قیامت کے روز میں چار افراد کی شفاعت کروں گا۔

1۔ میرے بعد میری ذریت کا احترام کرنے والا۔

2۔ ان کی حاجات پوری کرنے والا۔

3۔ ان کی پریشاں حالی کے وقت ان کے لیے جدوجہد کرنے والا۔

4۔ اپنے دل اور زبان سے ان سے محبت کرنے والا۔

۳۔ (حذف اسناد) فتح بن یزید جرجانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا جس میں میں نے دریافت کیا کہ ایک شخص ماہ رمضان کے دن میں دس مرتبہ کسی عورت سے حلال یا حرام طریقہ سے مقاربت کرتا ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے ؟

امام علیہ السلام نے لکھا: ”اسے دس کفارے ادا کرنے پڑیں گے ، ہر بار کے لیے ایک کفارہ دینا ہو گا ، اور اگر کوئی رمضان کے کسی دن میں کھانا کھائے یا پانی پیئے تو اسے ایک دن کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔“

۴۔ (حذف اسناد) یوسف بن محمد بن زیاد نے اپنے والد سے روایت کی ، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ۔

انہوں نے فرمایا: ”جب جعفر بن ابی طالب حبشہ سے واپس آئے تو رسول خداؐ ان کے لیے کھڑے ہوئے اور بارہ قدم چل کر ان کا استقبال کیا ، انہیں گلے لگایا ، ان کی پیشانی کا یوسہ دیا اور بڑ پڑے اور فرمایا :-

جعفر! آج میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ مجھے ان دو میں سے کس چیز کی زیادہ خوشی ہے ۔ تیرے یہاں آنے کی یا تیرے بھائی علی کے ہاتھوں خیبر فتح ہونے کی ، آنحضرتؐ خوشی کی شدت سے روئے تھے۔“

۵۔ (حذف اسناد) حسن بن علی الوشا نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، آپ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے کہا:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”معراج کی شب میں نے ایک رحم کو دیکھا جو عرش سے چٹا ہوا دوسرے رحم کی اپنے پروردگار سے شکایت کر رہا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا: ”تم دونوں کے درمیان کتنے کباء کا فاصلہ ہے۔
اس نے کہا: ہم چالیسویں پشت میں جا کر ملتے ہیں۔“

۶۔ (حذف اسناد) عباس بن ہلال سے روایت ہے ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے
امام علی رضاعلیہ السلام سے سنا۔
آپؑ نے فرمایا:-

”جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے ماہ شعبان میں ایک دن روزہ رکھے ، اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص ماہ شعبان میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گروہ میں محشور فرمائے گا ، اور اللہ کی طرف سے کرامت کا حق دار ہو گا ، اور جو شخص ماہ شعبان میں صدقہ دے اگرچہ کھجور کا ایک حصہ ہی کیوں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ پر حرام کر دے گا اور جو شخص ماہ شعبان کے تین روزے رکھے اور انہیں ماہ رمضان سے ملائے تو اللہ تعالیٰ اسے دو مسلسل مہینوں کے روزوں کا ثواب عطا کرے گا۔“

۷۔ (حذف اسناد) زکریا بن آدم نے امام علی رضاعلیہ السلام سے روایت کی۔
آپؑ نے فرمایا: ”نماز کے چار ہزار دروازے ہیں۔“

۸۔ (حذف اسناد) ابو ہاشم جعفری نے امام علی رضاعلیہ السلام سے پوچھا:-
مصلوب (جسے سولی پر چڑھایا گیا ہو) پر نماز جنازہ کس طرح سے پڑھنی چاہیئے ؟
آپؑ نے فرمایا: کیا تجھے علم نہیں ہے کہ میرے دادا صلوات اللہ علیہ نے اپنے چچا کی نماز جنازہ پڑھی تھی ۔

میں نے کہا: جی ہاں ! مجھے یہ علم ہے لیکن اس کی کیفیت کو نہیں جانتا ، آپ

اس کی وضاحت فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: ”ہم وضاحت کرتے ہیں، اگر مصلوب کا چہرہ قبلہ کی جانب ہو تو اس کے دائیں کندھے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، اگر اس کی پشت قبلہ کی جانب ہو تو اس کے بائیں کندھے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔

مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے، اگر مصلوب کا بایاں کندھا قبلہ کی طرف ہو تو تم اس کے دائیں کندھے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ اور اگر اس کا دایاں کندھا قبلہ کی طرف ہو تو تم اس کے بائیں کندھے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، اگر وہ منحرف ہو تو تم اس کے کندھوں سے دور نہ ہونا اور تمہارا چہرہ مشرق و مغرب کے درمیان ہونا چاہیئے اور نہ تو اس کی طرف منہ ہو اور نہ ہی پشت ہو۔“

ابو ہاشم راوی کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:-

اب تم نے مسئلہ سمجھ لیا ہو گا۔

مصنف کتاب ہذا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”یہ حدیث غریب ہے، اصول و مصنفات میں مجھے یہ حکم کہیں نہیں مل

سکا اور اس حدیث کو صرف انہی اسناد سے ہی پہچانتا ہوں۔“

۹۔ (حذف اسناد) حضرت کے ایک غلام، حارث بن دلہات نے امام علی

رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اس میں تین خصلتیں نہ ہوں، ان میں سے ایک اللہ کی سنت ہے، ایک اللہ کے نبیؐ کی سنت ہے اور ایک اللہ کے ولیؐ کی سنت ہے۔

اللہ کی سنت راز کو پوشیدہ رکھنا ہے، چنانچہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ

رَسُولٍ۔ (جن۔ ۲۶، ۲۷)

”وہ غیب کے جاننے والا ہے، اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس کے کہ جس رسول کو چن لے۔“

(لہذا مومن کو چاہیے کہ اپنے راز کی حفاظت کرے)

نبی کی سنت لوگوں سے مدارات سے پیش آتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مدارات سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ (اعراف: ۱۹۹)
”عفو و درگزر کی عادت اپنائیں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے منہ موڑ لیں۔“

(لہذا مومن کو صاحب تواضع و مدارات ہونا چاہیے)
ولی کی سنت دکھ اور بیماری میں صبر کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ۔ (البقرہ: ۱۷۷)
”اور وہ فقر و فاقہ اور پریشانیوں اور بیماریوں اور میدان جنگ کے حالات میں صبر کرتے ہیں۔“

(لہذا مومن کو صابر ہونا چاہیے)

۱۰۔ (محذوف اسناد) سلیمان بن جعفر جعفری نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے اپنے آباء طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔
”کوئے سے تین خصلتیں سیکھو۔“

- 1۔ اس کا چھپ کر مقابرت کرنا۔
- 2۔ حصول رزق کے لیے صبح سویرے اٹھنا۔
- 3۔ ہر وقت ہو شیار رہنا۔“

۱۱۔ (محذوف اسناد) یاسر خادم سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا۔
 انہوں نے فرمایا :-
 ”یہ مخلوق تین موقع پر سب سے زیادہ پریشان ہوتی ہے۔
 1۔ جب انسان شکم مادر سے برآمد ہو کر اس وسیع و عریض دنیا کو دیکھتا ہے۔
 2۔ جب مر کر آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔
 3۔ جب قبر سے قیامت کے دن نکالا جائے گا تو انسان وہ کچھ دیکھے گا جسے اس نے دنیا میں نہیں دیکھا ہو گا۔
 اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو ان تینوں مواقع کی سلامتی عطا کی جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم۔ ۱۵)
 ”اور ان پر سلامتی ہے جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھایا جائے گا۔“
 اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی مذکورہ تینوں مواقع کے لیے اپنی سلامتی کا خود اعلان کرتے ہوئے فرمایا :-

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا۔ (مریم۔ ۳۳)
 ”اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤں گا۔“

۱۲۔ (محذوف اسناد) حضرتؑ کے ایک غلام حسین بن علی دیلمی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا :-

”جو شخص تین اہل ایمان کو حج کرائے تو اس نے دولت کے بدلے اللہ سے اپنی جان کو خرید لیا ، اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس سے اس کی دولت کے متعلق سوال نہیں

کرے گا کہ اس نے حلال سے کمائی تھی یا حرام سے کمائی تھی؟“
مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں :-

”اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اس سے مشتبہ مال کے متعلق سوال نہیں کرے گا اور اس کے دعویداروں کو اپنی طرف سے معاوضہ دے گا۔“

۱۳۔ (بخاری اسناد) حارث بن دلماث نے اپنے والد سے روایت کی ، انہوں نے ابوالحسن علی بن موسیٰ رضاؑ سے روایت کی ۔
آپؑ نے فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا اور انہیں تین چیزوں سے متصل قرار دیا۔
1۔ اللہ نے نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ حکم دیا ، لہذا جو شخص نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر اور والدین کے شکر یہ کا ایک ساتھ حکم دیا ، لہذا جو شخص اللہ کا شکر ادا کرے اور والدین کا شکر یہ ادا نہ کرے تو خدا کا شکر قبول نہیں ہوگا۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تقویٰ اور صلہ رحمی کا ایک ساتھ حکم دیا ہے ، لہذا جو شخص خوف خدا کے تقاضوں پر تو عمل کرے لیکن صلہ رحمی نہ کرے تو اس نے اللہ کا خوف ہی دل میں نہیں رکھا۔“

۱۴۔ (بخاری اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی سے روایت ہے ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ۔
آپؑ نے فرمایا :-

”حلم ، علم اور خاموشی فقیہ کی علامات میں سے ہیں یقیناً خاموشی حکمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے ، خاموشی محبت کا ذریعہ ہے اور وہ ہر بھلائی کے لیے رہنمائی کرتی ہے۔“

۱۵۔ (حذف اسناد) حمدان دیوانی سے روایت ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

”ہر شخص کا دوست اس کی عقل اور اس کا دشمن اس کی جہالت ہوتی ہے۔“

۱۶۔ (حذف اسناد) ابوالقاسم عبداللہ بن محمد طائی نے اپنے والد سے روایت کی ہے، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے روایت کی۔

”ایک شخص نے حضرت علیؑ کو کھانے کی دعوت دی، تو آپ نے فرمایا:-

اگر تمہیں ہماری تین شرائط منظور ہوں تو ہم تمہاری دعوت قبول کریں گے۔

اس شخص نے پوچھا: مولا! وہ کون سی شرائط ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: 1۔ باہر سے کوئی چیز لا کر دعوت میں شامل نہ کرو گے۔

2۔ گھر کا کھانا ہم سے چھپا کر نہ رکھو گے۔

3۔ ہماری وجہ سے اہل و عیال کو تکلیف میں مبتلا نہ کرو گے۔

اس شخص نے کہا: مولا! مجھے آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔

آپؑ نے اس کی دعوت قبول فرمائی۔

۱۷۔ (حذف اسناد) داؤد بن سلیمان نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت

کی، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

چار افراد کا بروز قیمت میں شفیع ہوں گا، اگرچہ وہ میرے پاس تمام اہل ارض

کے گناہ لے کر بھی کیوں نہ آئیں۔

1۔ میرے اہل بیت کا مددگار۔

2۔ بوقت ضرورت ان کی حاجات پوری کرنے والا۔

3۔ دل و زبان سے ان کے ساتھ محبت کرنے والا۔

4۔ اپنے ہاتھ سے ان کا دفاع کرنے والا ۔

۱۸۔ (مخفف اسناد) حسن بن علی بن فضال نے امام علی رضاعلیہ السلام سے

روایت کی ۔

آپؑ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل سے چاند چھپ گیا ، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ مصر سے یوسف علیہ السلام کی لاش نکالو اور جب تم لاش نکالو گے تو چاند طلوع ہو گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا: کیا تمہیں قبر یوسف کا علم ہے ؟ لوگوں نے بتایا: یہاں ایک بڑھیا رہتی ہے جسے قبر یوسف کا علم ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند افراد کو اس کے پاس بھیجا تو وہ ایک لپانج بڑھیا کو اٹھا کر ان کے پاس لے آئے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑھیا سے پوچھا: کیا تمہیں قبر یوسف کے مقام کا علم ہے ؟

بڑھیا نے کہا: جی ہاں ! مجھے ان کا مقام قبر معلوم ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو ہمیں اس کی نشان دہی کرو۔

بڑھیا نے جواب میں کہا: جب تک آپ مجھے چار باتوں کی ضمانت نہ دیں میں آپ کو اس مقام کی نشان دہی نہیں کروں گی ۔

1۔ میں لپانج ہوں اور چلنے پھرنے سے عاجز ہوں ، آپ میری ٹانگوں کو

ٹھیک کر دیں ۔

2۔ مجھے دوبارہ شباب و جوانی لے کر دیں۔

3۔ مجھے دوبارہ بصارت عطا کرائیں۔

4۔ مجھے جنت میں اپنی زوجہ بنائیں ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑھیا کی شرائط ناگوار گذریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں

وحی فرمائی۔

جو کچھ یہ مانگ رہی ہے اسے دے دو، کیونکہ اس کی تمام شرائط کا تعلق میری قدرت کاملہ سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے تمام مطالبات منظور کیئے تو اس نے دریائے نیل کے کنارے ایک مقام کی نشان دہی کی اور بتایا کہ یوسف علیہ السلام کی میت سنگ مرمر کے صندوق میں بند ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ صندوق برآمد کیا۔ تو چاند طلوع ہوا پھر حضرت اس صندوق کو اپنے ساتھ ملک شام لے گئے، یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب اپنے مردوں کو شام لے جاتے ہیں۔

۱۹۔ (حذف اسناد) علی بن حسن بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں) کا مطلب دریافت کیا۔

آپؑ نے فرمایا: ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی علامات میں سے ایک علامت ثبت کر رہا ہوں اور وہ ہے عبادت۔

۲۰۔ (حذف اسناد) سلیمان بن جعفر نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ہر ہد کے پروں میں سریانی زبان میں اللہ تعالیٰ نے یہ عبارت تحریر فرمائی:

اَلْمُحَمَّدُ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۔

”آل محمدؐ بہترین مخلوق ہے۔“

۲۱۔ (حذف اسناد) ابو علی احمد بن علی بن ممدی رقی نے اپنے والد سے

روایت کی ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، آپ نے اپنے کبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ، آپ نے فرمایا :-

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :-

یا علیؑ ! اس کے لیے خوشخبری ہے جس نے تم سے محبت کی اور تیری تصدیق کی اور اس کے لیے ہلاکت ہے جس نے تم سے بغض رکھا اور تجھے جھٹلایا۔

یا علیؑ ! تیرے محبت ساتویں آسمان اور ساتویں زمین اور اس کے ماتین معروف ہیں ، وہ اہل دین اور اہل تقویٰ اور اہل سیرت حسنہ اور خدا کی رضا کے لیے انکساری کرنے والے ہیں ، ان کی نگاہیں پر خشوع اور ان کے دل ذکر خداوندی کی وجہ سے خائف ہوتے ہیں اور انہوں نے تیری ولایت کے حق کو پہچانا ہے ، ان کی زبانیں تیری فضیلت کے بیان میں بولنے والی ہیں اور تیری اور تیری اولاد کے ائمہ کے مصائب کی وجہ سے ان کی آنکھیں روتی رہتی ہیں۔

اللہ نے اپنی کتاب میں انہیں جو حکم دیا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ سنت پیغمبرؐ کی برہان ان تک پہنچی ہے وہ اس پر یقین رکھتے ہیں اور انہیں اولی الامر جو حکم دیتے ہیں وہ اس پر عمل کرتے ہیں ، وہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں قطع رحمی نہیں کرتے ، ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے ہیں ، بغض رکھنے والے نہیں ہیں اور فرشتے ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور ان میں سے جو گناہ گار ہو ، فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ان کے جنازے میں شامل ہوتے ہیں اور ایسے اہل ایمان کے چلے جانے کی وجہ سے ملائکہ روز قیامت تک تنہائی محسوس کرتے ہیں۔“

۲۲۔ (حذف اسناد) عبد السلام بن صالح ہروی نے امام علی رضا علیہ السلام سے

روایت کی ، انہوں نے اپنے کبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے حضرت علی بن ابی

طالب علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا۔

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے افضل اور بہتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔“

علی علیہ السلام نے عرض کی :-

”یا رسول اللہ ! آپ افضل ہیں یا جبریل ؟“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”یا علی ! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقررین سے افضل

بنایا ہے اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے ، اور میرے بعد تم اور تمہاری

نسل کے ائمہ افضل ہیں ، اور یقیناً ملائکہ ہمارے اور ہمارے محبوبوں کے خادم ہیں۔

حاملین عرش اور اس کے گرد مقرر فرشتے اللہ کی حمد کے ساتھ پاکیزگی

بیان کرتے ہیں اور جو لوگ ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں ، ان کے لیے استغفار

کرتے ہیں ۔

یا علی ! اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ حوا کو اور

نہ ہی جنت و دوزخ کو پیدا کرتا اور نہ ہی آسمان و زمین کو پیدا کرتا ۔

ہم بھلا ملائکہ سے افضل کیونکر نہ ہوں جب کہ ہم نے پروردگار کی معرفت

اور تسبیح و تہلیل و تقدیس میں ان پر سبقت حاصل کی ہے ، کیونکہ سب سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو پیدا کیا اور اسے اپنی توحید و تجید کے ساتھ گویائی

عطا کی ، پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا کیا ، جب ملائکہ نے ہمیں نور واحد کی صورت

میں مشاہدہ کیا تو انہوں نے ہماری شان کو عظیم سمجھ لیا تو ہم نے

”سُبْحَانَ اللَّهِ“ (تسبیح کرتا ہوں میں خدائے بزرگ کی) پڑھا تا کہ ملائکہ

کو علم ہو جائے کہ ہم پیدا ہونے والی مخلوق ہیں اور ہمارا پیدا کرنے والا ہماری

صفات سے منزہ ہے۔

چنانچہ ہماری تسبیح سن کر ملائکہ نے تسبیح کی اور اللہ کو ہماری صفات سے منزہ سمجھا، اور جب ملائکہ نے ہماری عظمتِ شان کو ملاحظہ کیا تو ہم نے کہا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں، معبود نہیں ہیں، اسی لیے نہ تو اللہ کے ساتھ ہماری عبادت جائز ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ ہماری عبادت جائز ہے۔ چنانچہ ہم سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سن کر ملائکہ نے بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا۔

اور جب ملائکہ نے ہمارے مقام کی بڑائی (بزرگی) کا ملاحظہ کیا تو ہم نے کہا۔ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ (اللہ بڑا بزرگ و برتر ہے) تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ بڑائی کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے، اس کے علاوہ کسی اور مقام سے بڑائی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور جب ملائکہ نے ہماری عزت و قوت کا مشاہدہ کیا تو ہم نے کہا۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ (نہیں ہے کوئی طاقت اور قوت سوائے خدائے بلند اور بزرگ کے)

تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ ہماری قوت و طاقت اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اور جب ملائکہ نے ہم پر اللہ کے انعامات اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا مشاہدہ کیا تو ہم نے کہا۔

”الْحَمْدُ لِلَّهِ“۔ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ثابت ہیں) تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ نعمتوں کے شکر کا انداز کیا ہوتا ہے، چنانچہ ملائکہ نے ہم سے سن کر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہا۔

ہماری وجہ سے ہی ملائکہ کو توحید پروردگار کی معرفت نصیب ہوئی اور ہماری وجہ سے ہی انہیں تسبیح، تہلیل، تہمید اور تمجید کا علم ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ہمیں صلب آدم میں ودیعت فرمایا ، اسی لیے اللہ نے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم دیا اور اس سجدہ سے ہماری تعظیم و اکرام مقصود تھا، ملائکہ کا سجدہ از روئے عبودیت اللہ کے لیے تھا اور بطور اکرام آدم علیہ السلام کے لیے تھا اور اس سے ہماری اطاعت مقصود تھی کیونکہ ہم ان کے صلب میں موجود تھے۔

اور ہم ملائکہ سے افضل کیونکہ نہ ہوں جب کہ تمام ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور جب مجھے معراج ہوئی تو جبریلؑ نے اذان و اقامت دی پھر مجھے کہا:-
”محمدؐ! آپ آگے بڑھیں۔“

میں نے کہا: ”میں تم سے آگے بڑھوں۔“

جبریلؑ نے کہا: ”جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو تمام فرشتوں پر فضیلت دی ہے اور تمہیں خاص کر فضیلت عطا فرمائی ہے۔“

پھر میں آگے بڑھا اور میں نے سب کو جماعت کرائی ، اس کے باوجود میں فخر نہیں کرتا۔ اور جب میں نور کے حجابات پر پہنچا تو وہاں جبریلؑ رک گئے اور مجھے کہا:-
”محمدؐ! آپ آگے جائیں۔“

میں نے کہا: ”جبریلؑ! تم اس مقام پر مجھے اکیلا چھوڑ رہے ہو؟“
جبریلؑ نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے میری پرواز کی حد یہاں تک ہی مقرر کی ہے ، اگر میں اس سے آگے بڑھا تو اپنی حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے میرے پر جل جائیں گے“ (۱)

پھر نور کی ایک موج سی اٹھی اور جہاں تک خدا مجھے لے جانا چاہتا تھا ، میں وہاں پہنچ گیا ، اس وقت اللہ کی طرف سے مجھے ندا کی گئی تو میں نے کہا:-

۱۔ فارسی میں اس مفہوم کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

الکریم سرمدیء برزہ - فروغ تجلی سوسائٹی

”لیک ربی و سعدیک تبارکت و تعالیت“۔

آواز قدرت بلند ہوئی۔

”محمد! تو میرا عبد اور میں تیرا رب ہوں، تم میری ہی عبادت کرتے رہنا اور مجھ پر ہی توکل کرنا، میرے بندوں میں تو میرا نور ہے اور میری مخلوق کی طرف میرا رسول ہے، اور میری مخلوق پر تو میری حجت ہے، میں نے اپنی جنت کو تیرے اور تیرے پیروکاروں کے لیے پیدا کیا اور تیرے مخالفین کے لیے میں نے دوزخ کو پیدا کیا اور تیرے اوصیاء کے لیے میں نے اپنی کرامت کو واجب کیا اور ان کے شیعوں کے لیے میں نے اپنا ثواب واجب کیا۔“

میں نے کہا: ”پروردگار! میرے اوصیاء کون ہیں؟“

نذا آنی: ”محمد! تمہارے اوصیاء کے نام عرش کے کنارے پر کندہ ہیں، اس وقت میں نے عرش کے کنارے پر نگاہ ڈالی تو مجھے بارہ نور نظر آئے اور ہر نور میں سبز سطر تحریر تھی اور اس پر میرے اوصیاء میں سے ایک وصی کا نام لکھا ہوا تھا، ان میں پہلا علیؑ اور آخری ممدی (عج) تھا۔“

میں نے کہا: ”پروردگار! کیا یہی میرے بعد میرے وصی ہیں؟“

اس وقت مجھے یہ ندائیں دی۔

”محمد! یہ میرے اوصیاء، میرے احباء اور میرے اصفیاء ہیں اور تیرے بعد میری مخلوق پر حجت ہیں، یہ آپؐ کے اوصیاء، آپؐ کے خلفاء اور آپؐ کے بعد میری بہترین مخلوق ہیں۔“

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! ان کے ذریعے سے میں اپنے دین کو غالب کروں گا اور اپنے حکم کو بلند کروں گا اور ان میں سے آخری فرد کے ذریعے سے میں زمین کو اپنے دشمنوں سے پاک کروں گا اور میں انہیں زمین کے مشارق و مغارب کی حکومت عطا کروں گا، اور ان کے لیے ہواؤں کو مسخر کروں گا اور سخت بادلوں

کو ان کا مطیع بناؤں گا اور میں ان کے لیے تمام اسباب فراہم کروں گا اور اپنے لشکر کے ذریعے سے ان کی مدد کروں گا اور اپنے ملائکہ کے ذریعے سے ان کی نصرت کروں گا۔ وہ میری دعوت کا اعلان کرے گا اور تمام مخلوق کو میری توحید پر جمع کرے گا، پھر میں ان کی سلطنت کو دوام دوں گا اور قیامت تک اقتدار و حکومت اپنے اولیاء میں قرار دوں گا۔“

۲۳۔ انہی اسناد سے امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ”حیا ایمان کا حصہ ہے۔“

۲۴۔ (حذف اسناد) حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: ”ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی حکومت عطا کی ہے جو میرے بعد کسی کو عطا نہیں ہو گی اور اللہ نے ہوا کو میرے لیے مسخر کیا اور انسانوں، حیوانوں اور جنات و طیور کو میرا تابع فرمان بنایا اور مجھے ہر طرح کی نعمت و آسائش عطا فرمائی مگر اس کے باوجود میرا ایک دن بھی پورا کبھی خوشی میں نہیں گزرا، میں کل پورا دن اپنے محل میں بسر کرنا چاہتا ہوں اور اپنے محل کی چھت پر چڑھ کر اپنی مملکت کا نظارہ کرنا چاہتا ہوں، اس لیے کل کسی کو بھی مجھ سے ملاقات کی اجازت نہ دی جائے تا کہ میرا دن آرام اور خوشی سے گزر سکے۔“

آپؑ کے ساتھیوں نے کہا: ”آپؑ کے فرمان کی تعمیل کی جائے گی۔“

جب دوسرا دن ہوا تو حضرت سلیمانؑ ہاتھ میں عصا لیے ہوئے اپنے محل کے بلند ترین حصے پر چلے گئے اور عصا کا سہارا لے کر اپنی مملکت کا نظارہ کر رہے تھے اور اپنی مملکت کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ اتنے میں انہوں نے ایک خوش

شکل اور خوش لباس نوجوان کو دیکھا کہ وہ محل کے ایک کنارے سے ان کی طرف آ رہا ہے۔

حضرت سلیمان نے اس نوجوان سے کہا۔

”تمہیں اس محل میں داخل ہونے کی کس نے اجازت دی جب کہ آج میری خلوت کا دن ہے؟“

جوان نے کہا: ”اس محل کے مالک کی اجازت سے میں اس محل میں داخل ہوا ہوں۔“
حضرت اس کے مفہوم کو سمجھ گئے اور فرمایا۔

”بے شک اس کا حقیقی مالک مجھ سے اس کا زیادہ حق دار ہے، لیکن تم کون ہو؟“
اس نے کہا: ”میں ملک الموت ہوں۔“

سلیمان علیہ السلام نے کہا: ”کس لیے آئے ہو؟“

ملک الموت نے کہا: ”میں آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔“

سلیمان علیہ السلام نے کہا: ”تم حکم خدا پر عمل کرو، یہ میری خوشی کا دن تھا مگر خدا نے میری خوشی کو اس بات میں قرار دیا کہ میں اس کی ملاقات کروں۔“

انہوں نے عصا کا سہا لیا اور ملک الموت نے کھڑے کھڑے ان کی روح قبض کر لی، چنانچہ سلیمان علیہ السلام مرنے کے بعد بھی عصا کے سہارے کھڑے رہے۔

لوگ انہیں دور سے کھڑا دیکھتے تو سمجھتے کہ زندہ ہیں، جب انہیں اس طرح کھڑے کچھ عرصہ گزرا تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔

کوئی کہتا: ”سلیمان مدت سے عصا پر کھڑے ہیں اور نہ تو وہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ہی تھک کر سوتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے رب ہیں، اسی لیے ہمیں ان کی عبادت کرنی چاہیے۔“

اور کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا: ”در اصل سلیمان ایک جادوگر ہے،

وہ جادو کے زور سے ہمیں یہ دکھا رہے ہیں کہ وہ عصا کے سہارے کھڑے ہوئے ہیں

درحقیقت ایسا نہیں ہے ، یہ سب کچھ فریب نظر کا کرشمہ ہے۔“

مومنین نے کہا: ”سلیمان اللہ کے بندے اور اس کے نبی ہیں ، اللہ اپنے امر کی جیسے چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔“

جب لوگوں میں اختلاف برپا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دیمک کو ان کے عصا پر مسلط کر دیا ، اس نے آپ کے عصا کو کھانا شروع کر دیا ، جب عصا کھو کھلا ہو گیا تو وہ ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمان منہ کے بل گر پڑے۔

قوم جنات ، جو کہ سلیمان علیہ السلام کے مسخر تھے ، انہوں نے دیمک کا شکریہ ادا کیا ، اسی وجہ سے جہاں بھی دیمک ہو گی وہاں پانی اور مٹی موجود ہوگی ۔
(یعنی دیمک کو پانی اور مٹی جنات فراہم کرتے ہیں)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ - (سبا: ۱۴)

”پھر جب ہم نے ان کی موت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی موت کی خبر بھی جنات کو کسی نے نہ بتائی سوائے دیمک کے جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی اور جب وہ گرے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

یہ آیت ان الفاظ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی تھی ، آیت کے الفاظ دراصل یہ تھے ۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْإِنْسِ الْجِنَّ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ
مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ -

” یعنی جب سلیمان گرے تب انسانوں کو معلوم ہوا کہ اگر جنات غیب

کے جانے والے ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔ (۱)

۱۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں تحریف واقع ہوئی ہے اور مذہب امامیہ کے محققین اس نظریہ کے مخالف ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید قطعی ہے جب کہ تحریف کی روایات کی حیثیت ”احاد“ کی ہے اور روایات احاد سے قطعی السند میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور تحریف کی جملہ روایات ضعیف ہیں، علمائے امامیہ نے عدم تحریف کے لیے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، قارئین کو چاہیے کہ ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حضرت کی زبانی ہاروت ماروت کے قصے کی حقیقت

۱۔ (بخاری اسناد) یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن یسار نے اپنے اپنے والد سے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔
”آپ نے قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر یوں فرمائی :-

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمَانَ وَمَا كَفَرُ
سَلِيمَانَ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

”اور انہوں نے ان باتوں کا اتباع شروع کر دیا جو شیاطین سلیمان کی سلطنت میں چپا کرتے تھے ، حالانکہ سلیمان کافر نہیں تھے “

کافر شیاطین نے لوگوں میں یہ مشہور کیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر اور زانچہ بات کی وجہ سے حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اور ان کا عظیم ملک سحر (جادو) کا مرہون تھا۔ اور اگر ہم بھی وہی جادو شروع کر دیں تو ہم بھی حکومت اور دولت حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

وَمَا كَفَرُ سَلِيمَانَ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

”سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا “

یعنی وہ ساحر ہرگز نہیں تھے کیونکہ ساحر کافر ہوتے ہیں “

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى
الْمَلَائِكِينَ بَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

”اور کافر وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے اور پھر جو کچھ

دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل میں نازل ہوا ہے۔

نوح علیہ السلام کے بعد جادوگری کا دور دورہ ہوا تو خدا نے دو فرشتوں کو اس وقت کے نبی کے پاس بھیج دیا کہ ان لوگوں کو جادو کے توڑ کی تعلیم دیں ، انہوں نے یہ کام شروع کیا تو لوگوں نے توڑ کے نام پر کچھ سیکھ کر اس سے فساد کا کام شروع کر دیا۔

چنانچہ ان دو فرشتوں نے نبی کو سحر اور رد سحر کی تعلیم دی اور نبی نے لوگوں کو جادو کے توڑ کے لیے وہ تعلیم دی تاکہ جادو کا ابطال کیا جاسکے اور لوگوں کو جادو کرنے سے منع کیا ، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ زہر کا تریاق کرنے کے لیے زہر سے واقفیت ضروری ہے۔

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ -

(البقرہ-۱۰۲)

”اور وہ (دونوں فرشتے) اس کی بھی تعلیم اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک کہ یہ کہہ نہیں دیتے تھے کہ ہم ذریعہ امتحان ہیں ، خبردار! تم کافر نہ ہو جانا۔“
مقصد یہ ہے کہ اس وقت کے نبی نے ان فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ انسانی شکل و صورت میں لوگوں کو یہ تعلیم دیں اور وہ جسے بھی سحر اور ابطال سحر کی تعلیم دیتے تو اس سے کہتے کہ ہم تمہارے لیے امتحان بن کر آئے ہیں تاکہ لوگ یہ علم حاصل کر کے اللہ کی اطاعت کا ثبوت دیں اور اس علم کو صرف رد سحر تک ہی محدود رکھیں اور خود جا دوگر بن کر کافر نہ بنیں اور لوگوں کو اس بات پر باور نہ کرائیں کہ جادو سے کسی کو زندہ کیا جاسکتا ہے یا کسی کو جادو کے زور سے مارا جاسکتا ہے ، اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ (البقرہ-۱۰۲)

”لیکن وہ لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے میاں بیوی کے

درمیان جدائی ڈال دیں۔“

لوگ ان سے اس قسم کا جادو سیکھا کرتے تھے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈالی جاسکے اور اس طرح کے تعویذ سیکھتے کہ اس تعویذ کو فلاں ویران مقام میں دفن کر دو، اس سے میاں بیوی میں جھگڑا پیدا ہو گا اور نوبت جدائی تک پہنچ جائے گی۔

وَمَا لَهُمْ بِضَّارَيْنِ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ-۱۰۲)

”حالانکہ اذن خدا کے بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے“

کیونکہ اگر خدا چاہے تو اپنے جبر و قہر سے اس تاثیر کو باطل بھی کر سکتا ہے۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (البقرہ-۱۰۲)

”اور یہ ان سے وہ سب کچھ سیکھتے تھے جو ان کے لیے مضر تھا اور اس کا

انہیں کوئی فائدہ نہیں تھا۔“

کیونکہ جب وہ سحر اور نقصان کی غرض سے جادو سیکھتے تو یقیناً اس میں ان کا اپنا بھی نقصان تھا اور وہ نقصان دین کا نقصان تھا، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ جادو سیکھ کر دین سے ہی منحرف ہو جاتے تھے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآلَا حِرَّةٍ مِنْ خَلْقٍ (البقرہ-۱۰۲)

”اور وہ یہ خوب جانتے تھے کہ جو بھی ان چیزوں کو خریدے گا، اس کا

آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔“

یعنی جو لوگ اپنے دین کا سودا جادو سے کر لیتے ہیں اور دین پر جادو کو ترجیح دیتے ہیں ان کا جنت میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔

وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (البقرہ-۱۰۲)

”اور انہوں نے اپنے نفس کا بہت برا سودا کیا، اگر یہ کچھ جانتے اور سمجھتے

ہوں۔“

ان کی بد نصیبی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے جادو جیسی گھٹیا چیز کی وجہ سے اپنی آخرت اور جنت کی نعمتوں کا سودا کیا ہے اور اپنی جانوں کو عذاب میں گروی کر دیا ہے۔

جادو گروں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ جادو گر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نہ تو کوئی خدا ہے اور نہ ہی کوئی رسول ہے اور نہ ہی یوم آخرت ہے، بس جو کچھ ہے وہ ان کے سفلی عمل ہیں۔

جب امام حسن عسکری علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام کی بیان کردہ تفسیر اس مقام تک سنا چکے تو دونوں راویوں نے عرض کی :-

ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ”جب بنی آدم میں فسق و فجور عام ہوا تو فرشتوں نے ان پر اعتراض کیا اور ہاروت و ماروت اعتراض کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانی شکل و صورت اور انسانی قوتیں دے کر بابل کی سر زمین پر نازل کیا، اور یہاں یہ دونوں ایک فاحشہ عورت کو دل دے بیٹھے اور اسے زنا کی پیش کش کی، چنانچہ اس کے کہنے پر انہوں نے شراب پی اور بت کی عبادت کی اور ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور انہیں چاہ بابل میں الٹا لٹکا دیا اور اس عورت کو اللہ نے مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا۔“

یہ سن کر امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا :-
”خدا کی پناہ! فرشتے معصوم ہیں اور لطف الہی کی وجہ سے کفر و قباہ سے محفوظ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ - (تحریم - ۶)

”وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے، وہ“

اس پر عمل کرتے ہیں۔“

اور ملائکہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (الانبیاء - ۲۰، ۲۱)

”اور اسی خدا کے لیے زمین و آسمان کی کُل کائنات ہے اور جو افراد اس کی بارگاہ میں ہیں وہ نہ اس کی عبادت سے اکر کر انکار کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں ، دن رات اس کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی کا شکار بھی نہیں ہوتے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

اس سے مراد ملائکہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے متعلق مزید ارشاد فرمایا :-

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْقُونَهُ إِلَّا لِقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ-

(الانبیاء - ۲۶، ۲۷)

”بلکہ وہ سب اسی کے محترم بندے ہیں جو کسی بات پر اس سے سبقت نہیں کرتے اور اس کے احکام پر برابر عمل کرتے رہتے ہیں۔“

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ- (الانبیاء - ۲۸)

”وہ ان کے سامنے اور ان کی پس پشت کی تمام باتوں کو جانتا ہے اور فرشتے کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اس کو پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے برابر لرزتے رہتے ہیں۔“

ملائکہ انبیاء و ائمہ کی مانند معصوم ہیں اگر بالفرض ملائکہ شراب نوشی اور ناحق قتل کرنے لگیں تو پھر انبیاء کے متعلق بھی ان باتوں کا عقیدہ رکھنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے پیغام رسانی کا کام ہمیشہ ملائکہ سے لیا ہے ، جیسا کہ فرمان

الہی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

(یوسف - ۱۰۹)

”اور ہم نے آپ سے پہلے انہی مردوں کو رسول بنایا ہے جو آبادیوں میں رہنے والے تھے، ہم نے ان کی طرف وحی بھی کی ہے۔“

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ رہبر اور حاکم بن کر نہیں آتے وہ تو اللہ کے پیغام رسانی کے لیے آتے ہیں۔“

(اگر پیغام رساں ہی غیر معصوم ہو تو پیغام سے اعتماد اٹھ جائے گا)

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی :-

مولا ! اگر فرشتوں سے کوئی غلطی صادر نہیں ہوتی تو ابلیس نے حکم خداوندی کی مخالفت کیوں کی تھی ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”وہ دوسرے سے فرشتہ ہی نہیں تھا ، اس کا تعلق قوم جنات سے تھا ، کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی۔“

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ - (الکاف - ۵۰)

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو ، انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ، وہ جنوں میں سے تھا۔“

اور اللہ تعالیٰ نے جنات کے متعلق ارشاد فرمایا :-

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ - (الحجر - ۲۷)

”اور ہم نے جنات کو اس سے پہلے زہریلی آگ سے پیدا کیا ہے۔“

پھر امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا :-

میں نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے ، انہوں نے رسول خدا سے روایت کی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے گروہ آل محمد کو چنا اور انبیاء اور ملائکہ مقربین کو چنا اور اس نے یہ انتخاب اس علم کی وجہ سے کیا کہ وہ اس کی ولایت سے نہیں نکلے گے اور اپنی عصمت کو ختم نہیں کریں گے اور کسی لائق عذاب کو اپنی جانشینی کے لیے نسبت نہیں دیں گے۔“

دونوں راویوں نے کہا :-

آقا ! ہم نے سنا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت علی کی نص فرمائی تو اس وقت اللہ نے ولایت علی کو آسمان کی مخلوق اور ملائکہ پر پیش کیا ، تو بہت سے گروہوں نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اللہ نے مینڈکوں کی شکل میں ان کو مسخ کر دیا۔

پھر امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا :-

”خدا کی پناہ ! یہ روایت ان لوگوں نے وضع کی ہے جو ہماری تکذیب کرنے والے ہیں اور ہم پر افترا باندھنے والے ہیں۔

جس طرح سے انبیاء خدا کے پیغام رساں ہیں ، اسی طرح سے ملائکہ بھی خدا کے پیغام رساں ہیں تو ان سے کفر کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟“

ہم نے کہا :-

نہیں ! ان سے کفر ممکن نہیں ہے ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”ملائکہ بڑی عزت و شان رکھنے والی مخلوق ہے اور ان کا مقام بڑا بلند ہے۔“

۲۔ (بخاری سنن) علی بن محمد بن جہم نے کہا کہ یامون نے امام علی رضا

علیہ السلام سے پوچھا :-

لوگ کہتے ہیں زہرہ ستارہ دراصل ایک عورت تھی جس پر ہاروت و ماروت عاشق ہو گئے تھے اور سہیل ستارہ کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ یمن میں عشر لینے والا شخص تھا ، تو یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”لوگ یہ غلط کہتے ہیں کہ زہرہ و سہیل ستارے مسخ شدہ ہیں۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ناراض ہو کر اسے مسخ کر دے پھر اسے چمکتے ہوئے ستارے کی شکل عطا کر دے اور جب تک زمین و آسمان قائم رہیں وہ یوں ہی چمکتے دسکتے رہیں۔

البتہ زہرہ اور سہیل دو جاندار بھی ہیں جو کہ سمندر میں رہتے ہیں ، لیکن وہ بھی مسخ شدہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے لوگوں کو بھی مسخ کیا ، انہیں تین دن سے زیادہ زمین پر باقی نہیں رہنے دیا اور بندر یا ریچھ یا ان جیسے جانور جنہیں لوگ مسخ سمجھتے ہیں ، یہ دراصل مسخ شدہ نہیں ہیں۔

ہاں البتہ جن لوگوں کو اللہ نے مسخ کیا تھا ، انہیں بھی بندر ، خنزیر یا ریچھ کی صورت دی گئی تھی ، مگر ان کو تین دن کے اندر خدا نے ہلاک کر دیا تھا ، ان سے کوئی نسل جاری نہیں ہوئی ، اور ہم جن جانوروں کو دیکھ رہے ہیں ، یہ پہلے سے موجود تھے۔

ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے ، انہوں نے لوگوں کو جادو کی تعلیم اس غرض سے دی تھی کہ لوگ اس سے جادو کا توڑ کر سکیں ، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے ۔

وہ جسے بھی جادو کی تعلیم دیتے تو اس سے یہ کہتے تھے۔

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ (البقرہ۔ ۱۰۲)

”ہم تمہارے لیے درجہ امتحان ہیں، تم کافر مت بننا۔“

لیکن لوگ ان سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کافر بن گئے تھے، کیونکہ لوگوں نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا تھا اور وہ ان سے جادو سیکھ کر میاں بیوی میں تفریق پیدا کرنے لگے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَمَا لَهُمْ بِصَآرَيْنِ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ۔ (البقرہ۔ ۱۰۲)

”حالانکہ اذن خدا کے بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

یہاں ”اذن“ سے مراد علم ہے۔

حضرت سے مروی متفرق روایات وجودِ حجت سے زمین قائم ہے ۔

۱۔ (حذف اسناد) محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا :-

آیا امام کے بغیر زمین قائم رہ سکتی ہے ؟

حضرت نے فرمایا: ”نہیں ! اپنے اہل سمیت پانی میں ڈوب جائے گی۔“

۲۔ (حذف اسناد) احمد بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا :-

کیا زمین امام کے بغیر قائم رہ سکتی ہے ؟

حضرت نے فرمایا: ”نہیں!“

میں (راوی) نے عرض کیا: ہم نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”زمین امام کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی مگر یہ کہ اللہ بندوں پر ناراض ہو۔“

امام علی رضا نے فرمایا: باقی نہیں رہے گی ، پانی میں ڈوب جائے گی۔

۳۔ (حذف اسناد) حسن بن علی و شا کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا

علیہ السلام سے پوچھا :-

کیا امام کے بغیر زمین قائم رہ سکتی ہے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”نہیں!“

میں (راوی) نے کہا: ہم نے تو یہ سنا ہے کہ زمین امام کے بغیر باقی نہیں رہ

سکتی ، ہاں اگر خدا بندوں پر ناراض ہو تو اور بات ہے۔
<https://downloadshiaabooks.com>

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے تمام فرمان برحق ہیں ، قاتلان حسین کی نسل کے قتل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آباء کے اس فعل پر راضی ہیں اور اس ظلم پر فخر کرتے ہیں ، اور جو شخص کسی کے فعل پر راضی ہو وہ اس کے فعل میں شریک تصور کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص مشرق میں کسی کو قتل کرے اور مغرب میں رہنے والا شخص اس کے فعل پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرے تو وہ بھی اس قتل میں شریک سمجھا جائے گا ، اور قائم آل محمد (ع) بھی انہیں اسی وجہ سے قتل کریں گے کہ وہ اپنے آباء کے اس فعل پر راضی ہیں۔“

میں (راوی) نے پوچھا: قائم آل محمد (ع) اپنے ظہور کے بعد سب سے پہلا کام کون سا کریں گے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”وہ سب سے پہلے بنی شیبہ کے ہاتھ کاٹیں گے ، کیونکہ وہ بیت اللہ کے چور ہیں۔“

زمانہ غیبت میں شیعوں کی پریشانی

۶۔ (محذوف اسناد) علی بن حسن بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی ،

انہوں نے کہا کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”گویا میں شیعوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جب میری نسل میں سے تیرا بیٹا گم ہو جائے گا تو وہ اپنے لیے چراگاہ کو تلاش کریں گے لیکن اسے کہیں نہیں پائیں گے۔“

میں (راوی) نے کہا: فرزند رسول! ایسا کیوں ہوگا ؟

آپؑ نے فرمایا: ”کیونکہ ان کا امام ان سے غائب ہو جائے گا۔“

میں (راوی) نے کہا: وہ کس لیے ؟

آگاہ رہو ! اللہ عادل ہے کبھی بھی ظلم نہیں کرتا۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا : آپ ہمیں طاعون کے متعلق بتائیں۔

آپؑ نے فرمایا : ”طاعون کچھ لوگوں کے لیے اللہ کا عذاب اور کچھ لوگوں کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔“

لوگوں نے کہا : مولا ! ایک چیز ایک ہی وقت میں عذاب اور رحمت کیسے ہو سکتی ہے ؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : ”کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے عذاب اور دوزخ کے فرشتوں کے لیے رحمت ہے ، کیونکہ وہ فرشتے بھی تو ان کے ساتھ آگ میں ہی ہوں گے۔“

تلاش حق کا طریقہ

۱۰۔ (حذف اسناد) علی بن اسباط کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام

سے پوچھا :-

مولا ! کبھی مجھے کوئی ایسا معاملہ پیش آتا ہے جس کے متعلق مجھے حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا اور جس شہر میں میری رہائش ہے وہاں بھی مجھے آپؑ کا کوئی ایسا محبت نہیں ملتا جو مجھے حکم شرعی سے آگاہ کرے تو اس حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا : ”جب کبھی ایسی صورت حال درپیش ہو تو فقیہ شہر کے پاس جاؤ اور وہ جو فتویٰ تمہیں دے ، ان کے فتویٰ کے خلاف عمل کرو ، کیونکہ حق ان کے خلاف کرنے میں مضمر ہے۔“ (۱)

بالوں کی سفیدی

۱۱۔ (حذف اسناد) سلیمان جعفری نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”سر کے اگلے حصے کی سفیدی برکت ہے ، دائیں بائیں حصے کی سفیدی سخاوت ہے ، پیشانی کے بالوں کی سفیدی شجاعت کی علامت ہے اور گردی کے بالوں کی سفیدی نحوست کی علامت ہے۔“

پہلی چیز کو کھاؤ، دوسری کو چھپاؤ اور تیسری کو پناہ دو۔۔۔

۱۲۔ (حذف اسناد) ابو الصلت عبد السلام بن صالح ہروی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا :-

”اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے ایک نبی کی طرف وحی کی۔

کل صبح کے وقت جو چیز تمہیں سب سے پہلے نظر آئے ، اسے کھا لینا اور جو دوسری چیز نظر آئے اسے چھپا دینا اور جو تیسری چیز نظر آئے اسے قبول کر لینا اور چوتھی چیز کو مایوس نہ کرنا اور پانچویں چیز سے بھاگنا۔

دوسرے دن جب صبح ہوئی تو نبی گھر سے نکلے تو انہیں ایک سیاہ پہاڑ نظر آیا ، اسے دیکھ کر وہ نبی کھڑے ہو کر سوچنے لگے کہ اب کیا کروں ، اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو چیز سب سے پہلے نظر آئے ، اسے کھا لینا ، اب بھلا میں پہاڑ کو کھاؤں تو کیسے کھاؤں ؟

پھر نبی نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ

”اللہ تعالیٰ مجھے میری طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا“، چنانچہ یہ سوچ کر وہ پہاڑ کو کھانے کے لیے آگے بڑھے لیکن جیسے جیسے وہ قدم بڑھاتے گئے ویسے ویسے پہاڑ سمٹتا گیا اور جب نبیؐ اس کے قریب پہنچے تو وہ ایک لقمہ جتنا باقی رہ گیا تھا۔ نبیؐ نے اسے کھا لیا تو وہ لقمہ انہیں بہت مزیدار محسوس ہوا۔

پھر نبیؐ آگے بڑھے تو سونے کا ایک طشت نظر آیا، نبیؐ نے دل میں کہا:- اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ دوسری چیز کو چھپاؤں، چنانچہ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر طشت کو اس میں چھپا دیا اور اس پر مٹی ڈال دی لیکن جب انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ طشت باہر نکلا پڑا تھا۔

انہوں نے دل میں کہا کہ میں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ پھر وہ یہاں سے چلے تو انہیں ایک پرندہ نظر آیا جس کے پیچھے باز لگا ہوا تھا اور پرندے نے ان کے گرد چکر لگانا شروع کیا۔

نبیؐ نے دل میں کہا: مجھے میرے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تیسری چیز کو پناہ دوں، چنانچہ انہوں نے اپنی آستین کھولی اور پرندہ ان کی آستین میں چھپ گیا۔ باز نے ان سے کہا: آپ نے میرے شکار کو پکڑ لیا حالانکہ میں کئی دنوں سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

نبیؐ نے دل میں سوچا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چوتھی چیز کو مایوس نہ کروں، چنانچہ انہوں نے اپنی ہی ران سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اس کی طرف پھینک دیا۔

جب نبیؐ یہاں سے چلے تو انہوں نے ایک بدبودار مردار کو دیکھا جس میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔

نبیؐ نے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں پانچویں چیز کو دیکھ کر بھاگ جاؤں، چنانچہ وہ اسے دیکھ کر بھاگ گئے اور اپنے گھر واپس آ گئے۔

رات کے وقت انہوں نے خواب میں دیکھا ۔

ان سے کہا گیا: ”تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی ہے تو کیا ان چیزوں کا مقصد و مفہوم بھی سمجھتے ہو؟“

نبیؐ نے کہا: نہیں! میں نہیں جانتا۔

خواب میں ان سے کہا گیا: ”تم نے جس پہاڑ کو دیکھا تھا وہ انسان کا غصہ تھا، جب کوئی شخص غصہ میں آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا اور غصہ کی وجہ سے اسے اپنی قدر و حیثیت بھی دکھائی نہیں دیتی، اسی حالت میں اگر وہ اپنے نفس پر قابو پالے اور غصہ کو پی جائے تو اس کا انجام ایک شیریں لقمہ جیسا ہوتا ہے۔“

اور تم نے سونے کے جس طشت کو دیکھا تو یہ انسان کا عمل صالح ہے، جب انسان اسے چھپائے تو اللہ اسے ظاہر کر دیتا ہے، اس کے ذریعے سے اسے دنیا میں عزت ملتی ہے اور اس کی آخرت بھی محفوظ رہتی ہے۔

اور تم نے جس پرندہ کو دیکھا تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو تمہیں نصیحت کرنے کے لیے آتا ہے، تمہارا فرض ہے کہ اس کی بات کو قبول کرو اور اسے اپنے ہاں جگہ دو۔

اور تم نے جس باز کو دیکھا ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی حاجت کے سلسلے میں تمہارے پاس آتا ہے، لہذا اسے مایوس مت کرو۔
اور جو تم نے بدو دار مردار دیکھا ہے تو یہ دراصل غیبت ہے، اس سے بھاگو۔“

دولت کب جمع ہوتی ہے ؟

۱۳۔ (حذف اسناد) محمد بن اسماعیل بن بزیج کہتے ہیں کہ میں نے امام علی

رضا علیہ السلام سے سنا:-

انہوں نے فرمایا: ”جب تک کسی شخص میں پانچ خصلتیں نہ ہوں، اس وقت تک وہ دولت جمع نہیں کر سکتا۔ (اور وہ یہ ہیں)

1۔ شدید غل۔ 2۔ لمبی امید۔ 3۔ غالب حرص۔

4۔ قطع رحمی۔ 5۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔

وہ جانور جنہیں نہیں مارنا چاہئے اور وہ جنہیں مارنا چاہئے

۱۴۔ (حذف اسناد) سلیمان بن جعفر جعفری نے امام علی رضا علیہ السلام سے

روایت کی، آپؑ نے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ چیزوں کے مارنے سے منع فرمایا:- (وہ یہ ہیں)

1۔ لٹورا۔ 2۔ صوام۔ 3۔ بُدُہ

4۔ شہد کی مکھی اور چیونٹی۔ 5۔ مینڈک

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ جانداروں کے مارنے کا

حکم دیا۔

1۔ کوا۔ 2۔ چیل۔ 3۔ سانپ۔ 4۔ مچھو۔ 5۔ باؤلا کتا۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں:-

”یہ امر برائے رخصت ہے اور امر وجوب و فرض کے لئے نہیں ہے۔“

مرغ کی پانچ عادتیں

۱۵۔ (حذف اسناد) ابراہیم بن حمویہ بن محمد بن عیسیٰ یقطینی نے کہا:-
امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

سفید مرغ میں انبیاء کی پانچ عادتیں پائی جاتی ہیں۔

1۔ اوقات نماز کی پہچان 2۔ غیرت 3۔ سخاوت 4۔ شجاعت 5۔ کثرتِ مباحثت

امیر المومنینؑ کے لیے پانچ چیزوں کی دعا

۱۶۔ (حذف اسناد) یاسر خادم نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی

آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم سے روایت کی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:-

یا علی! میں نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے پانچ باتوں کی درخواست کی اور اللہ نے مجھے وہ باتیں عطا کر دیں۔

1۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ جب قیامت قائم ہو اور میں اپنی قبر سے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا نکلوں تو اس وقت علیؑ میرے ساتھ ہو۔
اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔

2۔ میں نے اللہ سے درخواست کی جب میزانِ عدل قائم ہو تو اس کے پلڑے کے پاس علیؑ میرے ساتھ ہو۔

اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

3۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ علیؑ کو میرے لواءِ الحمد کے اٹھانے والا مقرر کرے، اور وہ لواءِ الحمد دراصل اللہ کا پرچم ہے جس پر یہ الفاظ تحریر ہوں گے۔

المفلحون هم الفائزون بالجنة۔

”کامیاب وہی ہیں جنہوں نے جنت حاصل کی۔“

اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

4۔ میں نے اللہ سے درخواست کی کہ میرے حوض کوثر کا ساتی علی کو بنائے۔

اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

5۔ میں نے اللہ سے درخواست کی کہ میری امت کے لیے جنت کا ہادی علی کو بنائے

اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول کی۔

اللہ کے اس احسان پر اس کی حمد ہے۔“

جن عورتوں سے عزل جائز ہے (۱)

۱۔ (بخاری اسناد) یعقوب جعفری نے کہا کہ میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے سنا:-

انہوں نے فرمایا:-

چھ قسم کی عورتوں سے عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

1۔ جس عورت کے متعلق یقین ہو کہ یہ اولاد نہیں جنے گی۔

2۔ بوڑھی عورت۔

3۔ زبان دراز عورت۔

4۔ فحش گو عورت۔

5۔ وہ عورت جو اپنی اولاد کو دودھ نہ پلاتی ہو۔

6۔ کینر۔“

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں:-

”ابو الحسن سے مراد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں اور اس سے

امام علی رضا علیہ السلام بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیونکہ دونوں کی کنیت ابو الحسن ہے اور راوی یعقوب جعفری نے دونوں سے ہی کسب فیض کیا تھا۔

۱۸۔ (حذف اسناد) ابو علی حسن بن راشد کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے تکبیر افتتاح کے متعلق پوچھا :-

آپؑ نے فرمایا: ”سات تکبیریں ہیں۔“

میں (راوی) نے کہا: مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آنحضرتؐ ایک ہی تکبیر کہتے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”آنحضرتؐ ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہتے اور چھ بار آہستہ سے تکبیر کہتے تھے۔“

نجاشی کا جنازہ

۱۹۔ محمد بن قاسم استر آبادی رضی اللہ عنہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ،

انہوں نے یوسف بن محمد بن زیاد سے روایت کی ، انہوں نے اپنے والد سے روایت

کی ، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے

آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ”جب جبریل امینؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

نجاشی کی موت کی خبر سنائی تو آپؐ بے حد غمگین ہوئے اور غم کی وجہ سے رونے

لگے اور فرمایا :-

تمہارا بھائی احمہ فوت ہو گیا ، پھر آپؐ صحرا کی طرف گئے اور آپؐ نے

سات تکبیروں سے ان کا جنازہ پڑھا ، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و

سلم کے سامنے سے تمام حجابات ہٹا دیئے تھے اور حبشہ میں نجاشی کا جنازہ آپؐ کو

دکھائی دے رہا تھا۔“

ایام کی تقسیم کار

۲۰۔ (بخلف اسناد) بحر بن صالح نے جعفری سے روایت کی ہے ، اس نے کہا میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے سنا۔
انہوں نے فرمایا: ”منگل کے دن اپنے ناخن تراشو اور بدھ کے دن حمام جاؤ اور اگر فصد کی ضرورت ہو تو جمعرات کو فصد کراؤ اور جمعہ کے دن تمہارے پاس جو عمدہ خوشبو ہو ، وہ لگاؤ۔“

خوشبو لگانے کی تاکید

۲۱۔ (بخلف اسناد) معمر بن خلاد نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔
آپؑ نے فرمایا: ”انسان کو چاہیے کہ روزانہ خوشبو لگائے ، اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ایک دن چھوڑ کر لگائے اور اگر ہر دوسرے دن بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہر جمعہ کو خوشبو لگائے اور جمعہ کے دن خوشبو کا نافع نہ کرے۔“

جنتی کون اور دوزخی کون ہے ؟

۲۲۔ مسجد کوفہ کے مجاور ابو الحسن علی بن عیسیٰ نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا کہ میں نے یہ حدیث دعیل بن خزاعی کے بھتیجے اسماعیل بن علی بن رزین سے سنی ، اس نے یہ حدیث اپنے والد سے سنی ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے یہ حدیث سنی ، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ۔

انہوں نے فرمایا: ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا:-
لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

هَمُ الْفَاقِرُونَ۔ (الحشر۔ ۲۰)

”جنت والے اور دوزخ والے برابر نہیں ہو سکتے، جنت جانے والے کامیاب ہیں“
پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: ”جنتی وہ ہے جو میری اطاعت کرے اور میرے
بعد علیؑ بن ابی طالبؑ سے صلح رکھے اور اس کی ولایت کا اقرار کرے، اور دوزخی وہ ہے
جو ولایت علیؑ کو پسند کرے اور عہد شکنی کرے اور میرے بعد علیؑ سے جنگ کرے۔“

سجدہ شکر میں کیا پڑھنا چاہیے؟

۲۳۔ (حذف اسناد) سلیمان بن حفص مروزی کہتے ہیں کہ ابوالحسن علیہ السلام
نے مجھے لکھا :-

سجدہ شکر میں ایک سو مرتبہ

”شُكْرًا شُكْرًا“

کہو اور اگر چاہو تو

”عَفْوًا عَفْوًا“

بھی کہو۔

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں

”سلیمان بن حفص نے امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ علیہما السلام دونوں
کی زیارت کی تھی، مجھے معلوم نہیں کہ اس روایت میں ابوالحسن سے کون مراد ہیں؟“

جسے سجدے میں نیند آجائے؟

۲۴۔ (حذف اسناد) حسن بن علی وثاق کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضاؑ

علیہ السلام سے سنا:-

انہوں نے فرمایا: ”جب کسی بندے کو سجدے کی حالت میں نیند آ جاتی ہے

تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میں نے اس کی روح کو قبض کیا جب کہ وہ میری اطاعت میں مصروف تھا۔

علم ، عمل اور اخلاص

۲۵۔ (حذف اسناد) داؤد بن سلیمان غازی نے ابو الحسن علی بن موسیٰ رضا علیہما السلام

سے روایت کی ، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ۔

آپؑ نے فرمایا: ”مقامات علم کے علاوہ دنیا ساری کی ساری جہالت میں مبتلا ہے اور علم انسان کے خلاف حجت ہے سوائے اس علم کے کہ جس پر عمل کیا جائے اور عمل سارے کا سارا ریا (دکھاوا) ہے سوائے اس عمل کے جسے اخلاص سے انجام دیا جائے اور اخلاص بھی ہر وقت خطرہ کی زد میں ہے جب تک انسان کا انجام سامنے نہ آجائے۔“

علی امام من است و منم غلام علی

۲۶۔ (حذف اسناد) محمد بن خالد برقی نے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت

کی ، انہوں نے اپنے والد ماجد امام علی رضا علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ، انہوں نے جلیج کندی سے ، انہوں نے ابن بریدہ

سے ، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ، انہوں نے کہا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”علی ! تم میرے بعد ہر مومن کے امام ہو“

سجدہ شکر اور اس کا فائدہ

۲۷۔ (حذف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔
 آپؑ نے فرمایا: ”نماز فریضہ کے بعد سجدہ شکر اس لیے کیا جاتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کے فریضے کی ادائیگی کی توفیق ملنے پر شکر خدا ادا کرتا ہے۔
 اور سجدہ شکر کے ذکر کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ انسان تین مرتبہ
 ”شکراً للہ“ کہے۔“

میں (راوی) نے عرض کیا: ”شکراً للہ“ کا کیا مفہوم ہے؟
 آپؑ نے فرمایا: ”مذکورہ الفاظ سے بندہ بارگاہ احدیت میں یہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے اپنے ایک فرض کے ادا کرنے کی توفیق عنایت کی ہے، اس لیے میں تیرا شکر ادا کر رہا ہوں۔“

اور سجدہ شکر نعمتوں کے اضافے کا موجب ہے، اگر نماز میں کوئی کمی رہ جائے تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اگر نوافل سے بھی تکمیل نہ ہو سکے تو سجدہ شکر سے تکمیل ہو جاتی ہے۔“

تہجد گزاروں کی خوبصورتی کا راز

۲۸۔ (حذف اسناد) اسماعیل بن موسیٰ نے اپنے بھائی امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے اپنے والد علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ”امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا، تہجد گزار حسین و جمیل کیوں ہوتے ہیں؟“

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: اس لیے کہ وہ عالم تہائی میں نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نور کی چادر پہنا دیتا ہے۔“

۲۹۔ (حذف اسناد) محمد بن علی بن ابی عبد اللہ نے امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا۔

”آپؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔

(الحجۃ۔ ۲۷)

”انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے جس رہبانیت کا اختراع کیا ہے، ہم نے وہ رہبانیت ان پر فرض نہیں کی تھی۔“

فرمایا یعنی ”نماز شب“۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی تفسیر

۳۰۔ محمد بن قاسم استرآبادی نے یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن

سیار سے روایت کی، انہوں نے اپنے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد علی نقیؑ سے اور انہوں نے اپنے والد محمد تقیؑ علیہما السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ”ایک شخص امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی۔

”فرزند رسول! الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی تفسیر کیا ہے ؟

آپؑ نے فرمایا: مجھ سے میرے والد نے روایت کی اور انہوں نے اپنے آباء طاہرین کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا: ایک شخص امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور

عرض کی۔

امیر المؤمنین ! اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تفسیر کیا ہے ؟
امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ” تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں “ (الفاتحہ۔ ۲)

اللہ کی اس بات پر حمد ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اجمالی طور پر اپنی کچھ نعمتیں بتائی ہیں ، کیونکہ بندوں کے پاس اتنی قوت ہی نہیں ہے کہ وہ تفصیلی طور پر اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکیں اس لیے کہ اللہ کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں ، اس لیے ان سب کی معرفت ناممکن ہے ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ کہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (الفاتحہ۔ ۲)

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے“

ہم رب العالمین کی حمد بجا لاتے ہیں جو اس نے ہم پر نازل کی ہیں ، اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ عالمین کی تربیت کرنے والا ہے۔

وہ حیوانات کی تربیت بایں طور کرتا ہے کہ وہ انہیں رزق فراہم کرتا ہے اور اپنی مصلحت کے مطابق ہر ایک جنس کی تدبیر کرتا ہے اور جمادات کے لیے اس کی تربیت کا انداز یہ ہے کہ وہ انہیں اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے اور انہیں گرنے سے روک رکھا ہے اور جو شے جھکی ہوئی ہے اسے زمین پر آنے سے روکے ہوئے ہے ، اور آسمان کو زمین پر گر۔ نہ سے روکے ہوئے ہے اور زمین کو دھنس جانے سے روک رکھا ہے۔

یقیناً اللہ بندوں پر مہربان اور رحیم ہے۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تمام جانوں کا مالک اور خالق اور

بھی رزق فراہم کرتا ہے جسے وہ نہیں جانتے۔

اللہ کی طرف سے رزق تقسیم ہو چکا ہے ، ان آدم جس بھی سیرت و کردار کا حامل کیوں نہ ہو اسے رزق مل کر رہتا ہے ، کسی متقی کا تقویٰ رزق میں اضافہ نہیں کرتا اور کسا بدکار کی بدکاری سے رزق میں کمی نہیں ہوتی۔

اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو بھی اس کا رزق اسے تلاش کرے گا اور رزق انسان کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسا کہ موت اسے تلاش کرتی ہے ، اسی لیے حکم ہے کہ تم کو۔

ان انعامات پر ہم اللہ کی حمد جلا لاتے ہیں جو اس نے ہم پر کیے ہیں اور اس نے ہماری پیدائش سے بھی پہلے سابقہ کتابوں میں ہمارا تذکرہ کیا ہے۔

اسی لیے محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے شیعوں کا فرض ہے کہ وہ اس فضیلت پر اللہ کا شکر جلا لائیں ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی بے پایاں نعمتیں نازل کیں ، انہیں شرفِ تکلم عطا ، انہیں اپنا مصطفیٰ بندہ بنایا ، ان کے لیے دریا میں راستہ بنایا اور انہیں تورات و الواح عطا فرمائیں تو انہوں نے اپنا یہ مقام دیکھ کر بارگاہِ احدیت میں عرض کی :-

”پروردگار ! تو نے مجھے وہ عزت عطا کی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئی۔“

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”موسیٰ ! کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک تمام ملائکہ اور میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”پروردگار ! محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم تو میری مخلوق سے افضل ہیں تو کیا کسی نبی کی آل میری آل

سے بھی زیادہ محترم ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس طرح سے محمدؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں، اسی طرح سے ان کی آل بھی تمام انبیاءؑ کی آل سے افضل ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”پروردگار! محمدؐ تو تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں اور ان کی آل بھی تمام انبیاءؑ کی آل سے افضل ہے تو کیا میری امت سے کسی نبی کی امت افضل ہے جب کہ میری امت پر تو نے بادلوں کا سایہ کیا ہے اور تو نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا ہے اور تو نے ان کے لیے دریا میں راستہ بنایا ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”موسیٰ! کیا تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ امت محمدؐ بھی تمام امتوں سے ایسے ہی افضل ہیں جیسا کہ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔“

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”پروردگار! کاش میں انہیں دیکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”موسیٰ! تم انہیں ہر گز یہاں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں ہوا، تم عنقریب انہیں جنت فردوس اور عدن میں دیکھو گے، وہ اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت کی نعمتیں لوٹ رہے ہوں گے، ہاں اس وقت اگر چاہو تو میں تمہیں ان کا کلام سنا دیتا ہوں۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”جی ہاں پروردگار! میں ان کا کلام سننا چاہتا ہوں۔“

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ندا دی:-

”اے امت محمدؐ!

ندائے الہی سن کر اصحاب آباء اور ارحامِ اممات سے امت نے عرض کی:-

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ
وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ۔

”پروردگار! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تمام

تعلیفیں ، نعتیں اور بادشاہی تیری ہیں ، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔“
چنانچہ اللہ تعالیٰ کو امت محمدیہ کے یہ الفاظ پسند آئے اور انہیں تلبیہ حج
قرار دیا ، پھر اللہ تعالیٰ نے ندا دی :-

”اے امت محمدؐ ! میرا تمہارے لیے یہ فیصلہ ہے کہ میری رحمت میرے
غضب پر غالب ہے اور عذاب سے پہلے میرا غنہ و درگزر تمہارے لیے ہے ، تمہاری
دعا مانگنے سے پہلے میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور تمہارے سوال سے پہلے تمہیں
عطا کروں گا۔

”تم میں سے جو کوئی یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں
اور اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ، اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول
ہیں اور ان کا ہر قول و فعل حق و صداقت پر مبنی ہے اور علی بن ابی طالب ان
کے بھائی اور ان کے بعد ان کے وصی اور ولی ہیں اور ان کی اطاعت بھی محمدؐ کی اطاعت
کی طرح فرض ہے اور محمدؐ و مہدی کے بعد اللہ کے مصطفیٰ اور طاہر و مطہر جو کہ عجائب
الہیہ کی خبر دینے والے ہیں وہ ان کے بعد بدگمان خدا پر حجت ہیں۔“

تو میں اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ
کی طرح سے زیادہ بھی کیوں نہ ہوں۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا - (القصص - ۲۶)

”اور آپؐ طور کے کنارے پر موجود نہ تھے جب ہم نے آپؐ کی امت کو

خطاب کیا اور انہیں اس کرامت سے مخصوص کیا۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اس

فضیلت کے مختص نے کی وجہ سے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہیں ، اور آپؐ نے

اپنی امت کو حکم دیا کہ وہ مذکورہ فضائل کی وجہ سے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہیں۔“

اطرافِ حرم

۳۱۔ (حذف اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اطرافِ حرم یکساں کیوں نہیں ، یعنی کسی طرف سے زیادہ اور کسی طرف سے کم کیوں ہیں ؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا : ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو وہ کوہِ ابی قیس پر اترے ، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تنہائی کی شکایت کی اور کہا :-

”میں یہاں وہ آوازیں نہیں سنتا جو میں جنت میں سنا کرتا تھا۔“

اللہ تعالیٰ نے سرخِ یاقوت نازل کیا ، آدم علیہ السلام نے اسے بیت اللہ کے مقام پر نصب کیا ، آدم علیہ السلام اس کا طواف کرتے تھے اور اس سرخِ یاقوت کی روشنی حدودِ حرم (اعلام) تک جاتی تھی ، چنانچہ اس کی روشنی جہاں جہاں تک جاتی تھی اسے حدودِ حرم بنا دیا گیا۔“

۳۲۔ (حذف اسناد) اسماعیل بن ہمام نے امام علی رضا علیہ السلام سے یہی حدیث روایت کی اور صفوان بن یحییٰ نے امام علی رضا علیہ السلام سے حدودِ حرم کے متعلق پوچھا تو حضرت نے مذکورہ جواب دیا۔

گناہانِ کبیرہ از روئے قرآن

۳۳۔ (حذف اسناد) حضرت عبد العظیم بن عبد اللہ حنفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر امام محمد تقی علیہ السلام سے سنا ، انہوں نے اپنے والد امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ۔

انہوں نے فرمایا: ”عمرو بن عبید بصری (۱) ، امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گئے ، سلام کرنے کے بعد انہوں نے بیٹھتے ہی قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ - (شوری - ۳۷)

”وہ جو گناہان کبیرہ سے پرہیز کرتے ہیں۔“

عمرو بن عبید نے آیت کا یہ حصہ پڑھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم خاموش کیوں ہو گئے ہو ؟
اس نے کہا: آقا ! میری خواہش ہے کہ کتاب خدا سے گناہان کبیرہ معلوم کروں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا:

”1۔ جی ہاں عمرو ! سب سے بڑا گناہ کبیرہ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَا وَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ - (المائدہ - ۷۲)

”بے شک جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔“
2۔ اس کے بعد گناہ کبیرہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَا تَأْسَوْا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْكَافِرُونَ - (یوسف - ۸۷)

”اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا ، اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“

3۔ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے ، اللہ تعالیٰ نے والدین کے نافرمان کو ظالم اور بد نصیب کہا ہے ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا - (مریم - ۳۲)

”اور اللہ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور مجھے ظالم اور بد نصیب نہیں بنایا۔“

4۔ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ لَهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا - (النساء - ۹۳)

”اور جو بھی مومن کو قصداً قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے ، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور خدا نے اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا ہے۔“

5۔ عقیف عورتوں پر بہتان تراشی کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ - (النور - ۲۳)

”یقیناً جو لوگ پاک باز اور بے خبر مومن عورتوں پر تهمت لگاتے ہیں ، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔“

6۔ یتیم کا مال کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا - (النساء - ۱۰)

”یقیناً جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عقیق واصل جہنم ہوں گے۔“

7۔ جہاد سے فرار کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَمَنْ يُؤْلِهْمُ يَوْمَئِذٍ ذُبْرَةً إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّرًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ
فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَاهُ جَهَنَّمُ وَبَشَّ الْمَصِيرُ۔ (الانفال۔ ۱۶)

”اور جو جنگ کے دن پیٹھ دکھائے گا، وہ غضب الہی کا حق دار ہو گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جو بدترین انجام ہے، علاوہ ان لوگوں کے جو جنگی حکمت عملی کی بنا پر پیچھے ہٹ جائیں یا کسی دوسرے گروہ کی پناہ لینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیں۔“

8۔ سود کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَحَبَّطُهُ
الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ۔۔۔ (البقرہ۔ ۲۷۵)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ روز قیامت اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر مجبوط الحواس بنا دیا ہو۔“

9۔ جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔
(البقرہ۔ ۱۰۲)

”اور وہ یہ بات ٹھوٹی جانتے تھے جو بھی جادو کا کاروبار کرے گا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔“

10۔ زنا گناہ کبیرہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا۔ (الفرقان۔ ۶۸، ۶۹)

”اور جو ایسا عمل کرے گا وہ اپنے عمل کی سزا بھی برداشت کرے گا، جسے روز قیامت دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اسی میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔“

11۔ جھوٹی قسم کھانا بھی گناہ کبیرہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا
خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ --- (آل عمران - ۷۷)

” جو لوگ اللہ سے کیئے ہوئے عہد اور قسم کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے
میں ، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ خدا ان سے بات کرے
گا اور نہ روز قیامت ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ انہیں گناہوں کی آلودگی سے
پاک بنائے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔“

12۔ خیانت گناہ کبیرہ ہے ، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (آل عمران - ۷۶)

” اور جو خیانت کرے گا وہ روز قیامت خیانت کے مال سمیت حاضر ہوگا۔“

13۔ زکوٰۃ نہ دینا بھی گناہ کبیرہ ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (مانعین زکوٰۃ

کے لیے) فرمایا :-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتَكُوتُ
بِهَا حِبَاؤُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ - (توبہ - ۳۴، ۳۵)

” اور جو لوگ سونے چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ
نہیں کرتے ، آپ انہیں درد ناک عذاب کی بشارت دے دیں ، جس دن وہ سونا چاندی
آتش جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت
کو داغا جائے گا کہ یہی وہ ذخیرہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا ، اب اپنے
خزانوں اور ذخیروں کا مزہ چکھو۔“

14۔ جھوٹی گواہی دینا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے -

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ - (الفرقان - ۷۲)

”وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔“

15۔ سچی گواہی کو چھپانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ گواہی چھپانے کے متعلق ارشاد

قدرت ہے :-

وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ - (البقرہ - ۲۸۳)

”اور جو کوئی گواہی کو چھپائے تو اس کا دل گناہ گار ہے۔“

علاوہ ازیں شراب نوشی کو اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کے مترادف قرار دیا ہے ، جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنا بھی بدترین جرم ہے ، بے نمازی خدا اور اس کے رسولؐ کے عہد سے بری ہے اور عمد شکنی اور قطع رحم (رشتہ داروں سے سلوک نہ کرنا) کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ - (الرعد - ۲۵)

”ان کے لیے لعنت اور بُرا گھر ہے۔“

جب عمرو بن عبید نے یہاں تک سنا تو چیختے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل سے نکلے اور وہ یہ کہہ رہے تھے :-

”خدا کی قسم ! وہ شخص ہلاک ہو گیا جس نے اپنی رائے سے گفتگو کی اور جس نے علم و فضل میں ہمارے مقابل آنے کی جسارت کی۔“

خوشبو دار پودے

۳۴۔ (حذف اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں نے امام

علی رضا علیہ السلام سے پوچھا :-

دنیا میں خوشبو کیسے پیدا ہوئی ؟

آپؑ نے فرمایا : ”دوسرے لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں ؟“

میں نے کہا: ”لوگ کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انہوں نے سر زمین ہند پر قدم رکھا اور وہ ایک طویل عرصے تک فراق جنت میں روتے رہے ، ان کے آنسو زمین میں جذب ہوتے گئے اور جہاں جہاں ان کے آنسو پہنچے وہاں وہاں خوشبو دار پودے اُگے اور اس طرح دنیا میں خوشبو پھیلی۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ لوگ غلط کہتے ہیں ، اصل حقیقت یہ ہے کہ حوا علیہا السلام اپنی مینڈھیوں کو اشجار جنت کے ریشوں سے باندھا کرتی تھیں ، جب وہ زمین پر آئیں تو معصیت الہی کی وجہ سے انہیں حیض جاری ہوا ، انہیں غسل کا حکم دیا گیا ، جب انہوں نے غسل کیا اور بال کھولے تو اللہ نے ہوا بھیجی جس نے اشجار جنت کے ریشوں کو زمین کے مختلف حصوں میں پھیلا دیا ، چنانچہ جہاں جہاں جنت کے ریشے پہنچے ، وہاں وہاں خوشبو دار پودے اُگے اور جہاں میں خوشبو پھیلی۔“

بچے پاگل کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

۳۵۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم حسنی بن سید عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ۔

انہوں نے فرمایا: ”شوہر کو چاہیے کہ چاند رات اور چاند کی چودہ ، پندرہ اور چاند کے آخری ایام میں اپنی زوجہ سے مقاربت نہ کرے ، اگر کسی نے ایسا کیا تو پیدا ہونے والا بچہ پاگل ہو سکتا ہے۔“

کیا تم نہیں دیکھتے کہ چاند کے ابتدائی اور درمیانی اور آخری ایام میں پاگلوں کو زیادہ دورے پڑتے ہیں؟“

اور آپؑ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص قمر در عقرب میں شادی کرے وہ بھلائی نہیں پائے گا اور جو شخص چاند کے آخری دنوں میں شادی کرے تو اسے بچے کے استقامت کا اندیشہ کرنا چاہیے۔“

چور کب پکڑا جاتا ہے ؟

۳۶۔ (حذف اسناد) محمد بن عیسیٰ بن عبید نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا :-

”چور مسلسل چوری کرتا رہتا ہے اور جب چورنی کی رقم اس کے ہاتھ کی دیت کے برابر ہو جاتی ہے تو وہ پکڑا جاتا ہے اور خدا اس کا پردہ فاش کر دیتا ہے۔“

نوجوان لڑکی پکے ہوئے پھل کی مانند ہے

۳۷۔ (حذف اسناد) ابی حیون جو کہ مولا کے غلام تھے ، انہوں نے امام

علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ، آپؑ نے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کی سند سے بیان کیا :-

جبریل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا :-
”محمدؐ! آپؐ کا رب آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے :-

نوجوان لڑکیاں درخت پر پکے ہوئے ثمر کی مانند ہیں ، اور جب پھل پک جائے تو فوراً اتار لینا چاہیے ورنہ دھوپ اور ہوا اس کو خراب کر دیں گی اور وہ کھانے کے لائق نہیں رہے گا ، اسی طرح سے نوجوان لڑکیاں جب بالغ ہو جائیں تو ان کی فودا شادی کر دینی چاہیے ورنہ وہ کسی نہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔“
اللہ کا یہ پیغام سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور لوگوں کو خطبہ دیا اور انہیں اللہ کا پیغام سنایا :-

لوگوں نے پوچھا : یا رسول اللہ! ہم اپنی بیٹیوں کا رشتہ کس سے کریں ؟
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ”ہم سروں سے رشتہ کرو۔“

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سر کون ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”مومن ایک دوسرے کے کفو ہیں۔“

آنحضرتؐ نے منبر سے اترنے سے پہلے حبشہ بننت زبیر بن عبدالمطلب کا نکاح مقداد بن اسودؓ سے کر دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ”لوگو! میں نے اپنی چچا زاد بہن کا نکاح مقدادؓ سے اس لیے کیا تاکہ نکاح میں آسانی پیدا ہو جائے اور احکام نکاح کی وضاحت ہو سکے۔“

جو نصیحت کے لائق نہ ہوں

۳۸۔ (بخاری اسناد) ریان بن صلت کہتے ہیں کہ کچھ لوگ امام علی رضا علیہ

السلام کی خدمت میں خراسان میں حاضر ہوئے اور عرض کی :-

آپؑ کے خاندان کے کچھ افراد غیر شائستہ افعال بجالاتے ہیں، بہتر ہے کہ

آپؑ انہیں منع فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: ”نہیں! میں ایسا نہیں کروں گا۔“

لوگوں نے کہا: اس کی وجہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ”میں نے اپنے والد علیہ السلام سے سنا تھا۔“

انہوں نے فرمایا: ”نصیحت کڑوی ہوتی ہے۔“ (۱)

متشابه کو محکم کی طرف پلٹنا چاہیے

۳۹۔ (بخاری اسناد) مولا کے غلام اہلی حیون نے امام علی رضا علیہ

السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: ”جس نے متشابه قرآن کو محکم کی طرف لوٹایا، اسے صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوئی۔“

۱۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس سے قند مزید پھیلے گا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ”ہماری احادیث میں بھی کچھ متشابہ احادیث ہوتی ہیں ، اور کچھ محکم احادیث ہوتی ہیں ، لہذا تمہیں چاہیے کہ متشابہ احادیث کو محکم احادیث کی طرف پلٹاؤ اور محکم کو چھوڑ کر متشابہ کی پیروی مت کرو“۔ (۱)

ماہِ رجب کے روزوں کا ثواب

۴۰۔ (محذوف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت

کی ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ۔

آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص ثوابِ خداوندی کی رغبت کی نیت سے ماہِ رجب کی پہلی تاریخ کو روزہ رکھے تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا اور جو شخص ماہِ رجب کے درمیان میں روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے قبیلہٴ ربیعہ و مضر کے افراد کی تعداد کے برابر حق شفاعت عطا فرمائے گا (۲)۔

اور جو ماہِ رجب کے آخر میں روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے بادشاہوں میں سے قرار دے گا اور اسے اس کے والد، والدہ، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور اس کے دوستوں اور ہمسایوں کے لیے حق شفاعت عطا کرے گا اگرچہ ان میں سے کوئی دوزخ کا مستحق بھی کیوں نہ ہو“۔

محبت و نفرت صرف خدا کے لیے

۴۱۔ ہم سے یہ حدیث محمد بن قاسم المعروف ابوالحسن مفسرِ جرجانی نے بیان کی ، انہوں نے یہ حدیث یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن سيار سے روایت کی ، ان دونوں نے اپنے اپنے والد سے یہ حدیث سنی ، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام

۱۔ محکم سے مراد وہ آیات و احادیث ہیں جن کے معنی و مطلب واضح ہو اور متشابہ وہ ہے جس کا متن واضح ہو لیکن معنی و مفہوم غیر واضح ہو۔

۲۔ ربیعہ و مضر عرب کے دو مشہور قبیلے ہیں جن کے افراد کی تعداد دیگر قبائل عرب کی نسبت زیادہ ہے۔

سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آباۓ طاہرین علیہم السلام کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا :-

”بندگان خدا ! اللہ کی وجہ سے محبت رکھو ، اللہ کی وجہ سے بغض رکھو ،

اللہ کی وجہ سے کسی سے دوستی رکھو اور اللہ کی وجہ سے دشمنی رکھو ، اس کے بغیر تمہیں اللہ کی سرپرستی حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کے بغیر ایمان کی حلاوت کو کوئی انسان پا نہیں سکتا اگرچہ اس کی نمازیں اور روزے بہت زیادہ مقدار میں بھی کیوں نہ ہوں۔

اور آج کل لوگ دنیا کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت اور بغض رکھتے ہیں اور یہ چیز انہیں اللہ کے ہاں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔“

کسی نے آنحضرتؐ سے پوچھا : ”یا رسول اللہ ! مجھے یہ پتا کیسے چلے گا کہ میں خدا کی وجہ سے محبت اور خدا کی وجہ سے بغض رکھ رہا ہوں ، اور اللہ کا دلی کون ہے جس سے مجھے دوستی رکھنی ہے اور اللہ کا دشمن کون ہے جس سے مجھے عداوت رکھنی ہے ؟؟“

اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :-

”کیا تم اسے دیکھ رہے ہو؟“

اس شخص نے کہا : جی ہاں ! میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ”یہ اللہ کا دلی ہے ، اس سے دوستی رکھو اور اس کا دشمن خدا کا دشمن ہے ، اس سے دشمنی رکھو ، اور اس کے دوست سے دوستی رکھو اگرچہ وہ تمہارے باپ اور بیٹے کا قاتل بھی کیوں نہ ہو ، اور اس کے دشمن سے دشمنی رکھو اگرچہ اس کا دشمن تمہارا باپ اور بیٹا بھی کیوں نہ ہو۔“

ماہ شعبان میں استغفار کی فضیلت

۴۲۔ (بخاری اسناد) علی بن حسن (۱) بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا :-
 انہوں نے فرمایا: ”جو شخص ماہ شعبان میں ستر مرتبہ استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اگرچہ وہ ستاروں کی مقدار میں ہوں۔“

کشتی نجات اور عروۃ الوثقی سے تمسک

۴۳۔ (بخاری اسناد) حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے اپنے آباؤں طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”جو شخص کشتی نجات پر سوار ہونا چاہتا ہو اور عروۃ الوثقی سے تمسک کا خواہش

مند ہو اور اللہ کی مضبوطی کو تھامنے کی آرزو رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ میرے بعد علی سے محبت رکھے اور اس کے دشمن سے دشمنی رکھے اور اس کی اولاد میں سے ائمہ ہدای کی اقتدا کرے، کیونکہ وہ میرے خلفاء اور اوصیاء اور میرے بعد مخلوق پر حجت اور میری امت کے سردار اور متقیین کے لیے جنت کے رہنما ہیں، ان کا گروہ میرا گروہ اور میرا گروہ اللہ کا گروہ ہے اور ان کے دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔“

غضب کے لیے بھی ایک حد چاہیے

۴۴۔ (محذوف اسناد) سید عبدالعظیم حسنی بن عبداللہ حسنی رضی اللہ عنہ نے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا: ”میرے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون الرشید کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ایک شخص پر سخت غصے کا اظہار کر رہا تھا، یہ دیکھ کر انہوں نے ہارون الرشید سے فرمایا:-

اگر تو اللہ کی وجہ سے اس پر غضب ناک ہو رہا ہے تو اللہ کے غضب سے زیادہ تو اس پر غصہ نہ کر۔“

نیمہ شعبان کی فضیلت

۴۵۔ (محذوف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پندرہ شعبان کی شب کے متعلق سوال کیا۔

تو انہوں نے فرمایا: ”یہ ایسی رات ہے جس میں اللہ بہت سی گردنوں کو دوزخ سے آزادی دیتا ہے اور اس شب میں گناہان کبیرہ معاف کیے جاتے ہیں۔“

میں (راوی) نے پوچھا: کیا اس رات کی کوئی مخصوص نماز ہے؟
آپؑ نے فرمایا: ”نہیں! اس شب کے لیے کوئی مخصوص نماز نہیں ہے لیکن اگر تمہیں نوافل کا شوق ہو تو اس رات نماز جعفر طیار (۱) پڑھو، اور اس رات کثرت سے ذکر الہی اور استغفار اور دعا کرو۔“

میرے والد (امام موسیٰ کاظم) علیہ السلام فرماتے تھے۔
”اس شب دعا مستجاب ہوتی ہے۔“

۱۔ نماز جعفر طیار سے لینے مفتاح الجنان اور دیگر کتب اربعہ کی طرف رجوع کریں۔

میں (راوی) نے کہا: ”لوگ کہتے ہیں کہ اس رات تقدیر کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔“
حضرتؑ نے فرمایا: ”نہیں! وہ ماہ رمضان کی شب قدر ہے۔“

فضائل ماہ رمضان

۳۶۔ اسی اسناد سے امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے اپنے
آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔
آپؑ نے فرمایا: ”ماہ رمضان با عظمت مہینہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نیکوں کو
دگنا کر دیتا ہے اور برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے، جو اس مہینے
میں صدقہ دے گا اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا اور جو کوئی اپنے غلام یا کنیز سے
احسان کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جو اس ماہ میں اپنا اخلاق اچھا
رکھے گا تو اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا، اور جو شخص اس میں صلہ رحمی کرے گا تو
اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جو شخص اس میں اپنے غصے کو پیٹے گا تو اللہ اس کی
مغفرت فرمائے گا۔“

پھر آپؑ نے فرمایا: ”تمہارا یہ مہینہ دوسرے مہینوں کی طرح سے نہیں ہے،
کیونکہ جب یہ مہینہ آتا ہے تو برکت اور رحمت لے کر آتا ہے اور جب یہ مہینہ رخصت
ہوتا ہے تو گناہوں کی مغفرت کا تحفہ دے کر جاتا ہے۔“

یہ وہ مہینہ ہے جس میں نیکیاں دگنی شمار ہوتی ہیں اور نیکی کے کام مقبول
ہوتے ہیں اور جو شخص اس مہینے میں دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ اس کی مغفرت
فرماتا ہے۔“

پھر آپؑ نے فرمایا: ”پکا بد نصیب وہ ہے کہ جس سے یہ مہینہ اس حالت میں رخصت
جو جائے اور اس کے گناہ معاف نہ ہوئے ہوں اور جب نیکو کار اللہ سے انعام حاصل
کر رہے ہوں اور وہ خسارہ میں پڑا ہوا ہو۔“

عظمتِ علیؑ

۴۷۔ (بخذف اسناد) حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”یا علیؑ! تو میرا بھائی اور میرا وزیر اور دنیا و آخرت میں میرے پرچم کا مالک ہے، جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تم سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

گریہ اور مجلس کا ثواب

۴۸۔ (بخذف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: ”جو ہمارے مصائب کو یاد کر کے خود روئے اور دوسروں کو رلائے تو اس کی آنکھ اس دن (روز قیامت) نہیں روئے گی جب دوسری آنکھیں رو رہی ہوں گی اور جو شخص ایسی مجلس میں جا کر بیٹھے جس میں ہمارے امر کو زندہ کیا جا رہا ہو تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن دوسرے دل مریں گے۔“

وسعتِ رحمتِ خداوندی

۴۹۔ امام علی رضا علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِنَفْسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ (بنی اسرائیل۔ ۷)

”اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر تم نے برائی

کی تو وہ بھی تمہاری جانوں کے لیے۔“
 پھر آپؐ نے فرمایا: ”اگر تم نے برائی کی تو اس کے لیے رب موجود ہے جو اسے
 معاف کرے گا۔“

درگزر کرنے کا خوبصورت انداز

۵۰۔ امام علی رضا علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔
 فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ - (الحجر - ۸۵)
 ”خوبصورت انداز سے درگزر کرو۔“
 حضرتؐ نے فرمایا: ”بغیر عتاب کے معاف کر دینا درگزر کا خوبصورت انداز ہے۔“

بجلیوں کی چمک

۵۱۔ امام علی رضا علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔
 هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا --- (الرعد - ۱۲)
 ”وہی خدا ہے جو تمہیں ڈرانے اور لالچ دلانے کے لیے بجلیاں دکھاتا ہے۔“
 پھر آپؐ نے فرمایا: ”بجلی کی چمک مسافر کے خوف اور مقیم کے لالچ کا سبب ہوتی ہے۔“

درود کا ثواب

۵۲۔ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-
 ”جو شخص اپنے گناہ مٹانے کے لیے قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ محمد
 و آل محمد علیہم السلام پر کثرت سے درود بھیجے ، درود گناہوں کو منہدم کر دیتی ہے۔“
 آپؐ نے فرمایا: ”محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود اللہ کے نزدیک تسبیح ، تہلیل
 اور تکبیر کا درجہ رکھتی ہے۔“

ماہ رمضان کی آمد پر آنحضرتؐ کا خطبہ

۵۳۔ (حذف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؐ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین سید الوصیین سے روایت کی۔
آپؐ نے فرمایا :-

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ماہ رمضان کی آمد پر) ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا :-

لوگو! اللہ کا مہینہ برکت، رحمت اور مغفرت لے کر تمہارے پاس آیا ہے یہ مہینہ اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل اور اس کے دن تمام دنوں سے افضل اور اس کی راتیں تمام راتوں سے افضل اور اس کی ساعتیں تمام ساعتوں سے افضل ہیں۔

اس ماہ میں تمہیں اللہ کی مہمانی کی دعوت دی گئی ہے اور تمہیں کرامت پروردگار کے قابل افراد میں شمار کیا گیا ہے۔ اس میں تمہاری سانس تسبیح ہیں (حالت روزہ میں سانس لینے کا ثواب تسبیح کے برابر ہے)۔

اور اس میں تمہاری نیند عبادت ہے، تمہارے عمل مقبول اور تمہاری دعا اس میں مستجاب ہوتی ہے۔

تم سچی نیت اور پاکیزہ دلوں سے اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہیں اس کے روزوں اور اپنی کتاب کی تلاوت کی توفیق عطا فرمائے۔

وہ شخص بد نصیب ہے جو اس عظیم مہینے میں اللہ کی مغفرت سے محروم رہے اور دنیاوی بھوک اور پیاس کو محسوس کرتے ہوئے روزہ نہ رکھے اور روز قیامت کی بھوک و پیاس کو یاد نہ رکھے۔

لوگو! اپنے غریب و مساکین کو صدقہ دو اور اپنے بزرگوں کا احترام کرو اور اپنے چھوٹوں پر رحم کرو اور صلہ رحمی کرو اور اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو اور جس چیز کا سننا تمہارے لیے ناجائز ہے، اس کے سننے سے پرہیز کرو، اور اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے یتیموں پر شفقت کریں تو تم بھی لوگوں کے یتیموں پر شفقت کرو اور خدا کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور اوقات نماز میں ہاتھ بلند کر کے اس سے دعا مانگو، نماز کے اوقات افضل ساعات ہیں، اللہ تعالیٰ ان اوقات میں اپنے بندوں پر نگاہِ رحمت ڈالتا ہے اور جب بندے اس سے مناجات کرتے ہیں تو اللہ انہیں جواب سے سرفراز کرتا ہے اور اللہ ان کا تلبیہ قبول کرتا ہے اور ان کی دعاؤں کو مستجاب فرماتا ہے۔

لوگو! تمہاری جانیں تمہارے اعمال کی وجہ سے گروی ہو چکی ہیں، استغفار سے انہیں آزاد کراؤ اور تمہارے گناہوں کے بوجھ سے تمہاری پشتیں خمیدہ ہو چکی ہیں۔ طویل سجدے کر کے ان کا وزن ہلکا کرو۔

اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت کی قسم کھا چکا ہے کہ نماز پڑھنے والوں اور سجدہ گذاروں کو عذاب نہیں دے گا اور جب تمام لوگ رب العالمین کے حضور پیش ہونے کے لیے کھڑے ہوں گے تو اللہ انہیں دوزخ سے خوف زدہ نہیں کرے گا۔

لوگو! جو شخص اس ماہ میں تم میں سے کسی روزہ دار مومن کا روزہ افطار کرائے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا یہ عمل غلام آزاد کرنے کے برابر ہو گا اور اللہ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمائے گا۔

لوگوں نے کہا:-

یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اس کی قدرت نہیں رکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”دوزخ کے آگ سے بچنے کے لیے ہر شخص کو ایک روزہ پڑھنا چاہیے۔“

کرا سکو ، دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کسی روزہ دار کو پانی کا گھونٹ دے کر افطار کرا سکو۔

لوگو ! جو شخص اس مہینے میں اپنے خلق کو اچھا رکھے تو اس کا حسن خلق صراط سے گزرنے کی راہداری بن جائے گا جس دن لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

اور جو شخص اس ماہ میں اپنے ماتحت کو تخفیف دے ، اللہ اس کے حساب میں تخفیف فرمائے گا ، اور جو اپنے شر سے باز رہے ، جب وہ اللہ کی ملاقات کرے گا تو اللہ اس سے اپنے غضب کو باز رکھے گا۔

اور جو اس میں کسی یتیم کا احترام کرے تو جس دن وہ اللہ سے ملاقات کرے گا (یعنی جس دن اللہ کے دربار میں حاضر ہو گا) اللہ اسے عزت عطا کرے گا ، اور جو اس میں صلہ رحمی کرے تو جس دن وہ اللہ سے ملاقات کرے گا ، اللہ اسے اپنی رحمت سے متصل کرے گا۔

اور جو اس ماہ میں قطع رحمی کرے تو جس دن وہ خدا سے ملاقات کرے گا ، اللہ اس دن اس سے اپنی رحمت قطع کر دے گا ۔

اور جو اس ماہ میں نافلہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے آزادی کو پروانہ لکھ دے گا ، اور جو شخص اس میں ایک فرض ادا کرے تو اسے دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کی ادائیگی جتنا اجر ملے گا۔

اور جو اس ماہ میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجے تو اللہ اس کے میزان کو وزنی بنائے گا جس دن میزان ہلکے ہوں گے ۔

اور جو شخص اس ماہ میں قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کرے اسے باقی مہینوں کے ختم قرآن جتنا ثواب ملے گا۔

لوگو ! اس ماہ میں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ، تم اپنے پروردگار سے

دعا مانگو کہ وہ انہیں تم پر کہیں بند نہ کر دے اور دوزخ کے دروازے بند ہیں ، تم اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ انہیں بند ہی رہنے دے اور تمہارے لیے انہیں مت کھولے ، اس ماہ میں شیاطین قید ہیں ، تم رب سے دعا مانگو کہ انہیں تم پر مسلط نہ ہونے دے۔“

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”اس وقت میں کھڑا ہوا اور عرض کی۔

یا رسول اللہ ! اس مہینہ کا افضل عمل کون سا ہے ؟“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”اس ماہ کا بہترین عمل حرام خداوندی سے پرہیز کرنا ہے۔“

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے۔

میں نے عرض کی :-

یا رسول اللہ ! آپ کیوں روتے ہیں ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”یا علی ! میں اس ماہ میں تم پر ہونے والے ظلم کو دیکھ کر روتا ہوں اور یہ منظر

گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے رب کی نماز پڑھ رہے ہو اور اولین و آخرین کا سب سے بڑا بد بخت جو کہ ناقہ صالح کے قاتل کا سگا بھائی ہے ، اس نے تمہیں سر پر ضرب ماری ہے جس کی وجہ سے تمہاری داڑھی خضاب آلود ہو گئی ہے۔“

امیر المومنین علیہ السلام نے عرض کی :-

”یا رسول اللہ ! کیا میرا دین سلامت ہو گا ؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”ہاں تمہارا دین سلامت ہو گا۔“

پھر آنحضرت نے فرمایا :-

یا علی ! جس نے تمہیں شہید کیا ، اس نے مجھے شہید کیا ، اور جس نے تم سے بغض رکھا ، اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے تمہیں سب کیا ، اس نے مجھے سب کیا کیونکہ تم میری جان کی طرح ہو ، تیری روح میری روح کا جزو اور تیری طینت میری طینت کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور مجھے پیدا فرمایا اور میرا اور تمہارا انتخاب فرمایا ، مجھے نبوت کے لیے منتخب کیا اور تمہیں امامت کے لیے منتخب کیا ، جس نے تمہاری امامت کا انکار کیا اس نے میری نبوت کا انکار کیا۔

یا علی ! تم میرے وصی اور میری اولاد کے پدربزرگوار اور میری دختر کے شوہر نامدار اور میری زندگی اور میری وفات کے بعد تم میرے جانشین ہو ، تمہارا حکم میرا حکم ہے اور تمہاری طرف سے ممانعت میری طرف سے ممانعت ہے۔ میں اس ذات برحق کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے مجھے نبوت کے ساتھ مبعوث کیا اور مجھے تمام جہان سے افضل بنایا ، بے شک تم خلق خدا پر اللہ کی حجت ہو اور اس کے راز کے امین ہو اور بندگان خدا پر تم اللہ کے جانشین ہو۔“

غفلتِ انسانی

۵۴۔ ہم سے یہ حدیث محمد بن قاسم مفسر رضی اللہ عنہ نے بیان کی ، انہوں نے یہ حدیث احمد بن حسن حسینی سے سنی ، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا ۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”دنیا میں کتنے ہی غافل انسان ایسے ہیں جو کپڑا اپنے پنسنے کے لیے خریدتے ہیں مگر وہی کپڑا ان کا کفن ثابت ہوتا ہے اور اپنی رہائش کے لیے گھر تعمیر کرتے ہیں

مگر وہی گھر ان کی قبر ثابت ہوتا ہے۔“

موت کی تیاری

۵۵۔ انہی اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا

گیا کہ موت کی تیاری کیسی کرنی چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا:-

”موت کی تیاری کے لیے فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز اور اخلاق

عالیہ سے اتصاف ضروری ہے، اور جب یہ تیاری مکمل ہو جائے تو پھر انسان کو اس

بات کی ہرگز پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔

خدا کی قسم! ابو طالب کے بیٹے کو ہرگز فکر نہیں ہے کہ وہ موت پر جا پڑے

یا موت اس پر آ پڑے۔“

فکرِ آخرت

۵۶۔ اسی اسناد سے امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے ایک

خطبے میں ارشاد فرمایا:-

”لوگو! دنیا فنا کا گھر اور آخرت بقا کا گھر ہے، تمہیں اپنی گزر گاہ سے اپنی

مستقل رہائش گاہ کا زاد راہ جمع کرنا چاہیے، اور جس پر تمہارے بھید مخفی نہیں ہیں،

اس کے سامنے اپنی پردہ درمی مت کرو۔

اور اس دنیا سے اپنے اجسام کی مفارقت سے پہلے اپنے دل اس سے جدا کر

لو، تمہیں دنیا میں زندگی دی گئی ہے اور تمہیں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے،

دنیا ایک زہر ہے جسے بے خبر کھا رہے ہیں۔“

جب کوئی شخص مرتا ہے تو فرشتے یہ کہتے ہیں:-

”اس نے آگے کیا روانہ کیا؟“

اور اس کے برعکس لوگ۔ یہ کہتے ہیں :-

”اس نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا؟“

نم اپنے اعمال آگے روانہ کرو ، وہ تمہارے کام آئیں گے ، اور اپنے پاس اسے روک کر نہ رکھو ورنہ تمہارے لیے حسرت بن جائیں گے ۔

اس کائنات میں وہ شخص محروم ہے جو اپنی دولت کی بھلائی سے محروم رہ جائے ، اور قابل رشک انسان وہ ہے جو صدقات و خیرات سے اپنے میزان کو وزنی بنا دے اور اس کے ذریعے سے اپنے جنت کے ٹھکانے کو مزین کرے اور صراط سے گزرنے کا سامان فراہم کرے۔“

روزِ عاشور کو کمائی کا دن نہ بنائیں

۵۷۔ (مخفف اسناد) علی بن حسن بن علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت

کی ، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا:-

”جو شخص عاشور کے دن دنیاوی حاجات کے لیے تنگ و دو نہ کرے تو اللہ

اس کی دنیا و آخرت کی حاجات پوری کرے گا۔

اور جو شخص روز عاشور کو مصیبت اور غم اور گریہ کے دن کے طور پر بسر کرے

تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کو اس کے لیے خوشی اور مسرت کا دن بنائے گا اور ہماری

وجہ سے جنت میں اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔

اور جو شخص روز عاشور کو برکت کا دن قرار دے اور اس دن اپنے گھر کے لیے

کچھ ذخیرہ کرے تو اللہ اس کے ذخیرہ میں برکت نہیں دے گا ، اور قیامت کے دن وہ

یزید اور عبداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد لعنہ اللہ علیہم کے ساتھ مشغور ہو گا اور ان کے

ساتھ دوزخ کے پست ترین درجے میں ہو گا۔

مصائبِ محرم

۵۸۔ (مخفف اسناد) ریان بن شبیب بیان کرتے ہیں کہ میں محرم کی پہلی

تاریخ کو امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے مجھ سے فرمایا :-

”اے شبیب! کیا تم آج روزہ سے ہو؟“

میں نے کہا :-

نہیں!

حضرت نے فرمایا :-

اس دن حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پرور دگار سے یہ دعا مانگی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔

(آل عمران: ۳۸)

”میرے پرور دگار! اپنی طرف سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک

تو دعا کا سننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور جب وہ اپنے حجرہ

عبادت میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے انہیں یحییٰ علیہ السلام کی نوید دی تھی۔

چنانچہ جو شخص اس دن روزہ رکھے اور اللہ سے اپنی حاجات طلب کرے تو

اللہ اس کی دعا کو اسی طرح سے قبول کرے گا جس طرح سے زکریا علیہ السلام کی

دعا کو قبول کیا تھا۔“

پھر آپ نے فرمایا :-

”اے شبیب! دور جاہلیت میں بھی لوگ ماہِ محرم کا احترام کرتے تھے اور اس

ماہ کی حرمت کی وجہ سے جنگ اور ظلم سے پرہیز کرتے تھے ، لیکن اس امت نے اس مہینے کی حرمت کو نہیں پہچانا اور اپنے نبیؐ کی حرمت کا خیال نہیں رکھا۔
اس مہینے میں ان لوگوں نے ذریت پیغمبرؐ کو قتل کیا اور مخدرات عصمت کو قید کیا اور ان کا سامان لوٹا ، اللہ انہیں کبھی معاف نہ کرے۔

ابن شیبہ ! اگر کسی چیز پر تم رونا چاہتے ہو تو حسین بن علیؑ پر روؤ ، انہیں اس طرح سے قتل کیا گیا جس طرح سے گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے ، اور ان کے ساتھ ان کے خاندان کے ان اٹھارہ افراد کو شہید کیا گیا جن کی روئے زمین پر کوئی مثال موجود نہ تھی۔“

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ان کے قتل پر روئیں ، اور آسمان سے چار ہزار فرشتے ان کی نصرت کے لیے نازل ہوئے جنہیں جنگ کی اجازت نہیں ملی ، چنانچہ قائم آل محمد (ع) کے خروج تک وہ فرشتے سروں پر خاک ڈالے قبر حسین پر موجود رہیں گے اور جب قائم آل محمدؑ کا ظہور ہو گا تو وہ ان کے مددگار ہوں گے اور ”یَا لِنَاذَاتِ الْحُسَيْنِ“ ان کا نعرہ ہو گا۔

ابن شیبہ ! میرے والد نے مجھ سے اپنے والد کی سند سے بیان کیا اور انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی۔
انہوں نے فرمایا:-

”جب میرے دادا حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو آسمان سے خون اور سرخ مٹی کی بارش ہوئی۔“

ابن شیبہ ! جب تم امام حسین علیہ السلام پر اتنا گریہ کرو گے کہ تمہارے آنسو تمہارے رخساروں پر آجائیں تو اللہ تعالیٰ تیرے صغیرہ و کبیرہ یعنی تمام گناہ معاف کر دے گا۔“

ابن شیبہ ! اگر تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہو کہ تم خدا کے حضور اس حالت میں

پیش ہو کہ تمہارے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہ ہو تو پھر حسین علیہ السلام کی زیارت کرو۔
 ابن شیبیب ! اگر تم جنت کے بلند و بالا محلات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے کے خواہش مند ہو تو پھر قاتلان حسین علیہ السلام
 پر عنت بھیجو۔

ابن شیبیب ! اگر تم شہدائے کربلا کے ثواب کو حاصل کرنے کی آرزو رکھتے
 ہو تو جب بھی امام حسین علیہ السلام کو یاد کرو تو یہ الفاظ کہو :-

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَافُوزُ فَوْزًا عَظِيمًا

”اے کاش ! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو عظیم کامیابی حاصل کرتا۔“
 ابن شیبیب ! اگر تمہیں اس بات سے خوشی محسوس ہوتی ہو کہ تم ہمارے
 ساتھ جنت کے بلند ترین مقامات پر ہو تو پھر ہماری غمی پر غم کرو اور ہماری خوشی کے
 ساتھ خوشی مناؤ اور ہماری ولایت سے وابستہ رہو، اگر کوئی شخص کسی پتھر سے بھی محبت
 کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے ساتھ محسوس فرمائے گا۔“

سورہ فاتحہ کے دو حصے

۵۹۔ مفسر محمد بن قاسم استرآبادی نے ہم سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے
 یہ حدیث یوسف بن محمد بن زید اور علی بن محمد بن یسار سے روایت کی، اور ان دونوں
 نے اپنے اپنے والد سے روایت کی اور انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت
 کی، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام
 سے روایت کی، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

”میں نے فاتحۃ الكتاب کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے، سورت

کا آدھا حصہ میرے لئے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو

مجھ سے سوال کرے وہ میں قبول کروں گا۔

چنانچہ جب بندہ ” بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ “ (عظیم اور دائمی رحمتوں والے خدا کے نام سے) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میرے بندے نے میرے نام سے ابتدا کی ہے اور مجھ پر اس کا یہ حق بنتا ہے کہ میں اس کے امور کی تکمیل کروں اور اس کے معاملات میں برکت دوں۔
اور جب بندہ

” الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ “

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میرے بندے نے میری حمد کی ہے اور ان کو اس بات کا علم ہے کہ ان کے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سب میری عطا کردہ ہیں اور ان سے جتنی بھی بلائیں دور ہوئی ہیں ، وہ سب میرے فضل و کرم کی وجہ سے دور ہوئی ہیں ، میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں انہیں دنیا کی نعمتیں کے ساتھ ساتھ آخرت کی نعمتیں بھی عطا کروں گا اور جس طرح سے میں نے ان کی دنیاوی بلائیں ہٹائی ہیں ، اس طرح سے ان سے آخرت کی بلائیں بھی دور کروں گا۔

جب بندہ

” الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ “ (وہ عظیم اور دائمی رحمتوں والا ہے)

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میرے بندے نے میرے رحمان و رحیم ہونے کی گواہی دی ہے ، لہذا میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنی رحمت سے اسے وافر حصہ عطا کروں گا اور اپنے فیض سے اسے بہت کچھ دوں گا۔

جب بندہ

” مَالِكِ يَوْمِ الدِّیْنِ “ (روز قیامت کا مالک و مختار ہے)

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں ہی روز جزا کا مالک ہوں اور میں اس کے لیے قیامت کا حساب آسان بنا دوں گا اور میں اس کے گناہوں سے درگزر کروں گا۔
اور جب بندہ

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ (پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میرے بندے نے سچ کہا ہے ، یقیناً وہ میری ہی عبادت کرتا ہے اور میں اسے اس کی عبادت کا اتنا ثواب دوں گا کہ میری عبادت نہ کرنے والے اس پر رشک کریں گے۔

اور جب بندہ

”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ (اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں)

کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

میرے بندے نے مجھ سے مدد طلب کی ہے اور مجھ سے پناہ طلب کی ہے ، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں اس کے معاملات میں اس کی ضرور مدد کروں گا اور مشکلات و شدائد (سختیوں) میں اس کی نصرت کروں گا ، اور اس کی مصیبت کے دن اس کی دستگیری کروں گا ۔

اور جب بندہ

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ -

” ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا رہ ، جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہے ، ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا ہے یا جو پھنسے ہوئے ہیں۔“

پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

سورت کا یہ حصہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مانگا ہے اسے عطا کروں گا ، میں نے اپنے بندے کی دعا کو قبول کیا اور اس کی آرزوئیں میں نے پوری کیں اور جس چیز سے وہ خائف ہے میں نے اسے اس سے امان دی ہے۔
امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا :-

کیا ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے ؟
آپ نے فرمایا :-

جی ہاں ! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پڑھا کرتے تھے اور اسے سورت فاتحہ کی آیت شمار کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے :-
”فاتحۃ الکتاب ہی سبع مثانی ہے۔“

عظمتِ فاتحہ

۶۰۔ ہم سے یہ حدیث محمد بن قاسم مفسر المعروف ابوالحسن جرجانی رضی اللہ عنہ نے بیان کی ، انہوں نے یہ حدیث یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد سیار سے سنی ، انہوں نے اپنے اپنے والد سے روایت کی ، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے اپنے آباؤ طاہرین علیہم السلام کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی۔
انہوں نے فرمایا :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سورت فاتحہ کی (پہلی) آیت ہے اور سورت فاتحہ کی سات آیتیں ، ہیں جن میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ شامل ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا :-

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (الجم - ۸۷)

”اور ہم نے تمہیں سبع مثنیٰ اور قرآن عظیم عطا کیا۔“

اللہ تعالیٰ نے سورت فاتحہ کی عظمت کو پورے قرآن مجید کے مساوی قرار دیا ہے اور فاتحۃ الكتاب خزانہ عرش کا با عظمت ترین تحفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص کیا اور انہیں فاتحہ کا شرف عطا کیا اور کسی بھی نبی کو اس میں شریک نہیں کیا، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ عطا کی گئی تھی جیسا کہ شہزادی بلقیس کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيْكَ كِتَابٌ كَرِيمٌ إِنَّهُ مِّنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - (النمل - ۳۰، ۲۹)

”میرے پاس ایک باعزت خط روانہ کیا گیا ہے، وہ خط سلیمان کی طرف سے

ہے اور اس میں تحریر ہے (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ)۔“

جو شخص محمدؐ و آل محمدؑ کی ولایت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اسے پڑھے اور سورت کے حکم کا فرماں بردار ہو اور اس کے ظاہر و باطن پر ایمان رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ہر حرف کے بدلے میں نیکی عطا کرے گا، اور وہ نیکی دنیا و مافصحا کی تمام دولت کی خیرات سے بہتر ہوگی، اور جو شخص اس سورت کو کسی قاری سے سنے تو اسے بھی قاری جتنا ثواب ملے گا، لہذا تمہیں چاہیے کہ نیکی کی اس پیش کش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ پڑھو، یہ تمہارے لیے غنیمت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت نکل جائے اور تمہارے دلوں میں حسرت باقی رہ جائے۔“

اندازِ محبت

۶۱۔ (حذف اسناد) ریان بن صلت نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے آباؤ طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی،

انہوں نے فرمایا: ”امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک شیعہ کو ایک عرصے کے بعد دیکھا اور اس پہ بڑھاپا چھا چکا تھا، اور وہ تیزی سے چل رہا تھا۔“
امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ”اے شخص! تم بوڑھے ہو گئے ہو۔“

اس نے کہا: ”مولا! آپ کی اطاعت میں بوڑھا ہوا ہوں۔“
حضرتؑ نے فرمایا: ”مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی کچھ عرصہ زندہ رہو گے۔“

اس نے کہا: ”مولا! بقیہ زندگی بھی آپ پر قربان ہے۔“

وحشتِ قیامت اور دوستوں کا فراق

۶۲۔ (حذف اسناد) علی بن حسن بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے اپنے آباؤ طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: ”جب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپؑ رونے لگے۔“

آپؑ سے کہا گیا: فرزند رسول! آپ کو رونے کی کیا ضرورت ہے، آپ رسول خدا سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصی قربت رکھتے ہیں اور رسول خدا

نے آپ کی شان میں جو کچھ کہا، آپ اسے بھی جانتے ہیں، اور آپ نے پس مرتبہ پیادہ حج کیئے ہیں اور آپ نے تین مرتبہ اپنا آدھا سامان راہ خدا میں لٹایا ہے۔
یہ سن کر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: ”میں دو وجوہات، وحشتِ قیامت اور دوستوں کی جدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔“

مقامِ علیؑ

۶۳۔ (حذف اسناد) ابراہیم بن ابی محمود نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی اور آپ نے اپنے آباءِ طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”یا علی! میرے بعد تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اس کے لیے بلاکت ہے جو تم پر ظلم اور زیادتی کرے گا۔ اور خوشخبری ہے اس کے لیے جو تمہاری پیروی کرے اور تم پر جسارت نہ کرے۔“

یا علی! میرے رخصت ہونے کے بعد تم سے جنگیں کی جائیں گی۔ بلاکت ہے اس کے لیے جو تم سے جنگ کرے اور خوشخبری ہے اس کے لیے جو تمہاری معیّت میں رہ کر تمہارے دشمنوں سے جنگ کرے۔

یا علی! تم میرے بعد میرے کلام کی روشنی میں گفتگو کرو گے اور میری زبان سے تکلم کرو گے۔ بلاکت ہے اس کے لیے جو تمہاری بات کو ٹھکرائے اور اس کے لیے خوشخبری ہے جو تمہارے کلام کو قبول کرے۔

یا علی! میرے بعد تم اس امت کے سردار، ان کے امام اور ان پر میرے خلیفہ ہو۔ جو تم سے جدا ہوگا وہ قیامت کے دن مجھ سے جدا ہوگا۔ اور جو تمہارے

ساتھ وابستہ رہے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ وابستہ رہے گا۔

یا علی! تم سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور میری تقدیق کی اور تم سب سے پہلے میری مدد کرنے والے اور میری معیت میں میرے دشمنوں سے جہاد کرنے والے اور میرے ساتھ تم نماز پڑھنے والے پہلے انسان ہو کہ اس وقت باقی لوگ جمالت کی غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔

یا علی! تم پہلے فرد ہو جو میرے ساتھ قیامت کے دن مبعوث ہو گے۔ اور تم پہلے فرد ہو جو میرے ساتھ پُل صراط کو عبور کرو گے۔

یا علی! میرے پروردگار نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک پُل صراط سے گزرنے نہیں دے گا جب تک اس کے پاس تمہاری اور تمہاری اولاد کے ائمہ کی ولایت کی سند موجود نہ ہوگی۔ اور تم سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے۔ اور حوض کوثر سے تم اپنے دوستوں کو سیراب کرو گے اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے دور کرو گے۔ اور جس وقت میں مقام محمود پر کھڑا ہوں گا تو اس وقت تم میرے ساتھی ہو گے۔ تمہیں ہمارے محبوب کی شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ اور تم ان کی شفاعت کرو گے۔ اور تم سب سے پہلے میرے پرچم ”لواء الحمد“ کو لیے ہوئے جنت میں داخل ہو گے۔ اور اس پرچم کے ستر (۷۰) ٹکڑے ہوں گے۔ اور اس کا ایک ٹکڑا شمس و قمر سے زیادہ وسیع ہوگا۔ اور جنت کے شجرہ طوئی کے مالک تم ہو گے۔ اس درخت کی جڑ تمہارے گھر میں ہوگی اور اس کی شاخیں تمہارے شیعوں اور محبوبوں کے گھروں میں ہوں گی۔“

مخالفین کی روایات کی اصل حیثیت

میں (راوی) نے عرض کی :-

فرزند رسول! فضائل امیر المومنین اور فضائل اہل بیتؑ کے لیے ہمارے ہاں آپ کے مخالفین کی روایات بجز رائج ہیں لیکن ایسی روایات ہمیں آپ کے ہاں

نظر نہیں آتیں۔

تو کیا ہم مخالفین کی بیان کردہ روایات کو تسلیم کریں ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”ابن ابی محمود ! مجھ سے میرے والد نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی

سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے :-

”جس نے کسی بولنے والے کی گفتگو کو غور سے سنا تو اس نے اس کی عبادت

کی ، اگر بولنے والا حکم خدا کے تحت گفتگو کر رہا ہو تو سننے والے نے اللہ کی عبادت

کی ، اور اگر بولنے والا ابلیس کی نمائندگی کر رہا ہو تو پھر سننے والے نے ابلیس کی

عبادت کی۔“

پھر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”ابن ابی محمود ! (یاد رکھو) ہمارے مخالفین نے ہمارے فضائل کے لیے روایات

وضع کی ہیں اور ان کی روایات تین طرح کی ہیں۔

1- ان کی بیان کردہ روایات غلو پر مبنی ہیں۔

2- یا امرامامت کی تقصیر پر مبنی ہیں۔

3- یا پھر ان روایات میں ہمارے مخالفین کے نام لے کر ان کے عیوب

بیان کیئے گئے ہیں۔

اور اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ جب ان غلو آمیز روایات کو لوگ سنیں

گے تو وہ ہمارے شیعوں کو کافر کہیں گے اور ہمارے شیعوں کے متعلق یہ فیصلہ کریں گے

کہ شیعہ آل محمد کی ربوبیت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جب لوگ ان کی وہ روایات

سنیں گے جو تقصیر پر مبنی ہوگی تو لوگ ہمارے متعلق تقصیر کا اعتقاد رکھیں گے ۔

اور جب لوگ ہم سے منسوب ایسی روایات سنیں گے جن میں ہمارے

مخالفین کے نام لے کر ان کی برائی کی گئی ہو گی تو لوگ بھی اس کے جواب میں ہمارا نام لے کر ہمارے عیوب بیان کریں گے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا

بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (الانعام۔ ۱۰۸)

”خبردار! تم لوگ انہیں برا بھلا نہ کہو جن کو یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ لوگ دشمنی میں بغیر سوچے سمجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔“
ابن ابی محمود! جب لوگ دائیں بائیں چل رہے ہوں تو تم ہمارے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رہو، کیونکہ جو ہم سے وابستہ رہے گا ہم اس سے وابستہ رہیں گے، اور جو ہم سے علیحدگی اختیار کرے گا تو ہم بھی اس سے علیحدگی اختیار کریں گے اور ایمان سے خارج ہونے کے لیے تو اتنی سی بات ہی کافی ہے کہ انسان کنکروں کو دیکھ کر کہے کہ یہ گٹھلیاں ہیں اور پھر اس پر اعتقاد بھی رکھ لے اور جو اس کے قول کی مخالفت کرے وہ اس سے اظہار برأت کرتا ہے۔

ابن ابی محمود! میں نے تمہیں جو کچھ بتایا، اسے اچھی طرح سے یاد رکھو، کیونکہ میں نے تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کو جمع کر دیا ہے۔“

دشمن سے محفوظ رہنے کی دعا

۶۲۔ (حذف اسناد) حسن بن فضل ابو محمد بن ہاشم کے آزاد کردہ غلام نے روایت کی، اس نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا، انہوں نے اپنے والد علیہ السلام سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا:-

”ابو جعفر منصور دوانقی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کرانے کے لیے اپنے دربار میں بلایا اور اس کام کے لیے اس نے تلوار رکھی اور چرمی فرش پچھوا دیا

اور اپنے خادم خاص ربیع کو حکم دیا۔

جب میں جعفر صادق علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے تالی بجاؤں تو تم فوراً انہیں قتل کر دینا۔

ربیع کہتے ہیں :-

میں نے دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام دربار میں داخل ہوئے اور ان کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔

منصور دوانقی نے جیسے ہی انہیں دیکھا، انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہا اور کہنے لگا۔

ام نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ کا قرض ادا کیا جائے اور آپ کی ذمہ داریاں پوری کی جائیں۔

پھر کافی دیر تک منصور، امام علیہ السلام کے ساتھ ان کے خاندان کی خیریت دریافت کرتا رہا اور ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔

اور امام علیہ السلام سے کہا :-

اللہ نے آپ کا قرض ادا کر دیا اور میں آپ کا وظیفہ ادا کرتا ہوں۔

پھر اس نے مجھے (ربیع) کو حکم دیا کہ میں انہیں ان کے گھر تک پہنچاؤں۔

جب میں امام علیہ السلام کے ساتھ باہر آیا تو میں نے کہا :-

ابو عبد اللہ ! کیا آپ نے تلوار اور چرمی فرش دیکھا تھا، یہ آپ کے قتل کا سامان تھا۔ لیکن جب آپ دربار میں داخل ہوئے تو آپ کے لب حرکت کر رہے تھے،

آخر آپ نے کیا پڑھا کہ اس کا غصہ کا فور ہو گیا ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا :-

ربیع ! میری نظر جیسے ہی تلوار پر پڑی تو میں نے یہ دعا پڑھی اور اس

کی برکت سے میں محفوظ رہا۔

حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْمَرْبُوبِينَ ،
 حَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ
 حَسْبِيَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوقِينَ ،
 حَسْبِيَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ،
 حَسْبِيَ مَنْ هُوَ حَسْبِي ،
 حَسْبِيَ مَنْ لَمْ يَزَلْ حَسْبِي ،

(حَسْبِيَ مَنْ كَانَ مُدُّ كُنْتُ لَمْ يَزَلْ حَسْبِي)

حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ
 الْعَظِيمِ

”میرا پروردگار مجھے کافی ہے مخلوق کے مقابلے میں ، خالق
 میرے لیے کافی ہے ، روزی پانے والوں سے روزی دینے والا
 ہی میرے لیے کافی ہے ، خدا میری کفایت کرنے والا ہجو پوری
 کائنات کا پروردگار ہے بس وہی میرے لیے ہر طرح کفایت
 کرنے والا ہے ، وہی کافی ہے جو ہمیشہ میری کفایت کرنے
 والا ہے۔ وہی میرے لیے کافی ہے (جب تک میں زندہ
 ہوں وہی میری کفایت کرنے والا ہے) خدا ہی میری کفایت
 کرنے والا ہے ، وہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، میں نے
 اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا پروردگار ہے۔“

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی تفسیر

۶۵۔ محمد بن قاسم مفسر استر آبادی رضی اللہ عنہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے یہ حدیث یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن سیار سے روایت کی اور ان دونوں نے اپنے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے کبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا :-

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ (الفاتحہ-۲) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا یا ہمیں سیدھی راہ کی رہنمائی فرما، یعنی ہمیں اس راستہ پر چلنے کی توفیق دے جو تیری محبت تک لے جاتا ہو اور تیرے دین تک پہنچاتا ہو اور جو ہمیں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے مانع ہو اور ہم ہلاکت سے بچ جائیں اور ہمیں اپنی آراء کا اسیر ہونے سے بچالے تاکہ ہم ہلاکت سے محفوظ رہیں۔

جس امانت کو زمین و آسمان نہ اٹھا سکے

۶۶۔ (محذوف اسناد) حسین بن خالد سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا :-
 مولا ! وہ کون سی امانت ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ میں کیا گیا ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا -

”بے شک ہم نے نمانت کو آسمان ، زمین اور پہاڑ سب کے سامنے پیش کیا اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا ، بس انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا ، بے شک وہ ظالم و جاہل تھا۔“
حضرتؑ نے فرمایا :-

”نمانت سے مراد ولایت ہے ، جو اس کا ناحق دعویٰ کرے تو اس نے کفر کیا۔“

شجرہ ممنوعہ

۶۷۔ (بخاری اسناد) عبد السلام بن صالح ہروی سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا :-
وہ کون سا درخت تھا جس کا پھل آدم و حوّا نے کھایا تھا ؟
کیونکہ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں ، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ گندم تھا اور کچھ لوگ اسے انگور بتاتے ہیں اور کچھ لوگ اسے حسد بتاتے ہیں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا :-
”تینوں باتیں درست ہیں۔“
میں (راوی) نے کہا :-

مولا ! اس اختلاف کے باوجود یہ تینوں روایات درست کیسے ہیں ؟
حضرتؑ نے فرمایا :-

”دنیا اور جنت کے درختوں میں فرق ہے ، جنت کے ایک درخت پر کئی طرح کے پھل لگتے ہیں ، وہ درخت گندم کا ایک پودا تھا اور اس پر انگور بھی لگے ہوئے تھے۔“
جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو عزت و عظمت عطا کی اور ملائکہ سے ان کا سجدہ کرایا اور انہیں جنت میں بھیج دیا ، تو انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا :-
کیا اللہ نے مجھ سے کسی کو افضل بنایا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے اس کے دلی خیال کا مشاہدہ کیا اور فرمایا :-

آدم تم سر اٹھا کر عرش کے کنارے پر نگاہ کرو۔

جب آدم کی نظر عرش کے کنارے پر لگی تو وہاں یہ کلمات لکھے ہوئے تھے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، علی ابن ابی طالب

امیر المومنین و زوجته فاطمة سيدة نساء العالمین و الحسن

و الحسين سید ا شباب اهل الجنة۔

آدم علیہ السلام نے کہا :-

پروردگار ! یہ کون ہیں ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

”آدم ! یہ تیری اولاد ہیں اور یہ نہ صرف تم سے بلکہ میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔“

خبردار ! انہیں نگاہِ حسد سے نہ دیکھنا ورنہ میں تمہیں اپنی ہمسائیگی سے نکال دوں گا۔“

آدم نے ذواتِ عالیہ کو نگاہِ حسد سے دیکھا اور اپنے لیے ان کے مقام و منزلت کی خواہش کی ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان ان پر غالب ہو گیا اور انہوں نے شجرہٗ ممنوعہ کا پھل کھایا اور حوا نے بھی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو حسد کی نگاہ سے دیکھا تھا ، اسی لیے ان پر بھی شیطان غالب آگیا اور انہوں نے بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ مل کر شجرہٗ ممنوعہ کا پھل کھایا اور اسی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنے جوار رحمت سے نکال کر زمین پر کچ دیا۔“

معصوم ہمیں سمجھدار دیکھنا چاہتے ہیں

۶۸۔ (بخاری اسناد) عبید بن بلال کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام

کو یہ کہتے ہوئے سنا :-

”میں چاہتا ہوں کہ ہر مومن ”محدث“ ہو۔“

میں (راوی) نے کہا :-

”محدث“ کا کیا مفہوم ہے ؟

حضرت نے فرمایا :-

”مقصد یہ ہے کہ مومن کو فمیدہ ہونا چاہیے“

(یعنی علوم آل محمدؐ کو حاصل کر کے لوگوں کو ان کی تعلیم دے)

دنیاوی مقاصد کے لیے علم حاصل نہ کریں

۶۹۔ (بخاری اسناد) عبد السلام بن صالح بروی کہتے ہیں کہ میں نے امام

علی رضا علیہ السلام سے سنا، آپ نے فرمایا :-

”اللہ اس بندے پر رحم کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔“

میں (راوی) نے عرض کی : آپ کے امر کو کیسے زندہ کرے ؟

حضرت نے فرمایا : ”ہمارے علوم کو حاصل کر کے لوگوں کو ان کی تعلیم دے، کیونکہ

اگر لوگ ہمارے کلام کے محاسن کو جان لیتے تو وہ ہماری پیروی کرتے۔“

میں (راوی) نے عرض کیا : امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ۔

انہوں نے فرمایا۔

”جو شخص اس لیے علم حاصل کرے کہ وہ اس کے ذریعے سے احمقوں سے

مباحثہ کرے یا اس علم کی وجہ سے علماء پر فخر و مباہات کرے یا اس کے ذریعے سے

لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔“

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”میرے جد اطہر نے سچ فرمایا، کیا جانتے ہو کہ بے وقوف کون ہیں؟“

میں (راوی) نے کہا: نہیں!

حضرتؑ نے فرمایا: ”اس سے مراد ہمارے مخالفین کے قصہ گو ہیں۔“

پھر حضرتؑ نے فرمایا: ”جانتے ہو علماء سے کون مراد ہیں؟“

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزند رسول! میں نہیں جانتا۔

حضرتؑ نے فرمایا: ”اس سے علماء آل محمدؐ مراد ہیں جن کی اطاعت اور مودت کو اللہ نے فرض کیا ہے۔“

پھر حضرتؑ نے فرمایا: ”جانتے ہو کہ ”لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے“ سے کیا مراد ہے؟“

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزند رسول! مجھے معلوم نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ”اس سے مراد امامت کا ناحق دعویٰ کرنا ہے، اور جو کوئی ایسا کرے وہ دوزخ میں جائے گا۔“

لفظ ”جزو“ سے کیا مراد ہے؟

۷۰۔ (حذف اسناد) حسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا:-

ایک شخص نے اپنے مال کے ایک ”جزو“ کی وصیت کی، تو اب اس کی

دولت کا کتنا حصہ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے؟

حضرتؑ نے فرمایا: ”اس کی دولت کا اکیسواں حصہ 1/21 خرچ کیا جائے گا۔“ (۱)

۱۔ لفظ ”جزو“ کے تعین کے لیے روایات میں اختلاف ہے۔

1۔ اکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جزو سے مراد دسواں 1/10 حصہ ہے۔

2۔ امام علی رضا علیہ السلام سے مروی دوسری روایت میں اس سے ساتواں 1/7 حصہ مراد لیا گیا ہے۔ کہا رواؤ الخ (تذو)

3۔ عبد الرحمن بن عوف کی ایک روایت میں اس کے لیے مراد تیسواں 1/30 حصہ لیا گیا ہے۔

لفظ ”قدیم“ سے کیا مراد ہے ؟

۱۔ (حذف اسناد) داؤد بن محمد ہندی نے ہمارے بعض اصحاب سے روایت کی کہ ابن ابی سعید مکاری، امام علی رضا علیہ السلام کے پاس گئے اور گستاخی کر کے کہنے لگے :-

کیا تمہاری بھی وہ قدر و منزلت ہو گئی ہے کہ تم اپنے والد کی طرح سے دعویٰ کرنے لگ گئے ہو ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا : ”اللہ تمہارے نور کو خاموش کرے اور تمہارے گھر میں فقر کو داخل کرے ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عمران کو وحی کی تھی کہ میں تمہیں پیٹا عطا کروں گا ، لیکن اسے مریم عطا فرمائی اور مریم کو عیسیٰ عطا کیا ، عیسیٰ مریم سے ہے اور مریم عیسیٰ سے ہے اور عیسیٰ اور مریم دونوں ایک ہی چیز سے ہیں ۔

اور اس طرح سے میں اپنے والد سے ہوں اور میرے والد مجھ سے ہیں اور یوں میں اور میرے والد دونوں ایک ہی چیز ہیں۔“

پھر ابن ابی سعید نے کہا : میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔
حضرتؑ نے فرمایا : تم میری بات قبول نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے شیعہ نہیں ہو، اس کے باوجود بھی تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔

ابن ابی سعید نے کہا : ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کرتے ہوئے کہا :-
میرے جتنے بھی قدیم غلام ہیں ، انہیں رضائے الہی کے لیے آزاد کرتا ہوں ۔ (تو لفظ ”قدیم“ کے تحت کس غلام کو آزادی ملے گی) ؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا : ”جس غلام کو ان کے پاس چھ مہینے گزر چکے ہوں ، وہ آزاد ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا :-

حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔ (نہج۔ ۳۹)

”یہاں تک کہ چاند پرانی شاخ کھجور کی طرح سے ہو جاتا ہے۔“

راوی بیان کرتے ہیں: ابن ابی سعید کو مولا کی بد دعا لگ گئی اور وہ سخت غربت کا شکار ہو گیا اور اندھا ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے پاس سر چھپانے کا سہارا تک نہ رہا اور اسی حالت میں مر گیا۔

۷۲۔ (حذف اسناد) اسماعیل خراسانی بیان کرتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ

السلام نے فرمایا :-

”کسی چیز کا ترک کرنا ہی ضد نہیں ہے، بلکہ اس میں کمی کرنا ہی ضد ہے۔“

”صاع“ کی مقدار

۷۳۔ (حذف اسناد) جعفر بن ابراہیم بن محمد ہمدانی نے سفر حج میں بیان کیا

کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو تحریر کیا :-

”ہمارے اصحاب کا ”صاع“ کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ

فطرہ مدینہ کے ”صاع“ سے دیا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ عراقی ”صاع“

سے دیا جائے۔ (لہذا آپ رہنمائی فرمائیں)

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا :-

”صاع“ چھ مدنی رطل اور نو عراقی رطل کا ہوتا ہے اور آپؑ نے لکھا کہ

اس کا وزن گیارہ سو ستر درہم کے برابر ہوتا ہے۔“ (۱)

بیک وقت تین طلاقیں کا حکم

۷۴۔ مجھ سے یہ حدیث میرے والد رضی اللہ عنہ نے بیان کی ، انہوں نے یہ حدیث حسن بن احمد ماکلی سے سنی ، انہوں نے ۲۴۱ھ میں یہ حدیث عبداللہ بن طاؤس سے سنی ، انہوں نے کہا :-

میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی :-
”میرا ایک بھتیجا ہے ’’ز میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کیا ہے ، وہ شراب پیتا ہے اور بار بار طلاق کا نام لیتا ہے۔“
امام علیہ السلام نے فرمایا :-

”اگر مذہبی طور پر اس کا تعلق تیرے بھائیوں سے ہے (یعنی اگر وہ شیعہ ہے) تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ دوسروں (اہل سنت) سے تعلق رکھتا ہے تو اپنی بیٹی اس سے جدا کر لو ، کیونکہ اس نے جدائی کا ارادہ کیا ہے۔“
میں (راوی) نے کہا :-

میں آپ پر قربان جاؤں ، کیا امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مروی نہیں ۔
”جن عورتوں کو ایک مجلس میں تین بار طلاق دی گئی ہو تم ان عورتوں سے بچو ، کیونکہ وہ شوہر دار ہیں۔“

(یعنی بیک وقت تین طلاقیں جاری کرنے سے طلاق بائن نہیں ہوتی)
امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا :-

”یہ حکم ہمارے مذہبی بھائیوں کے لیے ہے ، دوسروں کے لیے نہیں ہے ، کیونکہ جو شخص کسی قوم کا دین اختیار کرے تو ان کے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں۔“

Presented

جلد بازی نہ کرو۔

قبر زہرا علیہا السلام کی نشان دہی

۷۶۔ (بخاری اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی قبر اطہر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا :-

”حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا تھا اور جب بنی امیہ نے مسجد میں توسیع کی تو قبر مبارک مسجد میں شامل ہو گئی۔“

عزت افزائی سے انکار نہ کرو

۷۷۔ (بخاری اسناد) حسن بن جہم کا بیان ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے :-

”عزت افزائی سے تو کوئی گدھا ہی انکار کر سکتا ہے۔“

میں (راوی) نے پوچھا: مذکورہ جملہ کا مقصد کیا ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”کسی کو کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو یا کسی خوشبو کا تحفہ پیش کیا جائے اور وہ اسے قبول نہ کرے تو ایسا شخص گدھا ہے۔“

۷۸۔ (بخاری اسناد) علاء بن جہم کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا

آپؑ فرماتے تھے: ”عزت افزائی سے انکار تو گدھا ہی کرتا ہے۔“

میں (راوی) نے پوچھا: عزت افزائی سے کیا چیز مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ”جیسے خوشبو یا کوئی ایسی چیز جس سے کوئی شخص کسی کی عزت کرتا ہے۔“

۷۹۔ (بخاری اسناد) ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا

کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

آپؐ فرماتے تھے: ”عزت افزائی کا انکار تو کوئی گدھا ہی کر سکتا ہے۔“
اس سے آپؐ کا مقصود خوشبو اور تکیہ تھا۔

”سکینہ“ کیا ہے؟

۸۰۔ (بخاری اسناد) ابو ہمام اسماعیل بن ہمام بیان کرتے ہیں:-

امام علی رضاعلیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا:-

”تم ”سکینہ“ کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

اس شخص نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے اور حاضرین میں سے کوئی بھی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔

تو انہوں نے کہا: ہم آپؐ پر قربان جائیں، آپؐ ہی بتائیں کہ ”سکینہ“ کیا ہے؟
حضرتؑ نے فرمایا: ”سکینہ“ جنت سے آنے والی ایک خوشبو دار ہوا ہے، جس کی شکل انسان جیسی ہے اور وہ انبیاء پر نازل ہوتی رہتی ہے، جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے تو وہ ان پر نازل ہوئی اور وہ جس طرف چکر لگاتی، حضرت اسی کے مطابق بیت اللہ کی بنیادیں بلند کرتے تھے۔“ (۱)

زادہ کون ہے؟

۸۱۔ ہم سے یہ حدیث مفسر ابو الحسن محمد بن قاسم جرجانی رضی اللہ عنہ نے بیان کی، انہوں نے یہ حدیث احمد بن حسن حسینی سے سنی، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی آپؐ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی۔

۱۔ قرن چہدہم میں چھ مقامات پر انیس سکینہ کا ذکر موجود ہے جو کہ باہم متکین و متکلی کے معنی میں ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ دنیا میں زائد کون ہے؟
آپؐ نے فرمایا:-

”زائد وہ ہے جو حساب کے خوف سے حلال کو ترک کر دے اور عذاب کے
ڈر سے حرام کو ترک کر دے۔“

کثافت کیا ہے ؟

۸۲۔ (حذف اسناد) احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی بیان کرتے ہیں کہ امام
علی رضا علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُؤْفُوا نَذْوَرَهُمْ۔ (الحج۔ ۲۹)

”لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بدن کی کثافت دور کریں اور اپنی نذور کو
پورا کریں۔“

پھر آپؐ نے کثافت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:-

”اس سے مراد ناخن تراشی اور میل کا دور کرنا اور احرام کا اتارنا ہے۔“

امم سابقہ کی بیماری

۸۳۔ (حذف اسناد) حسن بن علی بن فضال نے امام علی رضا علیہ السلام

سے روایت کی، آپؐ نے اپنے بابائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے حضرت امیر

المومنین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد مبارک ہے:-

”تم سے پہلی امتوں کی بیماری تم میں درآئی ہے اور وہ ہے بغض اور حسد۔“

نیکی کی قدر دانی

۸۴۔ (حذف اسناد) داؤد بن سلیمان نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت

کی، آپ نے اپنے والد علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا :-

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں میں سے جب

کوئی بندہ ایک نیکی جھالاتا ہے تو میں اسے جنت میں داخل کرتا ہوں۔“

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی :-

”پروردگار! وہ کون سی نیکی ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

”جب کوئی شخص کسی مومن کی پریشانی دور کرتا ہے اگرچہ کچھور دے کر ہی

پریشانی کیوں نہ دور کرے۔“

یہ سن کر داؤد علیہ السلام نے عرض کی :-

”تمہاری پہچان کرنے والے شخص کا حق یہ ہے کہ وہ تم سے ناامید نہ ہو۔“

قاتل اور قاتل کو پناہ دینے والا دونوں ملعون ہیں

۸۵۔ (حذف اسناد) حسن بنت الیاس کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا

علیہ السلام سے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

”اللہ نے حدیث کا ارتکاب کرنے والے اور اس کو پناہ دینے والے پر لعنت

کی ہے۔“

میں (راوی) نے کہا: ”حدیث“ سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اس سے مراد قاتل ہے۔“

(یعنی قاتل اور قاتل کو پناہ دینے والا دونوں ملعون ہیں)

کان، آنکھ اور دل کو جواب دینا پڑے گا

۸۶۔ (حذف اسناد) سید عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

مجھ سے میرے مولا و آقا امام علی نقی نے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”فلاں میرے لیے بمنزلہ کان ہے اور فلاں میرے لیے بمنزلہ آنکھ ہے اور فلاں میرے لیے بمنزلہ قلب ہے۔“

دوسرے دن میں (امام حسین علیہ السلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت مذکورہ افراد اور امیر المومنین علیہ السلام آنحضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے عرض کیا: باجان! میں نے ان اصحاب کے متعلق کل آپؐ فرمان سنا تھا اس کا کیا مقصد ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”یہ کان، آنکھ اور دل ہیں اور ان سے میرے اس وصی کے متعلق پوچھا جائے گا“، یہ کہہ کر آپؐ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

(بنی اسرائیل۔ ۳۶)

”بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔“

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”مجھے عزت پروردگار کی قسم! میری تمام امت کو روز قیامت ٹھہرا کر ولایت علیؑ کے متعلق پوچھا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے:-

وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ - (الصفات: ۲۳)

”اور انہیں روکو، ان سے سوال کیا جائے گا۔“ (۱)

”لحم“ اور ”لحم سمین“ کی تشریح

۸۷۔ (بخاری اسناد) حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے روایت

کی، انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:-

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ گوشت اور موٹے گوشت کو ناپسند کرتا ہے۔“

آپؑ کے ایک صحابی نے کہا:-

فرزند رسول! ہمیں تو گوشت پسند ہے اور ہمارے گھر گوشت سے خالی

نہیں رہتے۔ (آخر اس فرمان کا کیا مطلب ہے)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

”وہ چیز مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، گوشت کا گھر وہ ہے جہاں

غیبت کے ذریعے سے لوگوں کا گوشت کھایا جاتا ہو اور موٹے گوشت سے مراد جابر،

متکبر اور متکبرانہ چال چلنے والا ہے۔“

۱۔ علامہ نے آج الحق میں لکھا ہے:-

بہرہور نے ابن عباس اور ابی سعید خدری کی روایت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے:-

آپؑ نے فرمایا:-

تو ان قدرت آئے کہ انہیں ٹھہرا کر ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

روزہ توڑنے کے تین کفارے اور ایک کفارہ

۸۸۔ (محذوف اسناد) عبدالسلام بن صالح ہروی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا:-

فرزند رسول! روزہ کے کفارے کے متعلق ہمیں آپ کے آباء سے دو مختلف روایات ملتی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ جو شخص ماہ رمضان کے دن میں ہم بستری کرے یا روزہ توڑ دے تو اس پر تینوں کفارے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ایک کفارہ ہے۔ ہم کس روایت پر عمل کریں؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:-

”ان دونوں روایات پر عمل کرو۔ جب کوئی شخص حرام ذرائع جنسی تسکین حاصل کرے یا رزق حرام سے روزہ توڑ دے تو اس کے ذمے تین کفارے ہیں۔ یعنی ایک غلام آزاد کرے اور دو ماہ تک مسلسل روزے رکھے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ایک دن کے روزے کی قضا کرے۔

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے جنسی تسکین حاصل کرے یا رزق حلال سے روزہ توڑے تو اس پر ایک کفارہ ہے اور اس دن کی قضا ہے۔ اور اگر کوئی بھول کر روزہ توڑے تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔“

عربوں کی اولاد کے نام

۸۹۔ (محذوف اسناد) احمد بن اشیم نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا:-

میں آپ پر قربان جاؤں آپ یہ بتائیں کہ عرب اپنی اولاد کے نام کلب (کتا) فہد (چیتا) وغیرہ جیسے کیوں رکھتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: ”بات یہ کہ عرب جنگجو لوگ ہیں اسی لئے دشمنوں کو

https://downloadshahabooks.com

مرغوب کرنے کے لیے اپنی اولاد کے اس طرح سے نام رکھتے ہیں اور خوشی کے حصول کے لیے اپنے غلاموں کے نام فرج ، مبارک اور میمون رکھتے ہیں۔“

افعال عباد مقدرہ ہیں

۹۰۔ (حذف اسناد) عبد السلام بن صالح ہروی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا ، آپ نے فرمایا :
”افعال عباد مخلوق ہیں۔“

میں نے عرض کیا : فرزند رسول ! مخلوق کا کیا مقصد ہے ؟
حضرتؑ نے فرمایا : ”یعنی وہ تقدیر کے زیر اثر ہیں۔“

نیا کپڑا پہننے کے آداب

۹۱۔ (حذف اسناد) یاسر خادم نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ۔ آپؑ نے اپنے والد امام علی نقی علیہ السلام اور انہوں نے اپنے والد امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی ، انہوں نے فرمایا :۔

”جب امام علی رضا علیہ السلام نیا کپڑا پہننے کا ارادہ کرتے تو آپؑ ایک برتن میں پانی منگواتے تھے اور اس پر دس مرتبہ سورہ قدر اور دس مرتبہ سورہ اخلاص اور دس مرتبہ سورہ کافرون پڑھ کر دم کرتے تھے پھر اس پانی سے کپڑے پر چھینٹے مارتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ۔

جو شخص ایسا کرے تو جب تک اس کے بدن پر اس کپڑے کی ایک تار بھی باقی رہے گی ، وہ فارغ البالی میں رہے گا۔“

مصنف کتاب ہذا کہتے ہیں کہ یاسر خادم نے امام علی رضا علیہ السلام سے ملاقات کی تھی لیکن امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس کا احادیث بیان کرنا عجیب سا محسوس ہوتا ہے ۔

حضرتؑ سے منقول آنحضرتؐ کی صفات

۱۔ (حذف اسناد) اسماعیل بن محمد بن اسحاق امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔

آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک

امام حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے فرمایا:

”میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے تھے۔ میں نے ایک دن ان سے آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک دریافت کیا تو انہوں نے کہا:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ اور کشادہ چہرہ جس پر چاند کی سی چمک تھی۔ آپؐ میانہ قد تھے اور کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے تھے، نہ اتنے طویل تھے کہ آنکھ ان سے نفرت کرتی۔ سر بڑا مگر اعتدال و مناسبت کے ساتھ۔ مانگ درمیان سے نکلی ہوئی۔ پیشانی کشادہ، ابرو خمدار باریک اور گنجان۔ دونوں جدا جدا، دونوں کے درمیان میں ایک رگ کا ابھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتی۔ رنگت سفید چمک دار۔ پتلیاں سیاہ۔ نظریں نیچی۔ گوشہ چشم سے دیکھنے کا انداز حیا دارانہ۔ ناک بلندی مائل۔ اس پر نورانی چمک۔ جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ رخسار ہموار اور ہلکے نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔ وہن بہ اعتدال فراخ۔ ریش بھر پور اور گنجان بال۔ گردن پتلی، لمبی جیسے مورتی کی طرح خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔ گردن کی رنگت چاندی جیسی اجلی اور خوشنما۔ بدن پر

بال زیادہ نہ تھے۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر۔ کندھوں، بازوؤں اور سینے کے بالائی حصے پر تھوڑے سے بال تھے۔ مجموعی ڈھانچہ بدن گٹھا ہوا۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط۔ سینہ چوڑا، سینہ اور پیٹ ہموار۔

کلانیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ، انگلیاں حد تک دراز، ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت، تلوے قدرے گہرے، قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے۔

رفتار باوقار۔ چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بلندی سے اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے جسم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ آسمان کی بہ نسبت زمین پر زیادہ نگاہ رکھا کرتے تھے اور ہر ملنے والے پر سلام میں پھل کرتے۔

آنحضرتؐ کا انداز گفتگو

میں (امام حسن علیہ السلام) نے کہا کہ آنحضرتؐ کا انداز گفتگو کیسا تھا؟ انہوں نے کہا:-

”آنحضرتؐ شیریں کلام تھے اور واضح الفاظ سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے اور آپؐ کا کلام الفاظ کی کمی بیشی سے معرا ہوتا اور آپؐ کی تمام گفتگو جیسی موتیوں کی لڑی پروئی ہوتی تھی۔ اور آپؐ دائم الحزن اور ہمیشہ غور و فکر میں مصروف اور آپؐ بلا ضرورت کلام نہیں کرتے تھے اور آپؐ کی گفتگو مختصر مگر جامع ہونی تھی۔

آپؐ نرم خوتھے اور بدخلق نہ تھے اور آپؐ چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی قدر کرتے تھے اور آپؐ کھانے کی مدح یا خدمت نہیں کرتے تھے اور دنیا اور متاع دنیا کی وجہ سے ناراض نہ ہوتے تھے اور جب حق و صداقت کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپؐ شیر کی طرح سے غضب پاک ہو جاتے اور کسی کو آپؐ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور جب تک حق کو سر بلندی نہ ملتی اس وقت تک بے چین رہتے۔

اور جب اشارہ کرنا مطلوب ہوتا تو اپنے نورے ہاتھ سے اشارہ کرتے اور

جب کبھی کسی چیز پر تعجب ہوتا تو اُلٹے ہاتھ کا اشارہ کرتے اور جب کلام کرتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے قریب کرتے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر زور سے رکھتے اور جب آپؐ ناراض ہوتے تو آپؐ چہرہ پھیر لیتے اور رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور جب مسراتے تو آپؐ کی مسکراہٹ خفیف ہوتی اور تبسم سے آگے تجاوز نہ کرتی۔“

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عرصے تک اس خبر کو اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے مخفی رکھا۔ پھر میں نے اس بات کی انہیں خبر دی تو پتہ چلا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے ہند بن ابی ہالہ سے حلیہ مبارک سن چکے تھے اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے والد ماجد امیر المومنین علیہ السلام سے رسول خدا کے دخول، خروج اور ان کی مجلس کے متعلق بھی سوال کیا تھا۔

آنحضرتؐ کا دخول، خروج اور نشست عام

چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے امیر المومنین سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:-

”جب آپؐ گھر تشریف لاتے تو اس وقت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔

ان کے وقت کا ایک حصہ اللہ کے لیے ہوتا تھا (جس میں وہ عبادت کرتے تھے) ایک حصہ افراد خانہ کے لیے ہوتا تھا اور ایک حصہ ان کے اپنے لیے ہوتا تھا۔ اور آپؐ لوگوں کو بھرپور وقت دیا کرتے تھے جس میں عام و خاص آپؐ سے مل سکتے تھے۔ آپؐ اپنی محفل میں اہل فضل کو مقدم رکھتے تھے اور آپؐ کی نظر میں فضیلت کا معیار دین کے احکام کی پابندی تھی۔ اور حاجت مند افراد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؐ ان کی حاجت برآوری کے لیے کوشاں ہوتے۔ امت کو مسائل دین بتاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے جو یہاں حاضر ہے اس کو چاہیے کہ غائب تک یہ پیغام پہنچائے۔

اور فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں آئے گا اس کو

نے آؤ اور جو شخص ایسے شخص کی حاجت کسی حکمران تک لے جائے تو اللہ بروز قیامت اسے ثابت قدم رکھے گا۔
لوگ خالی جھولیاں لے آتے تو اپنی جھولیاں بھر کے جاتے اور صاحب علم و دانش بن کر واپس جاتے۔“

گھر سے باہر آنحضرتؐ کا طرز عمل

میں (امام حسین علیہ السلام) نے والد علیہ السلام سے پوچھا:-
گھر سے باہر آپؐ کا طرز عمل کیسا ہوتا تھا؟
امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:-

”آپؐ بلا ضرورت کلام نہیں کرتے تھے اور آپؐ لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے، انہیں اپنے سے متنفر نہیں کرتے تھے اور ہر قوم کے سربراہ کا احترام کرتے تھے اور اسے اس کی قوم پر والی مقرر کرتے تھے اور لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے۔ آپؐ کسی کے ساتھ سختی روا نہ رکھتے اور بد اخلاقی کا مظاہرہ نہ کرتے تھے اور جو صحابی چند دن تک نہ آتا اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کرتے تھے اور لوگوں سے ان کے حالات پوچھتے تھے اور اچھائی کی تعریف کرتے اور اسے تقویت پہنچاتے تھے اور برائی کی تنقیض کرتے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپؐ تمام کاموں میں اعتدال کو مد نظر رکھتے تھے اور افراط و تفریط کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؐ غفلت نہیں کرتے تھے کہ مبادا لوگ غفلت کرنے لگیں یا باطل کی طرف میلان پیدا کریں۔ آپؐ امر حق سے کوتاہی نہیں کرتے تھے اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی کوتاہی کرنے سے منع کرتے تھے۔ باکردار انسان آپؐ کی نگاہ میں افضل ہوتے تھے اور آپؐ تمام مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور آپؐ کی نظر میں وہی قابل قدر قرار پاتا تھا جو لوگوں کا زیادہ جہد اور غم گسار ہوتا تھا۔“

آنحضرتؐ کی محفلیں

امام حسین علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے آنحضرتؐ کی محفل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا :-

”آپؐ بیٹھتے تو ذکر خدا کرتے اور اٹھتے تو ذکر خدا کرتے اور محفل میں جہاں آپؐ کو جگہ ملتی بیٹھ جاتے تھے اور لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے اور تمام شرکائے محفل کو یکساں مستفید ہونے کا موقع دیتے تھے ۔ اور آپؐ کا کوئی ساتھی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ حضورؐ نے اس پر کسی دوسرے کو ترجیح دی ہے ۔ اور اگر کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو وہ اپنی مراد پا کر جاتا یا کم از کم حضرتؐ سے اچھا فرمان سن کر جاتا تھا۔ آپؐ کا خلق تمام لوگوں کے لیے وسیع تھا اور آپؐ سب کے لیے شفیق والد تھے اور حق کے لیے سب برابر تھے۔

آپؐ کی محفل صم و حیا ، صدق و امانت کی محفل ہوتی تھی ، جس میں آوازیں بلند نہیں ہوتی تھیں اور آپؐ کی محفل میں لوگوں کی عیب جوئی اور کمزوریاں بیان نہیں ہوتی تھیں ۔ محفل کے باہمی تعلقات تقویٰ پر موقوف ہوتے تھے۔

اور شرکائے محفل ایک دوسرے سے تواضع سے پیش آتے تھے ۔ جہاں بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کیا جاتا تھا اور صاحب حاجت افراد کو اپنے اوپر ترجیح دی جاتی تھی اور مسافروں کا خیال رکھا جاتا تھا۔“

آنحضرتؐ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک

میں (امام حسین علیہ السلام) نے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا اپنے ساتھیوں سے رویہ کیا تھا ؟

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”آپؐ ہمیشہ خوش اخلاق ، نرم خو رہتے تھے ۔ آپؐ تنگ دل اور تنگ مزاج ہر گز نہیں تھے ۔ فحش گوئی پسند نہیں تھی اور کسی کا عیب بیان نہ کرتے تھے ۔ ناحق مزاج سے پرہیز کرتے تھے اور کسی کی بلا وجہ مداح نہیں کرتے تھے ۔ جس چیز کو پسند نہ کرتے اس سے تغافل فرماتے تھے ۔ کسی کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی امید وار کو ناکام نہیں پلاتے تھے ۔

اور آپؐ تکبر ، کثرتِ طلبی اور بے مقصد گفتگو جیسی تینوں صفات سے منزہ تھے ۔ اور آپؐ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے اور کسی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے ۔ اور نہ ہی کسی کی کمزوریوں کے درپے ہوتے تھے ۔

اور آپؐ بس وہی کلام کرتے جس کے ثواب کی امید رکھتے تھے اور جب آپؐ گفتگو کرتے تھے تو آپؐ کے اصحاب ہمہ تن گوش ہو کر آپؐ کے فرمان کو سنتے تھے ۔ اور یوں خاموش رہتے جیسا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور جب آپؐ خاموش ہوتے تو صحابہؓ گفتگو کرتے اور آپؐ کے سامنے صحابہؓ آپس میں نہیں جھگڑتے تھے اور اگر کوئی شخص آنحضرتؐ سے گفتگو کرتا تو صحابہؓ خاموش ہو کر سنا کرتے تھے ۔ جب کبھی صحابہؓ مسکراتے تو آپؐ بھی ان کے ساتھ مسکراتے اور جس سے آپؐ کے اصحاب تعجب کرتے تو آپؐ بھی تعجب کا اظہار کرتے ۔ اور اگر کوئی بدو آپؐ سے سختی سے پیش آتا تو آنحضرتؐ اس پر صبر کرتے ، ایسے شخص کو صحابہؓ کھینچ کر بٹھادیے تھے اور فرماتے تھے جب تم کسی حاجت مند کو حاجت کے لیے تنگ و دو

کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ساتھ نرمی کرو اور ہم پلہ کے علاوہ کسی کی ثناء قبول نہیں کرتے تھے۔ اور کسی کی بات پر آپؐ کو ٹوکنے کی عادت نہ تھی اور نہ ہی کسی کی گفتگو کے دوران انھ کر کھڑے ہوتے تھے۔“

آنحضرتؐ کی خاموشی

میں (امام حسین علیہ السلام) نے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کی خاموشی کیسی ہوتی تھی ؟

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :-

”آپؐ کا سکوت چار چیزوں یعنی حلم ، ہوشیاری ، اندازہ گیری اور فکر پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپؐ ہمیشہ تسویہ نظر اور استماع بین الناس کے متعلق اندازہ فرماتے تھے۔ اور آپؐ ہمیشہ باقی رہنے والی اور فنا ہونے والی چیزوں کے متعلق سوچا کرتے تھے اور آپؐ کے لیے حلم و صبر یکجا کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ کوئی چیز آپؐ کو غضب ناک نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی کوئی چیز آپؐ کو متغیر کر سکتی تھی اور آپؐ کی ہوشیاری چار بنیادوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

- 1- اچھی چیز کو اپنانا تاکہ آپؐ کی اقتدا ہو سکے۔
- 2- فتنہ کو ترک کرنا تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔
- 3- اور امت کی اصلاح و فلاح کے لیے مقدور بھر کوشش۔
- 4- اور امت کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی جمع کرنا۔

صلوات اللہ علیہ و آلہ الطاہرینؑ

میں نے شامل مبارکہ کی روایت مختلف اسناد سے اپنے مشائخ سے نقل کی ہے جسے میں نے ”کتاب النبوة“ میں نقل کیا ہے۔ اور اس مقام پر میں نے اس روایت کا صرف وہی حصہ نقل کیا ہے جو امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

ہے کیونکہ اس کتاب میں ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام کی مرویات ہی نقل کی جائیں۔ اور میں نے اس حدیث کے مشکل الفاظ کی شرح اپنی کتاب معانی الاخبار میں لکھی ہے۔

وهذا اخر ما اوردنا ترجمته من كتاب عيون اخبار الرضا عليه السلام واسئل الله ان يوفقني لمرضاته وان يجعله ذخرا ليوم فقري وفاقتي وان يتجاوز عن سيئاتي وعن ذنوب والذی فانه ارحم الراحمين - وصلى الله على حبيبہ محمد و اله الطاهرين المعصومين -

و انا الاثم الجاني محمد حسن الجعفری -